جلد اول

www.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved
اقبال سائبر لائبریری
©2002-2006

پہلا باب

عرب اور اہل عرب

عرب ہندوستان سے پچھم کی طرف واقع ہے۔ ہمارے ملک کی طرح اسے بھی تین طرف سے پانی نے گھیر رکھا ہے۔ اس لئے اسے جزیرہ نمائے عرب کہتے ہیں۔ اس کے مغرب میں بحیرہ قلزم موجیں مار رہا ہے۔ مشرق میں خلیج فارس، جنوب میں بحیرہ ہند ہے۔ اور شمال میں شام اور فلسطین کے شاداب علاقے پھیلے ہوئے ہیں۔

عرب کا رقبہ کوئی ساڑھے بارہ لاکھ مربع میل ہو گا۔ لیکن آبادی بہت کم ہے۔ ملک کی آب وہوا گرم خشک ہے، بارش بہت کم ہوتی ہے۔ اس لئے کھیتی باڑی بھی نہیں ہو سکتی۔ سارے ملک میں بنجر میدان، سنسان بیابان ویرانے اور ریگستان پھیلے ہوئے ہیں۔ ساحلی علاقوں میں تو تھوڑی بہت پیداوار ہو جاتی ہے۔ لیکن ملک کے اندرونی حصوں میں لق ودق بیابانوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔

نہ پانی ملتا ہے نہ کوئی پیڑ دکھائی دیتا ہے۔ ہاں جا بجا ریت کے تودے پھیلے ہوئے ہیں۔ جو سورج کی کرنوں میں آب رواں کی طرح لہراتے نظر آتے ہیں۔

دور سے دیکھو تو معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے ریتیلے میدانوں میں گل وگلزار

کھلائے ہیں۔اور ہر سمت شفاف چشمے جن کا پانی موتی کی آب کو شرماتا ہے۔

موجیں مار رہے ہیں۔کبھی شاداب وادیاں نظر آتی ہیں۔جن میں شہر اور گاؤں آباد نظر آتے ہیں۔لیکن یہ سارا نظر کا دھوکا ہے۔جوں جوں آگے بڑھتے جاؤ یہ طلسمی نظارے پیچھے ہٹتے جاتے ہیں۔کہیں کہیں خاردار جھاڑیاں بھی نظر آتی ہیں۔اونٹ جسے صحرا کا جہاز کہتے ہیں، انہیں جھاڑیوں کو کھا کر پیٹ پالتا ہے۔اوران تپتے ہوئے صحراؤں میں اڑا چلا جاتا ہے۔اس علاقے میں سال بھر زور کی ہوائیں چلتی رہتی ہیں۔ریت کے تودے یونہی بنتے بگڑتے رہتے ہیں۔ابھی جس مقام پر ریت کے انبار نظر آتے ہیں۔لمحہ بھر بعد دیکھو تو وہاں کف دست میدان نظر آئے گا۔اور جس جگہ کچھ عرصہ پہلے میدان تھا۔وہاں ریت کے اونچے ٹیکروں پر سورج کی کرنیں سنہری لکیر کی طرح چمکتی دکھائی دیں گی۔جب ہوا چلتی ہے تو مسافر اونٹ سمیت منہ کے بل گرتے ہیں۔اور طوفان تھمتا ہے تو ریت کے انبار سے آہستہ آہستہ نکلتے ہیں۔اکثر لوگ یونہی ریت میں دب کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔

ملک میں چٹیل پہاڑوں کا ایک سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔ان میں کہیں کہیں چشمے پھوٹ نکلے ہیں۔جن کی برکت سے آس پاس کا علاقہ سر سبز ہو گیا ہے۔جہاں ایک چشمہ اور کھجور کے چند درخت ہیں، وہاں ایک چھوٹا موٹا گاؤں آباد ہو گیا ہے۔کبھی کبھی تھوڑی بہت بارش بھی ہو جاتی ہے۔جس سے کہیں کہیں گھاس اگ آتی ہے۔

عرب کے حصے

عرب کا جو حصہ عراق سے خلیج فارس تک پھیلا ہوا ہے۔ اس میں بحرین اور عمان کے علاقے بہت مشہور ہیں۔ بحرین جو سمندر کے کنارے واقع ہے۔ موتیوں کے لئے شہرت رکھتا ہے۔ یہاں ہر سال ہزاروں کشتیاں آتی ہیں۔ اور غوطہ خور سمندر میں غوطہ لگا کر موتی نکالتے ہیں۔ یہاں کے موتی بڑی بڑی قیمت پاتے ہیں۔ عمان کا علاقہ اس کے شمال میں ہے۔ یہاں ایک سرسبز پہاڑ دور تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ اس پہاڑ میں کثرت سے کانیں ہیں۔ وادیوں میں پھلوں کی کثرت ہے۔ غلہ بھی ہوتا ہے۔ عمان کے گھوڑے، گائیں، اور بکریاں بہت مشہور ہیں۔

نجد

نجد کا علاقہ عرب کے درمیان میں واقع ہے۔ اس کے چاروں طرف سنسان ریگستان پھیلے ہوئے ہیں۔ عرب کا سب سے بڑا چشمہ بھی اسی علاقے میں ہے۔ لیکن آب پاشی کا انتظام اچھا نہیں۔ نجد کے پھول بہت مشہور ہیں۔ یہاں کے اونٹ اور گھوڑے بھی بہت تیز رفتار ہوتے ہیں۔

یمن

یمن کا علاقہ بحر ہند اور بحیرہ قلزم کے ساحل پر پھیلا ہوا ہے۔ یہ علاقہ عرب کا سب سے سرسبز اور شاداب حصہ ہے۔ عرب کے دوسرے علاقوں سے اس کا مقابلہ کرو تو حیرت ہوتی ہے۔ کہ کہاں وہ تپتے ہوئے ریگستان اور کہاں پر یہ بہار چمن زار۔ یہاں جا بجا پرانے شہروں اور قلعوں کے کھنڈر ملتے ہیں۔ بہت پرانے زمانے میں یہاں بہت بڑی بڑی سلطنتیں قائم تھیں۔ صنعا اس علاقے کا سب سے بڑا شہر ہے۔ یمن کا قہوہ بہت مشہور ہے اور دور دور جاتا ہے۔

حجاز:

حجاز صوبہ بحیرہ قلزم کے کنارے واقع ہے۔ اس صوبے میں ایک پہاڑ جنوب سے شمال تک چلا گیا ہے۔ اس میں جا بجا چشمے پھوٹ نکلے ہیں۔ جن کی وجہ سے کھیتی باڑی ہوتی ہے۔ اور بہت سے گاؤں آباد ہو گئے ہیں۔ لیکن بہت سا باقی حصہ ابھی ریگستان ہے۔ جس میں کسی قسم کی زراعت نہیں ہو سکتی۔ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، جدہ اور طائف اس صوبے کے بڑے بڑے شہر ہیں۔ مکہ معظمہ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے تھے۔ مدینہ منورہ میں آپ کا روضہ مبارک ہے۔ جدہ حجاز کی مشہور بندرگاہ ہے۔ طائف کو حجاز کی جنت کہنا چاہیئے۔ یہاں ہر طرف سبزہ زار اور چمنستان نظر آتے

ہیں۔مختلف قسم کے پھل کثرت سے ہوتے ہیں۔

عرب کے باشندے

عرب کی سرزمین دنیا کے ملکوں سے کچھ اس طرح الگ تھلگ واقع ہوئی ہے۔اور پھر وہاں پیداوار اس قدر کم ہے کہ کسی قوم کو اس کی طرف رخ کرنے کا خیال نہیں آیا۔ آریہ قوم وسط ایشیا سے نکلی تو اس کے قافلے عرب کے پاس سے ہو کر گزرے۔لیکن انہوں ان تپتے ہوئے ریگستانوں میں قدم نہیں رکھا۔یونانیوں نے یورپ اور ایشیا کے اکثر حصوں کو فتح کرلیا۔یہاں پہنچے اپنی بستیاں بسائیں اور سلطنتیں قائم کیں۔لیکن انہیں بھی عرب پر حملہ کرنے کی جرات نہیں ہوئی۔البتہ عرب کے لوگ کئی بار اپنے ملک سے نکلے اور دوسرے ملکوں میں پھیل گئے۔مورخ کہتے ہیں کہ آج سے کوئی پانچ ہزار سال پہلے عرب کے قبیلے اپنے وطن سے نکلے اور شام مصر اور بابل پر چھا گئے۔اس واقعہ کو قریبا ڈیڑھ ہزار سال ہوئے تھے۔کہ پھر وہ سیلاب کی طرح اٹھ پڑے،اور آس پاس کے ملکوں میں آباد ہو گئے۔

کوئی تیرہ سو سال کا ذکر ہے کہ وہ آخری مرتبہ ریگستانوں سے گھوڑے اڑاتے ہوئے نکلے اور فتح کے جھنڈے لہراتے ایشیا، یورپ اور افریقہ کے مختلف حصوں میں جا پہنچے۔

یہ تو پوری طرح معلوم نہیں ہوسکا۔کہ عرب کے لوگ کتنی بار اپنے ملک سے نکلے۔

اور انہوں نے کن کن علاقوں پر حملے کیے۔ البتہ ان کے آخری حملے کے حالات کتابوں میں ملتے ہیں۔ اور یہ بھی با آسانی معلوم ہو سکتا ہے کہ اس زمانے میں وہ کس قسم کی زندگی بسر کرتے تھے۔

عرب کے لوگ بڑے تنومند اور بہادر ہوتے ہیں۔ جفاکشی کی زندگی نے انہیں لوہے کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ شجاعت ان کا خاص جوہر ہے۔ وہ جنگ کے میدان میں بڑی بہادری سے لڑتے ہیں اور قدم پیچھے نہیں ہٹاتے۔

سخاوت اور مہمان نوازی کا نام بھی انہیں کے نام سے روشن ہے۔ یوں تو یہ خوبیاں اب بھی ان میں موجود ہیں۔ لیکن پرانے زمانے کے لوگ بات کے بہت دھنی ہوتے تھے۔ جو کوئی ان کے خیمے کو چھو لیتا، خواہ وہ کیسا ہی خطاوار ہوتا، اس کی حفاظت میں مال و جان قربان کر ڈالتے تھے۔ وہ مختلف قبیلوں میں بٹے ہوئے تھے۔ ہر قبیلے کا سردار الگ ہوتا تھا۔ جس کی اطاعت سارا قبیلہ کرتا تھا۔ یہ قبیلے ہمیشہ آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ اور ان لڑائیوں کا سلسلہ برسوں چلتا تھا۔ ذرا ذرا سی بات پر تلوار کھنچ جاتی اور خون کی ندیاں بہا کر دم لیتی تھی۔ کبھی کبھی تھوڑی دیر کے لئے جنگ رک جاتی تو شاعر قبیلے کو انتقام پر ابھارتے، لوگوں کی رگوں میں شجاعت کا خون لہریں لیتا۔ اور پھر تلواروں اور تیروں کی بجلیاں کوندنے لگتی تھیں۔

جنگ کے میدانوں میں عورتیں دف بجا بجا کر گیت گاتی تھیں۔ اور باپ دادا کا ذکر کر کے مردوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

عرب میں میلے بھی لگتے تھے، جن میں دور دور کی چیزیں بکنے آتی تھیں۔تقریریں کرنے والے اپنی تقریروں اور شاعر اپنے اشعار سے لوگوں کو گرماتے۔بہادر تلواریئے اور شہہ سوار اپنی شہہ سواری اور تیغ زنی کے جوہر دکھاتے تھے۔ان میلوں میں عطاظ کا میلہ بہت مشہور تھا۔

عرب آزاد تھے۔اور اپنے اپنے قبیلے کے سردار کے سوا کسی کا حکم نہیں مانتے تھے۔بعض لوگوں نے اس سرزمین میں بادشاہت قائم کرنے کی کوشش کی۔لیکن انہیں کامیابی نہیں ہوئی۔ہاں بعض قبیلے جو سرحد پر آباد تھے۔روم اور ایران کے بادشاہوں کو اپنا سردار مانتے تھے۔

عربوں میں بہت سی برائیاں بھی تھیں۔وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔جوا کھیلتے اور شراب پیتے تھے۔کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی تو اسے زمین میں گاڑ دیتے تھے۔پھر ان برائیوں پر فخر کرتے تھے۔اور بھری محفلوں میں اپنے گناہوں کی داستانیں سنا سنا کر خوش ہوتے تھے۔لوٹ مار کا رواج عام تھا۔انسان کا خون بہانا کوئی عیب نہ سمجھا جاتا تھا۔

حضرت ابراہیم

ہم بتا چکے ہیں کہ عرب کے باشندے کئی بار اپنے ملک سے نکلے اور دور دور کے ملکوں میں پھیل گئے۔انہیں عرب قبیلوں میں اللہ کے سچے پیغمبر حضرت ابراہیم کا

خاندان بھی تھا، جو بابل میں آباد ہو گیا تھا۔ ان کے باپ دادا بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ لیکن حضرت ابراہیم کو بچپن سے ہی سوچ بچار کی عادت تھی۔ پتھر کی بے جان مورتوں پر ان کا دل نہ جما۔ اور سوچنے لگے کہ اس دنیا کو پیدا کرنے والا کوئی اور ہے۔ ایک رات کو سوچتے سوچتے آسمان کی طرف نگاہ کی تو ایک تارا جگمگاتا نظر آیا۔ جی نے کہا شاید یہی دنیا کا پروردگار ہے۔ لیکن تھوڑی دیر بعد چاند نکلا۔ اور ہر طرف نور کی لہریں بہنے لگیں۔ تو انہیں خیال ہوا کہ یہی میرا رب ہے۔ کیونکہ یہ بہت بڑا اور روشن ہے۔ اسی فکر میں صبح ہو گئی۔ چاند غائب ہو گیا۔ پورب سے سورج کی کرنوں کا تاج پہنے جگ مگ جگ مگ کرتا نکلا۔ یہ دیکھ کر وہ مارے خوشی کے اچھل پڑے۔ کہنے لگے ہو نہ ہو یہی ساری دنیا کا پروردگار ہے۔ دن گزرا، سورج بھی اپنی چمک دمک دکھاتا، دنیا کو جگمگاتا ڈوب گیا۔ اور پھر وہی تاریکی چھا گئی اور وہ بہت دل ملول ہوئے۔ یکا یک دل کی آنکھوں کے سامنے نور کی کرن چمکی، خداوند حقیقی کا جلوہ نظر آیا، جی نے کہا یہ مٹنے اور بدلنے والی چیزیں محبت کے قابل نہیں۔ اس نیلے آسمان اور چمکنے والے ستاروں، چاند اور سورج، دریاؤں اور پہاڑوں، ریگستانوں اور بیابانوں کا مالک اور خالق ہے۔ جو ظاہری آنکھوں سے اوجھل رہتا ہے۔ پھر تو خدا کی محبت میں ایسے سرشار ہوئے کہ بتوں کو توڑنا پھوڑنا شروع کر دیا۔ لوگوں نے بڑی مخالفت کی۔ طرح طرح کی ایذائیں دیں۔ لیکن خدا کی رحمت نے دشمنوں سے بچایا۔ حضرت ابراہیم خدا کی محبت میں اس قدر ڈوبے ہوئے تھے کہ اپنے نور نظر

حضرت اسماعیل کو قربانی کے لئے پیش کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ نذر تو قبول نہ کی اور جنت سے قربانی کے لئے بکرا بھیج دیا اور حضرت اسماعیل کو بچالیا۔ البتہ ہمیشہ کے لئے قربانی کی رسم قائم کردی۔ یہ رسم اب تک چلی آتی ہے۔ بقرعید کے موقع پر ہر مسلمان جسے قربانی کی توفیق ہو، ضرور قربانی کرتا ہے۔

حضرت ابراہیم نے حضرت اسماعیل کو اور ان کی ماں اس جگہ رہنے کا حکم دیا تھا۔ جو آج کل مکہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس وقت یہ مقام سنسان اور بیابان تھا۔ دور دور تک کہیں پانی نہ ملتا تھا۔ حضرت ہاجرہ کو اور ان کے ننھے فرزند کو یہاں پیاس کی وجہ سے بڑی تکلیف ہوئی۔ آخر گڑگڑا کر خدا سے دعا مانگی، قدرت خداوندی کا کرشمہ دیکھو کہ صحرا کے جگر سے میٹھے پانی کا سوتا بہہ نکلا۔ جس سے ماں بیٹوں نے پیاس بجھائی، اور اس چشمہ کی برکت سے یہاں اچھی خاصی رونق اور چہل پہل ہوگئی۔ اور اس کے آس پاس ایک بستی آباد ہوئی۔ یہ چشمہ جو زمزم کے نام سے مشہور ہے، اب تک یہاں موجود ہے۔

خانہ کعبہ

اس اجاڑ بیابان میں خدا کی عبادت کا ایک پرانا گھر بنا ہوا تھا۔ جو اب تقریباً مٹ چکا ہے۔ حضرت ابراہیم نے اپنے فرزند حضرت اسماعیلؑ کے ساتھ مل کے اس گھر کو دوبارہ بنایا۔ ابتداء میں یہ گارے اور پتھر کی چھوٹی سی عمارت تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس نے

بہت ترقی کی۔اور اس کے آس پاس کسی کو لڑنے بھڑنے، کسی کو ستانے اور تکلیف دینے کی ممانعت کر دی گئی تھی۔اب تک یہ گھر جس کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسماعیلؑ نے رکھی تھی۔مکہ میں موجود ہے، دنیا بھر کے مسلمان اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ ہر سال دور دراز سے یہاں مسلمان جوق در جوق یہاں جمع ہوتے ہیں۔اور اس مبارک گھر کا طواف کرتے ہیں۔اس موقع پر قربانی کی رسم بھی ادا کی جاتی ہے۔

قریش

حضرت ابراہیمؑ کے دو فرزند تھے۔ایک تو حضرت اسماعیلؑ جنہوں نے مکہ میں بود و باش اختیار کر لی تھی۔دوسرے اسحاق۔اللہ تعالٰی نے حضرت ابراہیمؑ سے وعدہ کیا تھا کہ میں تیری اولاد کو برکت دوں گا۔چنانچہ حضرت اسحاق کی اولاد فلسطین اور شام کے علاقے میں خوب پھلی پھولی۔بنی اسرائیل جنہوں نے خدا کی نعمتوں کی قدر نہ کی۔اور اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا، قدرت کی نعمتوں کی قدر نہ کی اور اپنے پیغمبروں کو جھٹلایا۔ حضرت اسحاق کی اولاد میں سے ہیں۔قرآن مجید میں ان کا ذکر بار بار آیا ہے۔حضرت اسماعیلؑ کی اولاد عرب کے اکثر حصوں میں پھیل گئی۔صرف ایک قبیلہ مکہ میں رہ گیا، جو قبیلہ قریش کے نام سے مشہور ہے۔قریش ابتدا میں بہت کمزور تھے۔اور مکہ میں عرب کی دوسری قوموں کا قبضہ تھا۔لیکن قریش کے ایک سردار قصی بن کلاب کی

ہمت اور جرات سے پھر حضرت اسماعیل کے خاندان کا ستارہ چمکا۔ اور انہوں نے دشمنوں کو نکال دیا۔ قصیٰ بن کلاب بڑے دانش مند سردار تھے۔ انہوں نے چاہ زمزم کو جو قریش کی غفلت کے باعث مٹی میں دبا پڑا تھا۔ کھدوا کر نکالا اور خانہ کعبہ کا انتظام بھی اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

مذہب:

شروع میں عرب حضرت اسماعیل کے دین پر قائم تھے۔ یعنی ان کی گردن سچے خدا کے سوا کسی کے آگے نہیں جھکتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ وہ سیدھی راہ سے بھٹک گئے۔ گمراہی کا طوفان اٹھا۔ چاند، سورج، پہاڑ، دریا اور ستارے پوجا جانے لگے۔ لوگوں کے دل سے سچے خدا کا خوف نکل گیا۔ اور انہوں نے غضب تو یہ کیا کہ خانہ کعبہ میں تین سو ساٹھ بت لا کر رکھ دیئے۔ جن پر چڑھاوے چڑھتے تھے۔ اور خداوند حقیقی کی بجائے ان سے مرادیں مانگی جاتی تھیں۔

عرب میں کچھ لوگ خدا کے سچے پیغمبروں حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے ماننے والے بھی تھے۔ لیکن ان مذہبوں میں بہت سی خرابیاں بھی آ گئی تھیں۔ لوگ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی اصلی تعلیم چھوڑے بیٹھے تھے۔ انہوں نے اپنی مذہبی کتابوں میں بہت سی تبدیلیاں کر لی تھیں۔ اور بت پرستی کی اکثر رسمیں، ریتیں اختیار کر چکے تھے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے۔ اور ان کے بت کی پوجا کرتے تھے۔

ہمسایہ ممالک

عرب کے آس پاس جو ملک واقع ہیں۔ان کا حال بھی عجیب تھا۔شام ،فلسطین اور عراق میں عیسائیوں کی حکومت قائم تھی۔جس کا ایک سرا عرب سے اور دوسرا روما سے ملا ہوا تھا۔یہ سلطنت بہت بڑی تھی۔لیکن اس میں لوگوں پر بہت ظلم کیے جاتے تھے۔اور حضرت عیسٰی کی اصلی تعلیم میں بت پرستی کی بہت سی رسمیں شامل ہو گئی تھیں۔اس علاقے میں جو یہودی یعنی حضرت موسیٰؑ کو ماننے والے موجود تھے۔ انہیں ایسی ایسی سزائیں دی جاتیں کہ قلم میں ان کے لکھنے کی طاقت نہیں۔

مشرق میں ایران کی سلطنت تھی۔وہاں آگ کی پوجا ہوتی تھی۔اور لوگ سچے خدا کو بالکل بھول چکے تھے۔عرب کی سرحد کے بعض علاقے اچھی خاصی ترقی کر چکے تھے۔چنانچہ یمن میں صبا ایک عظیم الشان سلطنت کا مرکز تھا۔قرآن میں اس سلطنت کا ذکر آیا ہے۔بلقیس یہاں کی ملکہ تھی۔حضرت سلیمان علیہ سلام کو جنہیں خدا نے پیغمبری کے ساتھ ساتھ حکومت بھی بخشی تھی۔بلقیس کا حال معلوم ہوا تو بلوا بھیجا۔بلقیس بڑی شان وشوکت سے حضرت سلیمان کے دربار میں پہنچیں۔حضرت سلیمان نے سچے خدا کی پرستش کا طریقہ سکھایا اور ان سے بیاہ کر لیا۔ایک مرتبہ یمن میں ایسا طوفان اٹھ آیا کہ سارے ملک کو تباہ کر دیا۔اس طوفان میں سبا کی حکومت بھی مٹ گئی۔

واقعہ فیل

افریقہ کے ساحل پر حبشہ ایک ملک ہے۔اور حبشہ کو بحیرہ قلزم ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔جب یمن کی سلطنت تباہ ہوئی تو حبشہ کے لوگوں نے جو حضرت عیسیٰ کے پیرو تھے۔اس علاقہ پر قبضہ کرلیا۔یہاں کے ایک فرمانروا ابرہہ نے جب سنا کہ مکہ میں خدا کا گھر ہے۔جسے سارا عرب مقدس سمجھتا ہے۔تو وہ ہاتھیوں کی فوج لے کر خانہ کعبہ کو ڈھانے چلا۔اس وقت آنحضرت کے دادا حضرت عبدالمطلب قریش کے سردار تھے۔

حبشی فوج کی آمد کا چرچا ہوا تو قریش آس پاس کے پہاڑوں میں جا چھپے۔اور حضرت عبدالمطلب اکیلے خانہ کعبہ میں رہ گئے۔ابرہہ ہاتھیوں کا یہ دل بادل کی طرح لے کر آندھی اور بھونچال کی طرح خانہ کعبہ کی طرف بڑھا تو خدا کا عذاب نازل ہوا۔اور وہ اور اس کے ساتھی اور کوہ پیکر ہاتھی ہلاک ہو گئے۔

حبشیوں کی یہ حکومت بھی جلد مٹ گئی۔اور یمن،عراق،سرحد شام پر عربوں کی حکومتیں قائم ہوئیں،جو ایران اور روم کی بادشاہتوں کے ماتحت تھیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ظہور

عرب کے لوگ بہت گئے گزرے سہی ۔لیکن دنیا کی دوسری قوموں کی حالت ان سے بھی زیادہ خراب تھی ۔ایران اور روم کی حالت ہم بیان کر چکے ہیں ۔دوسرے ملکوں میں بھی یہی رنگ اچھل رہا تھا۔

ساری دنیا ایک ایسے ہادی کے انتظار میں تھی کہ جو بھٹکے ہوؤں کو سیدھی راہ پر لائے ۔اور باطل کے اندھیرے میں صداقت کا نور چمکائے ۔یکا یک عرب کے قلب یعنی مکہ سے جسے حضرت اسماعیل کے بابرکت ہاتھوں نے بسایا تھا۔نور کا ایک سیلاب پھوٹ پڑا۔جس نے مشرق سے مغرب تک اجالا کر دیا۔

عرب کے محل وقوع پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ سرزمین ایسی جگہ واقع ہے جہاں پر خشکی کے تین بڑے بڑے ٹکڑوں کی سرحدیں آپس میں ملتی ہیں ۔افریقہ کا ساحل عرب کے سامنے ہے ۔آبنائے باب المندب نے اسے اس براعظم سے جدا کر رکھا ہے ۔ادھر شام اور فلسطین کے ساتھ یورپ کی سرحد آن ملتی ہے ۔اور جس زمانے میں آنحضرت کا ظہور ہوا،عرب کی سرحد سے اس علاقے تک جو اب اطالیہ کہلاتا ہے ۔ایک ہی سلطنت پھیلی ہوئی تھی ۔جس کے ساتھ اکثر عربوں کے تعلقات تھے ۔ اس لئے جب دونوں جہان کے سردار نے عرب کو اسلام کی تعلیم دی تو افریقہ اور یورپ کے اکثر ممالک میں اسلام نہایت تیزی سے پھیل گیا۔

دوسرا باب

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خاندان اور ولادت

حضرت اسمعیل علیہ سلام کی اولاد میں قصیٰ بن کلاب مشہور سردار گزرے ہیں ۔جن کا گھرانہ سارے عرب میں ممتاز تھا۔ان کے فرزند عبد مناف تھے۔جن کے پوتے عبد المطلب ابرہہ کے حملہ کے وقت قریش کے سردار تھے۔کہتے ہیں کہ عبد مناف کے ہاں دو جڑواں بیٹے پیدا ہوئے ۔ان کی پشتیں تلوار سے کاٹ کر الگ کی گئیں ۔ایک کا نام ہاشم تھا۔دوسرے کا عبد الشمس ۔عرب کے بعض سیانے بڈھوں نے دیکھ کر کہا کہ ان دونوں کی اولاد میں تلوار چلے گی ۔ چنانچہ بات پوری ہو کر رہی ۔ عبدالمطلب انہی ہاشم کے فرزند تھے ۔

عبدالمطلب کے دس فرزند تھے ۔جن میں حمزہ ،عباس ،ابولہب ،ابو طالب ،اور عبد اللہ سب سے زیادہ مشہور ہیں ۔حضرت عبداللہ کی شادی قریش کے ایک معزز بنی زہرہ کے سردار کی لڑکی آمنہ سے ہوئی ۔شادی کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ حضرت عبد اللہ کا

انتقال ہو گیا۔ان کی وفات کو دو مہینے گزرے تھے کہ ربیع الاول کی سترہ کو صبح صادق کے وقت خانہ کعبہ میں نبیوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیدا ہوئے۔ جناب عبد المطلب کو خبر ہوئی تو دوڑے دوڑے آئے اور پوتے کو بیٹے کی یادگار سمجھ کر سینے سے لگایا۔بڑی خوشیاں منائیں ساتویں دن عقیقہ کیا۔اور آپ کا نام محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رکھا

بچپن

ان دنوں عرب میں دستور تھا کہ شریف لوگ بچوں کو پیدا ہوتے ہی گاؤں کی دایوں کے سپرد کر دیتے تھے۔یہ بچے جو نخلستان اور ویرانوں میں پلتے۔ہاتھ پاؤں کے مضبوط اور تندرست ہوتے تھے۔جب دودھ چھڑائی کا زمانہ آتا تو دائیاں انہیں واپس لے آتیں۔آنحضرت کو بھی قبیلہ بنی سعد کی ایک خوش نصیب دائی بی بی حلیمہ دودھ پلانے لے گئیں۔دو سال گزرے تو واپس لائیں۔لیکن ان دنوں مکہ کی آب وہوا خراب تھی۔حضرت آمنہ نے انہیں پھر بی بی حلیمہ کے ساتھ قبیلہ بنی سعد کے گاؤں میں بھیج دیا۔بی بی حلیمہ نے بڑی محبت اور پیار کے ساتھ آپ کی پرورش کی۔ان کی صاحبزادی شیما آپ کو بہت چاہتی تھیں۔دن بھر گود میں لیے پھرتیں اور دم بھر کے لئے آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتیں۔چوتھے برس بی بی حلیمہ آپ کو لائیں اور حضرت آمنہ کے سپرد کر دیا۔

کچھ دن بعد آپ اپنی والدہ کے ساتھ مدینہ گئے۔ مدینہ میں آپ کے والد کے نانیہال تھے۔ وہ دفن بھی وہیں ہوئے تھے۔ واپس آتے وقت حضرت بی بی آمنہ بیمار ہو گئیں اور راستہ میں ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت آپ کی عمر چھ سال تھی۔ ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو دادا نے اپنے دامن شفقت میں جگہ دی۔ لیکن دو سال بھی نہ ہوئے تھے کہ یہ سہارا بھی نہ رہا۔ حضرت عبدالمطلب مرتے وقت آپ کو حضرت ابو طالب کے سپرد کر گئے تھے۔ ابو طالب بڑے شفیق چچا تھے۔ آپ پر جان چھڑکتے تھے اور اپنی اولاد سے زیادہ عزیز جانتے تھے۔ انہوں نے بڑی محبت سے آپ کی پرورش کی۔

ان دنوں عرب میں تعلیم بہت کم تھی۔ ایسے لوگ خال خال ہی نظر آتے تھے۔ جو لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ آپ کو کسی نے لکھنا پڑھنا نہیں سکھایا۔ البتہ مدتوں جنگلوں بیابانوں کی سیر کرتے اور بکریاں چراتے رہے۔ بتوں کی پوجا عام تھی، گھر گھر پتھر کی مورتیں پوجی جاتی تھیں۔ ان پر چڑھاوے چڑھتے تھے۔ منتیں مانی جاتی تھیں۔ لیکن آپ کو بچپن سے ہی عرب کی ان جاہل رسموں اور ریتوں سے نفرت تھی۔ شہروں کے آس پاس میلے لگتے تھے۔ ان میں دور دور سے لوگ آتے۔ کھیل تماشے ہوتے تھے۔ لیکن آپ ان کھیل تماشوں سے ہمیشہ الگ تھلگ رہے۔ قدرت نے آپ کی طبیعت میں نیکی اور پاکیزگی کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ جوں جوں آپ کی عمر زیادہ ہوتی گئی۔ یہ جوہر چمکتا گیا۔ آپ ہر شخص سے بڑی محبت سے پیش آتے تھے۔ کسی کو مصیبت میں

دیکھتے تو پریشان ہو جاتے تھے۔ جھوٹ سے نفرت تھی۔ کسی سے کوئی وعدہ کرتے تو اسے ضرور پورا کرتے۔ آپ نے اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں گھر کرلیا تھا۔ لوگ آپ کے پاس امانتیں رکھ جایا کرتے تھے۔ چنانچہ آپ مکہ بھر میں امین کے نام سے مشہور تھے۔

آنحضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جوانی کے زمانے کا ذکر ہے کہ ایک سوداگر تجارت کا بہت سا سامان لے کر مکہ آیا۔ مکہ کے ایک سردار نے اس کا سارا مال چھین لیا۔ اس بے چارے نے مکہ کے ایک پہاڑ پر چڑھ کر لوگوں سے فریاد کی۔ بڑے بڑے آدمیوں سے مل کر اپنا حال بھی سنایا۔ آپ کے ایک چچا نے اپنے گھرانے کے لوگوں اور مکہ کے دوسرے معزز اور شریف آدمیوں کو جمع کر کے معاہدہ کیا کہ آئندہ ہم سب ملک میں امن و امان قائم کریں گے۔ مسافروں کو ظلم سے بچائیں گے، غریبوں کی مدد کریں گے۔ اس معاہدے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی شریک تھے۔

انہی دنوں قریش اور قیس کے قبیلوں میں جنگ چھڑی اور خون کی ندیاں بہہ گئیں۔ آپ اس جنگ میں شریک تو ہوئے، لیکن یہ لڑائی ان مہینوں میں ہوئی جن میں لڑنا جائز نہیں۔ اس لئے آپ نے کسی پر تلوار نہیں اٹھائی۔

کعبہ کی تعمیر

کعبہ کی عمارت کئی مرتبہ ٹوٹ کر بنی تھی۔ قریش کے سردار قصی بن کلاب نے اسے نئے سرے سے بنایا۔ اور زمزم کے کنویں کو بھی جو مٹی تلے دب گیا تھا، کھود کر نکالا تھا۔ لیکن کعبہ کی عمارت نشیب میں تھی۔ مینہ برستا تو سارا پانی یہاں جمع ہو جاتا تھا۔ اس لئے عمارت کمزور ہو گئی تھی۔ آخر قریش نے مل کر فیصلہ کیا کہ عمارت کو گرا کر پھر بنایا جائے۔ اس کام میں سارے قریش شریک تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔ عمارت تو تعمیر ہو گئی۔ اب حجر اسود جو ایک سیاہ پتھر اور حضرت ابراہیم کی یادگار ہے۔ اپنی جگہ پر رکھنا باقی تھا۔ ہر قبیلہ یہی چاہتا تھا کہ یہ مبارک کام اس کے ہاتھوں انجام پائے۔ بحثا بحثی میں میان سے تلواریں نکل آئیں اور جھگڑے نے بڑی خطرناک صورت اختیار کر لی۔ آخر بڑے بوڑھوں نے نوجوانوں کو روکا۔ اور ایک بوڑھے سردار نے جس کی بات سب مانتے تھے کہا کہ کل صبح جو شخص سب سے پہلے حرم میں آئے وہی اس جھگڑے کو چکائے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس فیصلے کی خبر نہیں تھی۔ لیکن دوسری صبح کو آپ سب سے پہلے حرم میں پہنچے۔ آپ نے اس جھگڑے کا فیصلہ بھی اس طرح کیا کہ سب خوش ہو گئے۔ آپ نے اپنی چادر بچھا کر پتھر کو اس میں رکھا اور پھر سب قبیلوں کے سرداروں سے کہا کہ چادر کے کونے تھام کر اسے اٹھاؤ۔ جب چادر اس جگہ پہنچی تو

جہاں حجر اسود کو رکھنا تھا تو آپ نے اسے اٹھا کر اپنی جگہ پر رکھ دیا۔

حضرت خدیجہ:۔

حضرت خدیجہ مکہ کی ایک نیک اور شریف خاتون تھیں، جن کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کی تجارت مکہ اور عرب کے دوسرے شہروں میں پھیلی ہوئی تھی۔ اور وہ لوگوں کو مال دے دے کر دور دور بھیجا کرتی تھیں۔ انہوں نے آنحضرت کی دیانت داری کا چرچا سن رکھا تھا۔ تو آپ کو بھی کچھ مال دے کر شام بھیجا۔ اس دفعہ مال بہت بکا اور تجارت میں بہت فائدہ ہوا۔ حضرت خدیجہ کا غلام میسرہ بھی شام کے سفر میں آپ کے ساتھ تھا۔ اس نے حضرت خدیجہ سے آپ کی بہت تعریف کی۔ انہیں آپ کی پاکیزہ خصلتیں ایسی پسند آئیں کہ خود شادی کا پیغام بھیجا۔ آپ نے اپنے چچا حضرت ابو طالب سے مشورہ کیا۔ انہوں نے اجازت دے دی اور حضرت خدیجہ سے آپ کا نکاح ہو گیا۔

حضرت خدیجہ عمر میں آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی تھیں۔ نکاح کے وقت ان کی عمر چالیس سال کی تھی اور آپ ابھی پچیس سال کے ہوئے تھے۔ ان کی محبت اور اطاعت آپ کے دل میں نقش ہو گئی تھی۔ کہ ان کے جیتے جی دوسری شادی نہ کی۔ اور ان کے انتقال کے بعد ان کا نام ہمیشہ عزت اور محبت سے لیتے تھے۔ اور ان کی نیکی اور پاکیزگی کی تعریف کرتے رہے۔

نبوت کا منصب

شادی کے وقت آپ کا بہت وقت گھر کے کام کاج میں صرف ہو جاتا تھا۔لیکن ان دھندوں میں پڑ کر بھی آپ کا دھیان برابر مالک حقیقی کی طرف لگا رہا۔بھوکوں کو کھانا کھلاتے، مسکینوں کی خبر گیری کرتے، جو سوالی دروازے پر آجاتا اسے خالی ہاتھ نہ جانے دیتے۔جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔آپ کی طبیعت دنیا کے کاموں سے ہٹتی گئی۔مکہ سے دو تین میل کے فاصلے پر ایک بڑا پہاڑ ہے۔اس میں ایک بڑا غار ہے۔ جسے غار حرا کہتے ہیں۔اب آپ نے وہاں جانا شروع کیا۔کھانے پینے کی چیزیں ساتھ لے جاتے۔اور کئی کئی دن اس غار میں عبادت کرتے رہتے تھے۔ایک دن عبادت کرتے کرتے خدا کے نور کی تجلی نظر آئی۔اور فرشتہ نے آکر خوش خبری دی کہ اللہ نے آپ کو اپنا رسول بنایا ہے۔اور لوگوں کی ہدایت کا کام آپ کے سپرد کیا ہے۔

سب سے پہلے حضرت خدیجہ ایمان لائیں۔پھر آپ کے چچیرے بھائی حضرت علیؓ، آپ کے بچپن کے رفیق حضرت ابوبکر اور آپ کے غلام حضرت زید بن حارثہ نے اسلام قبول کیا۔تین برس تک یونہی چپکے چپکے دین پھیلتا رہا۔ایک دن حضرت ابو طالب نے آپ کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھ لیا، تعجب سے پوچھا بھتیجے! یہ کس مذہب کا طریق عبادت ہے۔آپ نے جواب دیا چچا جان یہ حضرت ابراہیم اور دوسرے نبیوں کا سچا دین ہے۔آپ بھی اس دین کو قبول کرلیں۔

تین سال بعد ایک دن آپ نے کھلم کھلا اسلام کا وعظ شروع کیا۔ اور اپنے قبیلہ کے لوگوں کو بلا کر اسلام کی دعوت دی۔ لیکن انہوں نے آپ کی باتوں کو ہنسی مذاق میں ٹال دیا۔ پھر آپ نے کوہ صفا پر چڑھ کر لوگوں کو پکارا، مکہ کے لوگ دوڑے دوڑے آئے جب وہ سب جمع ہو چکے تو آپ نے کہا لوگو تم مجھے کیسا سمجھتے ہو؟۔ سب نے جواب دیا کہ آپ سچے اور امین ہیں۔

آپ نے کہا اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک بہت بڑی فوج ہے۔ جو کوئی دم میں تم پر حملہ بول دے گی۔ تو کیا تم مان لو گے؟۔ انہوں نے کہا ہم ضرور مان لیں گے۔ کیونکہ آپ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ آپ نے کہا تو سنو کہ اگر تم نے بتوں کی پوجا نہ چھوڑی اور اللہ پر ایمان نہ لائے تو تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔

مخالفت

اس بات پر شور مچ گیا اور قریش غصے میں گالیاں دیتے اور بکتے جھکتے اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ یہ حالت دیکھ کر آپ کی ہمت اور ارادے میں کوئی فرق نہ آیا۔ آپ مکہ میں دن بھر پھرتے رہتے، لوگوں کو اسلام کی طرف بلاتے، جو ملتا یہی کہتے کہ پتھر کی بے جان مورتیوں، درختوں اور پہاڑوں کی پوجا چھوڑ دو۔ اللہ کو ایک مانو، اور اسی کو دنیا کا پیدا کرنے والا جانو۔ قریش یہ باتیں سن کر بہت جھنجھلاتے۔ آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتے۔ ڈھیلے اور پتھر پھینکتے۔ بد زبانی کرتے۔ آپ کا چچا

ابولہب آپ کا سخت مخالف تھا۔ سائے کی طرح آپ کے ساتھ لگا رہتا۔ جب آپ کسی شخص کو اللہ کے دین کی طرف بلاتے تو وہ پکار کے کہتا کہ اس شخص کی باتوں میں نہ آنا۔ یہ دیوانہ ہے۔ ابولہب کی بیوی آپ کو دکھ دینے اور اذیت پہنچانے میں اپنے شوہر سے بھی آگے بڑھ گئی۔ وہ جنگل سے کانٹے چن کر لاتی اور آپ کے راستے میں بچھا دیتی۔

قریش کا ایک سردار ابوجہل آپ کی مخالفت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتا، اور ہمیشہ آپ کو اذیت دینے کے طریقے سوچتا رہتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ نماز پڑھ رہے تھے، ابو جہل کے اشارے سے ایک شخص اونٹ کی اوجڑی لایا۔ اور جب آپ سجدہ میں گئے تو آپ کی پیٹھ پر ڈال دی۔ ایک دفعہ ایک کافر نے ابوجہل کے کہنے پر آپ کے گلے میں چادر ڈال کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گر پڑے۔

جب مسلمانوں کی تعداد چالیس سے کچھ اوپر ہوئی تو آپ نے خانہ کعبہ میں جا کر نماز پڑھی۔ قریش یہ کب گوارا کر سکتے تھے کہ خانہ کعبہ جہاں بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ سچے خدا کی عبادت کی جائے۔ تلواریں سونت کر آ پڑے۔ اس ہنگامہ میں ایک صحابی حضرت حارث بن ابی حالہ شہید ہوئے۔ وہ پہلے مسلمان ہیں، جنہوں نے اللہ کی راہ میں جان دی۔

قریش نے ابو طالب سے بہتیرا کہا کہ یا تو اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کر دو یا ہم سے الگ ہو جاؤ۔ لیکن انہوں نے آنحضرت کا ساتھ نہ چھوڑا، بلکہ سارے بنی ہاشم کو آپ کا ساتھ دینے پر آمادہ کر لیا۔ ہاں ابولہب بدستور آپ کی مخالفت کرتا رہا۔ جب قریش

نے دیکھا کہ ڈرانے دھمکانے سے کام نہیں چلتا، بلکہ جوں جوں آپ کو تکلیفیں دی جاتی ہیں، آپ کا ارادہ زیادہ مضبوط ہوتا جاتا ہے۔تو مال اور دولت کا لالچ دیا۔لیکن یہ تدبیر بھی کارگر نہ ہوئی اور قریش اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات مبارک میں کچھ ایسی کشش تھی کہ لوگوں کے دل خود بخود آپ کی طرف کھنچتے تھے۔ جب آپ اونچی آواز سے قرآن پاک پڑھتے تو پتھروں کے دل پانی ہو جاتے تھے۔ جو سنتا مبہوت رہ جاتا تھا۔اس لئے قریش لوگوں کو آپ کے پاس نہیں آنے دیتے تھے۔بعض لوگ آپ کے پاس سے گزرتے تو کانوں میں روئی ٹھونس لیتے تھے۔کہ کہیں قرآن کی آیتیں ان کے دلوں کو گداز نہ کردیں۔پھر بھی جو لوگ آپ کے سب سے بڑے مخالف تھے۔ان کا بھی یہ حال تھا کہ چھپ چھپ کر پہروں قرآن پاک سنتے، دل پر بہتیرا جبر کرتے، مگر قرآن سنے بغیر رہا نہ جاتا تھا۔

حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ

اس زمانے میں آپ کے چچا حضرت حمزہ نے جن کی بہادری اور شہسواری کی دھاک سارے عرب میں بیٹھی ہوئی تھی۔اسلام قبول کیا۔ان کے اسلام لانے کا ماجرا یوں ہے کہ ایک دن ابوجہل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت برا بھلا کہا۔ حضرت حمزہ شکار کو گئے ہوئے تھے۔شام کو واپس آئے تو پڑوس کی ایک عورت نے

انہیں سارا واقعہ سنایا۔ جسے سن کران کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ابوجہل قریش کے سرداروں کی محفل میں بیٹھا تھا۔ کہ یہ پہنچے اوراپنی کمان اس زور سے اس کے سر پر ماری۔اور پکار کر کہا کہ "گر تجھ میں ہمت ہے تو میرا مقابلہ کر" وہ چپکا ہو رہا۔وہاں سے سیدھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آئے اوراسلام قبول کرلیا۔

حضرت حمزہ کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کے دل مضبوط ہو گئے۔اس واقعہ کوتھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ حضرت عمر نے اسلام قبول کیا۔وہ مکہ کے نامور لوگوں میں سے تھے۔اوراسلام کے سخت مخالف۔ان کی ایک لونڈی مسلمان ہوگئی تھی۔اسے بہت پیٹتے تھے۔مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے ذرا ستالوں، پھر تجھ سے سمجھوں گا۔ایک دن غصہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے۔راستہ میں ایک بوڑھے سے ملاقات ہوگئی۔ان کے تیور دیکھ کر وہ کھٹکا کہنے لگا۔ کہاں چلے ہو؟۔ جواب ملا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوقتل کرنے جارہا ہوں۔اس نے کہا یہ ارادہ ہے تو پہلے گھر کی خبر لو۔کیونکہ تمہارے بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔یہ غصہ میں پلٹے اور بہن کے گھر پہنچے۔اس وقت وہ دونوں قرآن پڑھ رہے تھے۔ان کی آوازسن کرقرآن کے ورق چھپا دیئے۔انہوں نے پہلے بہن اور بہنوئی دونوں کوخوب پیٹا، پھر پوچھا تم کیا پڑھ رہے تھے؟۔انہوں نے قرآن کے ورق لاکر سامنے رکھ دیئے۔جوں جوں پڑھتے جاتے تھے، ایک رنگ آتا تھا، ایک جاتا تھا۔خدا کے کلام نے دل کوایسا پگھلایا کہ سیدھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت

میں پہنچے۔دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے آواز آئی کون ہے؟۔ جواب دیا عمر، مسلمان ڈرے کہ خدا جانے یہ اس وقت کیا فساد اٹھانے آئے ہیں۔لیکن حضرت حمزہ نے کہا آنے دو، اگر صلح کی نیت سے آئے تو خیر ورنہ اسی تلوار سے سر اڑا دوں گا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھ کر آگے بڑھے اور پوچھا ،عمر کس ارادے سے آئے ہو؟۔''عمر سہم گئے اور کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا حضور مسلمان ہونے۔'' یہ سن کر مسلمانوں نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کہ مکہ کے پہاڑ گونج اٹھے۔

قریش کا ظلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کو چار سال ہو گئے ،لیکن کافروں کا ظلم وستم بڑھتا ہی گیا۔حضرت بلال حبشی تھے اور ایک کافر کے غلام ،وہ انہیں دوپہر کے وقت ننگا کر کے مکہ کی تپتی ریت پر لٹا دیتا، اور سینے پر پتھر کی سل رکھ دیتا۔وہ اس حالت میں بھی احد احد ہی پکارتے تھے۔اس پر بھی جی نہ بھرتا تو شریر لڑکوں کے حوالے کر دیتا۔وہ گلے میں رسی ڈال کر گھسیٹتے پھرتے تھے۔اور'' احد احد کی صداؤں سے مکہ کے گلی کوچے گونج اٹھتے تھے۔'' حضرت عمار یاسر کو بھی یونہی قریش جلتی ہوئی ریت پر لٹاتے اور پیٹتے۔ان کی والدہ کو ابوجہل نے برچھی مار کر شہید کر ڈالا۔ان کے والد قریش کا ظلم سہتے سہتے انتقال کر گئے۔لونڈی غلاموں پر تو خیر ظلم ہوتا ہی تھا۔لیکن جو لوگ اثر ورسوخ والے تھے۔قریش ان پر بھی ظلم کرنے سے نہ چوکتے تھے۔

مسلمان حبشہ میں ::

جب ظلم وستم کی انتہا ہوگئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ مسلمانوں کو مکہ چھوڑ کر حبشہ جانے کی اجازت دے دی۔ یہ بے سرو سامان قافلہ چلا تو قریش نے روکنا چاہا۔اور حبشہ تک ان مسافروں کا پیچھا کیا لیکن جب تک قریش سمندر کے کنارے پہنچے، ان کا جہاز روانہ ہو چکا تھا۔

حبشہ کا بادشاہ نجاشی اگرچہ عیسائی تھا۔لیکن بڑا شریف اور رحم دل فرمانروا تھا۔اس نے ان بے وطنوں کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔قریش کو یہ تاب کہاں تھی ۔کہ مسلمان کچھ دن آرام میں گزار سکیں۔چند معزز آدمیوں کو حبشہ بھیجا۔انہوں نے نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر کہا کہ ہمارے آدمیوں کو حبشہ بھیجا۔انہوں نے نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کے کہا کہ ہمارے ہاں کے کچھ لونڈی غلام جو ایک نئے مذہب کے پیرو ہیں، آپ کے ملک میں بھاگ آئے ہیں، انہیں ہمارے حوالے کر دیجئے۔

نجاشی نے قریش کی باتیں سن کر مسلمانوں کو بلا بھیجا۔اس قافلے میں حضرت علیؑ کے بھائی حضرت جعفر بھی تھے۔جب نجاشی نے ان سے پوچھا کہ تم کس مذہب کے پیروکار ہو تو انہوں نے آگے بڑھ کر کہا ''اے بادشاہ ہماری قوم گمراہی میں پڑی ہوئی تھی۔ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے۔درختوں اور پتھروں کے سامنے سر جھکاتے تھے۔ باپ بیٹے کا دشمن تھا۔ بھائی بھائی کی جان کا۔ہم لوٹ مار اور قتل وغارت کو فخر سمجھتے

تھے ۔ کہ خدا نے ہم میں ایک نبی بھیجا۔ جس کے خاندان کی شرافت نیکی، پرہیز گاری اور دیانت داری کی تعریف دشمن بھی کرتے تھے۔ اس نے ہمیں ایک اللہ کی عبادت کرنے کا طریقہ سکھایا۔ اور کہا کہ بتوں کی پوجا چھوڑ دو۔ جھوٹ نہ بولو، روزے رکھو، زکواۃ دو، سچ بولو، اور ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ۔ ہم نے اس کا دین قبول کرلیا اور برے کاموں سے باز آگئے۔ لیکن ہماری قوم چاہتی ہے کہ ہم پھر بتوں کی پوجا کریں ،اے بادشاہ جب ہمارے لئے اپنے **ملک** میں رہنا مشکل ہوگیا تو ہم نے آپ کے **ملک** آکر پناہ لی ۔

نجاشی نے کہا تمہارے نبی پر جو کلام اترا ہے۔ اس میں سے کچھ سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے چند آیتیں پڑھیں، دربار میں سناٹا چھا گیا۔ نجاشی کی یہ حالت تھی کہ آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

قریش کا یہ وار خالی گیا لیکن دوسرے دن وہ پھر گئے۔ اور بادشاہ کو یہ کہہ کر بھڑکایا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ کی شان میں بھی گستاخی کرتے ہیں۔ نجاشی نے حضرت جعفرؓ سے پوچھا تو انہوں نے سورہ مریم کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں، جن میں حضرت عیسیٰ کا ذکر آیا ہے۔ نجاشی کہنے لگا خدا کی قسم توریت میں بھی حضرت عیسیٰ کا ذکر یونہی آیا ہے۔ یہ کہہ کر انہوں نے قریش کے تحفے واپس کر دیئے۔ اور ان سے کہا کہ میں ان لوگوں کو تمہارے حوالے نہیں کرسکتا۔

قریش مایوس ہوکر واپس لوٹے اور یہ بے سروسامان مسلمان جنہیں اپنے **ملک**

میں آرام نہ ملا تھا۔ پردیس میں امن کی زندگی بسر کرنے لگے۔

مصیبت کے تین سال۔

اس ناکامی نے قریش کے دلوں میں انتقام کی آگ بھڑکائی، اور مسلمانوں کو طرح طرح کی اذیتیں دینے اور دکھ پہنچانے لگے۔ جب اس طرح بھی کلیجہ ٹھنڈا نہ ہوا تو آپس میں بیٹھ کر صلاح کرنے لگے کہ جب تک ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد کرنے سے باز نہیں آتے، بنی ہاشم کے خاندان سے کوئی سروکار نہ رکھا جائے۔ اور ان کے ساتھ بات، چیت میل جول، اور لین دین بند کردیا جائے۔ ایک عہد نامہ لکھا گیا، جس پر قریش کے بڑے بوڑھوں نے دستخط کیے۔ اور اسے خانہ کعبہ میں لٹکا دیا گیا۔ ابو طالب نے اپنے خاندان سمیت ایک گھاٹی میں پناہ لی۔ جو شعب ابو طالب یعنی ابو طالب کی گھاٹی کے نام سے مشہور ہے۔ قریش نے تاکید کر رکھی تھی کہ گھاٹی میں اناج کا دانہ تک پہنچنے نہ پائے۔ تین سال تک خاندان بھر نے درختوں کے پتے کھا کر دن کاٹے، بنی ہاشم کے بچے بھوک کے مارے بلکتے تھے۔ لیکن ابو جہل اور ان کے ساتھیوں کو ترس نہ آتا تھا۔ آخر کچھ لوگوں کو جن کا بنی ہاشم سے رشتہ ناطہ تھا، رحم آیا اور دیمک نے اس عہدنامے کو کھالیا اور اس میں صرف اللہ اور اس کے رسول کا نام باقی بچا۔ اور یوں یہ معاہدہ ختم ہوا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گھاٹی سے نکلے ہوئے تھوڑے ہی دن ہوئے

تھے کہ ایک اور مصیبت آئی اور حضور کے مشفق چچا حضرت ابو طالب کا انتقال ہو گیا۔اور حضرت ابو طالب کے انتقال کو ابھی چوتھا دن بھی نہ ہوا تھا کہ آپ کی سب سے پیاری بیوی حضرت خدیجہ نے دنیا سے رحلت کی۔اس لئے اس سال کا نام عام الحزن یعنی غم کا سال رکھا گیا۔اس وقت آپ کی عمر انچاس سال کی تھی۔اور آپ کی نبوت کا نواں سال تھا۔

حضرت ابو طالب کے انتقال کے بعد قریش نے بے کھٹکے ہو کر آپ کو دکھ دینے پر کمر باندھ لی۔مکہ کے پاس طائف ایک بستی ہے۔آپ وہاں کے سرداروں کو اسلام کی دعوت دینے گئے۔ان کے اشارے سے بستی کے شہدوں اور شریر لڑکوں نے پتھر مار مار کر آپ کا جسم لہو لہان کر دیا۔آپؐ طائف سے لوٹ کر مکہ پہنچے۔یہاں قریش آپؐ کو ایذا دینے اور ستانے کے منصوبے باندھے بیٹھے تھے۔چنانچہ انہوں نے آپ کو بہت تکلیفیں پہنچائیں اور آپؐ کے قتل کی سازشیں ہونے لگیں۔

مدینہ میں اسلام کا چرچا

مکہ سے کوئی دو سو میل کے فاصلے پر مدینہ کی بستی ہے۔اگلے زمانے میں اسے یثرب کہتے تھے۔یثرب بہت پرانا شہر ہے۔جب یمن میں طوفان آیا تو سارا **ملک** تباہ ہو گیا۔تو بہت سے لوگ یہاں آ کر بس گئے۔یمن کے دو سرداروں اوس اور خزرج کی اولاد یہاں خوب پھلی پھولی۔اور اس کے دو قبیلے بن گئے، جو اوس اور خزرج کہلاتے

تھے۔اس شہر میں بہت سے یہودی بھی آباد تھے۔جن سے ہمیشہ ان دو قبیلوں کے لڑائی جھگڑے رہتے تھے۔جب تک اوس اور خزرج میں ایکا رہا، یہودی قبیلے ان سے دبے رہے۔لیکن آپس کی نا اتفاقی نے یہودیوں کو پھر شیر کر دیا۔آخر ان دونوں قبیلوں میں بڑا بھاری معرکہ ہوا، جس میں اوس نے شکست کھائی۔اب اوس نے قریش کی مدد حاصل کرنے کے لئے اپنے ایلچی مکہ بھیجے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں سے ملے اور انہیں قرآن کی چند آیتیں سنائیں۔

مدینہ کے یہودی اکثر کہا کرتے تھے کہ عنقریب ایک نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ اوس اور خزرج کے کانوں میں بھی یہ بات پڑ چکی تھی۔اور وہ بھی آنے والے نبی کے منتظر تھے۔جب انہیں معلوم ہوا کہ مکہ میں ایک نبی تشریف لائے ہیں،تو انہیں آپ سے ملنے کا شوق ہوا۔چنانچہ قبیلہ خزرج کے چھ آدمی مکہ پہنچے اور عقبہ میں جو مکہ سے چند میل کے فاصلے پر ہے۔ رات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے۔قرآن سنا اور اسلام قبول کیا۔ان لوگوں نے مدینہ پہنچ کر لوگوں سے کہا،جس نبی کا ذکر اگلے نبیوں نے کیا ہے،وہ آ گیا ہے،ہم اس سے ملے ہیں،اور ان کی باتیں سنی ہیں۔چنانچہ مدینہ میں گھر گھر آپ کا چرچا ہونے لگا۔دوسرے سال مدینہ سے بارہ آدمی آئے اور مسلمان ہوئے۔آپ نے حضرت مصعب بن زبیر کو ان کے ساتھ مدینہ بھیجا۔مدینہ پہنچ کر حضرت مصعب بن زبیر نے بڑی سرگرمی سے اسلام کی تبلیغ شروع کر دی۔اور گھر گھر جا کر لوگوں کو قرآن کی آیتیں سنانے لگے۔قبیلہ اوس کے

سردار سعد بن معاذ اسلام کے سخت دشمن تھے۔ لیکن حضرت مصعب بن زبیر نے ان کے پاس جا کر قرآن سنایا تو وہ پکار اٹھے کہ بے شک یہ خدا کا کلام ہے۔ سعد بن معاذ کے مسلمان ہوتے ہی قبیلہ اوس کے چھوٹے بڑے ایمان لے آئے۔

اگلے سال بہتر مرد اور عورتوں نے آ کر آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، ان لوگوں کا اصرار تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ تشریف لے چلیں۔ آپ خود تو نہیں گئے، البتہ صحابہ کو مدینہ جانے کی اجازت دے دی۔ سب سے پہلے ابو سلیمہ اپنے بیوی اور بچہ سمیت روانہ ہوئے، لیکن ان کی برادری کے لوگوں نے بیوی اور بچہ کا ساتھ نہ جانے دیا۔ اور وہ اکیلے مدینہ پہنچے۔ حضرت صہیب رومی نے مدینہ جانے کا ارادہ کیا تو کافروں نے کہا کہ تم نے جو روپیہ مکہ میں رہ کر کمایا ہے۔ اسے کہاں لیے جاتے ہو۔ وہ اپنی ساری جمع جتھا کافروں کے حوالہ کر کے مکہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ اس طرح ایک ایک کر کے سارے مسلمان مدینہ چلے گئے۔ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور حضرت علیؑ اور حضرت ابو بکر صدیقؓ رہ گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ میں

ہجرت

قریش کو جب یہ خبریں پہنچیں کہ اوس اور خزرج کے بڑے بڑے سردار مسلمان ہو چکے ہیں۔ ساتھ ہی یہ بھی دیکھا کہ سارے مسلمان ایک ایک کر کے مدینہ چلے جا رہے ہیں تو بہت غصہ آیا۔ آخر مکہ کے سارے بڑے بوڑھے اور قبیلوں کے سردار ایک جگہ جمع ہوئے اور یہ صلاح ٹھہری کہ ہر قبیلے سے ایک ایک بہادر سپاہی لیا جائے۔ یہ سب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان کو گھیرے رکھیں۔ صبح کے وقت وہ نماز کو نکلیں تو سب تلواریں سونت کر ان پر ٹوٹ پڑیں اور ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔

ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کی جانب سے مکہ چھوڑ کر مدینہ چلے جانے کا حکم آ چکا تھا۔ آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بلایا، مکہ کے لوگوں کی جو امانتیں آپ کے پاس تھیں، ان کے سپرد کیں، پھر انہیں اپنے بستر پر سلا دیا۔ جب آدھی رات ڈھل چکی تو اپنے گھر سے نکل کر حضرت ابوبکر کے پاس پہنچے۔ انہوں نے سفر کا سامان پہلے ہی تیار کر رکھا تھا۔ چنانچہ آپ انہیں ساتھ لے کر مکہ سے مدینہ کو روانہ ہوئے۔

مکہ سے تین میل کے فاصلے پر ثور نام کا پہاڑ ہے۔ان مسافروں نے اس پہاڑ کی کھوہ میں آ کر دم لیا۔اور تین دن وہیں ٹھہرے۔ادھر کافروں نے صبح تک آپ کا انتظار کیا۔آخر گھر کے اندر گھس گئے۔آپؐ کے بستر پر حضرت علیؓ کو سوتے پایا تو سناٹے میں آ گئے۔حضرت علیؓ سے پوچھا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ہیں۔آپ نے جواب دیا کیا میرے سپرد کر گئے تھے۔یہ سن کر کافر اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔اب آپؐ کی تلاش شروع ہوئی، گرفتاری کے لئے انعام مقرر کیا گیا۔لوگ گھوڑوں اور اونٹوں پر سوار ہو کر چاروں طرف پھیل گئے۔ابوجہل اور دوسرے بڑے بڑے سردار خود بھی تلاش میں نکلے اور مدت تک بھٹکتے پھرے، ایک دفعہ یہ لوگ غار ثور کے منہ پر بھی پہنچ گئے۔لیکن ان کی عقل پر ایسا پردہ پڑ گیا کہ باہر ہی سے لوٹ آئے۔حضرت ابوبکر نے ان کے قدموں کی چاپ سنی تو بہت گھبرائے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہایت اطمینان سے فرمایا، ڈرو مت، خدا ہمارے ساتھ ہے"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تیسرے دن غار سے نکلے۔دو اونٹ پہلے ہی تیار تھے۔ان پر سوار ہو کر مدینہ کا رخ کیا۔

ادھر مدینہ میں خبریں مشہور ہو رہی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔لوگ صبح کو شہر سے باہر نکل کر آپ کی راہ دیکھتے اور جب دھوپ تیز ہو جاتی تو واپس چلے جاتے۔ایک دن لوگ اسی طرح دیر تک انتظار کرنے کے بعد واپس جا رہے تھے کہ ایک یہودی نے آپ کو آتے ہوئے دیکھ لیا اور چلا کر کہا تمہیں جن کا

انتظار تھا وہ آ رہے ہیں۔ یہ سن کر لوگ واپس پلٹ پڑے۔ آن کی آن میں یہ خبر ہر طرف پھیل گئی۔ اللہ اکبر کے نعروں سے مدینہ گونج اٹھا اور چھوٹے بڑے بے تاب ہو کر گھروں سے نکل آئے۔

مدینہ سے تین میل کے فاصلے پر قبا کی بستی ہے۔ یہاں بہت سے مسلمان مکہ سے آ کر ٹھہرے ہوئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی یہیں سے اتر پڑے، اور چودہ دن یہیں رہے۔ حضرت علیؓ جنہیں آپ مکہ میں چھوڑ آئے تھے۔ یہیں خدمت میں حاضر ہوئے، قبا میں آپ نے ایک مسجد کی بنیاد ڈالی۔ اس مسجد کے بنانے میں بڑے بڑے صحابہ نے مزدوروں کی طرح کام کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بوجھل پتھر اٹھا کر لاتے تھے۔ جنہیں اور کوئی اٹھا نہ سکتا تھا۔ مدینہ کے لوگوں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ روز قبیلوں کے قبیلے سلام کرنے حاضر ہوتے تھے۔

مدینہ میں

چودہ دن بعد قبا سے مدینہ چلے۔ جمعہ کا دن تھا قبیلہ بنی سالم کے محلّہ تک پہنچے تھے کہ نماز کا وقت آ گیا۔ یہیں نماز پڑھائی۔ ادھر مدینہ میں آپ کی تشریف آوری کی خبر مشہور ہو گئی، تو لوگ پیشوائی کے لئے دوڑ پڑے۔ قبا سے مدینہ تک دونوں طرف لوگ صفیں باندھے ہتھیار سجائے کھڑے تھے۔ شہر کے پاس پہنچے تو عورتیں گھروں کی چھتوں پر نکل آئیں اور گانے لگیں۔

کوہ وداع کی گھاٹیوں سے
چاند نکل آیا ہے
ہم پر خدا کا شکر واجب ہے
جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں

بنونجار میں آپ کی نانیہال تھی۔اس قبیلہ کی چھوٹی چھوٹی لڑکیاں دف بجا کر گا رہی تھیں، ہم خاندان نجار کی لڑکیاں ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا اچھے ہمسائے ہیں۔آپ نے انہیں دیکھ کر کہا۔"بچیو کیا تم مجھے چاہتی ہو؟۔وہ بولیں ہاں یا رسول اللہ" آپ نے فرمایا "میں بھی تمہیں چاہتا ہوں"

ہجرت کے بعد نبوت کا تیرھواں سال شروع ہو چکا تھا۔۸ ربیع الاول کو جمعرات کے دن قبا پہنچے اور ۲۲ ربیع الاول کو مدینہ میں داخل ہوئے۔مدینہ میں حضرت ابو ایوبؓ کے گھر اترے اور سات مہینے ان ہی کے مہمان رہے۔ان کے مکان کے پاس ہی مکان تعمیر ہوئے ،اور مسجد بنی، مسجد بنانے میں آپؐ بھی شریک تھے۔دوسرے صحابہؓ کے ساتھ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے۔اس مسجد کی دیواریں کچی اینٹوں کی تھیں۔کھجور کی لکڑی کے ستون اور کھجور کے پتوں کی چھت، ایک طرف بڑا سائبان تھا۔یہاں اسلام کے وہ جان نثار رہتے تھے۔جن کا کوئی گھر بار نہیں تھا۔یہ لوگ دن رات آپؐ کی خدمت میں رہتے اور دین کی باتیں سیکھتے تھے۔

مسلمانوں کا بھائی چارہ

مکہ سے جو لوگ آئے تھے، ان میں اکثر دولت مند بھی تھے، لیکن چلتے وقت کافروں نے کچھ بھی ساتھ نہ لانے دیا تھا۔ مدینہ کے لوگوں نے انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا اور اپنا آدھا مال بانٹ دیا۔ مکہ سے جو لوگ گھر بار چھوڑ کر آئے تھے، مہاجرین کہلاتے تھے۔ اور مدینہ کے لوگ انصار یعنی مدد کرنے والے۔ مکہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ پینتالیس مسلمان آئے تھے۔ آپ نے انہیں بھی بلوایا اور انصار کو بھی جمع کیا۔ پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو دو شخصوں کو بلا کر فرماتے گئے کہ تم دونوں بھائی بھائی ہو۔ انصار نے یہ بھائی چارہ اس طرح نبھایا کہ سگے بھائی بھی نہ نباہ سکتے۔

بعض مہاجرین نے دکانیں کھول لیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، اور حضرت عثمانؓ بھی مدینہ میں تجارت ہی کرتے تھے۔

مدینہ کے لوگوں کے یہودیوں کے ساتھ تعلقات اچھے نہیں تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں کو بلوا کر ایک عہد نامہ لکھوا دیا۔ جس کی بڑی بڑی شرطیں یہ تھیں:۔

۱۔ یہودیوں کو مذہبی آزادی ہوگی۔

۲۔ یہودیوں اور مسلمانوں کا برتاؤ دوستانہ ہوگا

۳۔دونوں میں سے کسی کو لڑائی پیش آئے تو ایک فریق دوسرے کی مدد کرے گا۔
۴۔مدینہ پر کوئی حملہ کرے تو دونوں مل کر دشمن کا مقابلہ کریں گے۔

منافق

مسلمانوں کے مدینہ چلے آنے کے بعد بھی قریش اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے ۔مدینہ کے آس پاس جو قبیلے آباد تھے۔وہ انہیں مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے تھے۔مدینہ کے یہودیوں سے بھی ان کا ساز باز تھا۔یہودیوں کے علاوہ منافقوں کا گروہ بھی ہمیشہ فتنے اٹھاتا رہتا تھا۔منافق ان لوگوں کو کہتے ہیں جو بظاہر تو مسلمان ہو گئے تھے لیکن ان کے دلوں میں ایمان کی روشنی نہ پہنچی تھی ۔عبداللہ بن ابی ان لوگوں کا سردار تھا۔وہ مدینہ کے لوگوں کا بادشاہ بننا چاہتا تھا۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو اس کے ارادے خاک میں مل گئے۔عبداللہ بن ابی کا دل مسلمانوں کی طرف سے صاف نہ تھا۔

اس لئے وہ اور اس کے ساتھی آئے دن شرارتیں کیا کرتے تھے۔

غرض مسلمانوں کو مدینہ میں آنے کے بعد بھی چین نہ ملا۔قریش کے حملہ کا برابر کھٹکا لگا ہوا تھا۔منافق مسلمانوں میں مل کر پھوٹ ڈلوانے کی کوشش کر رہے تھے ۔یہودیوں سے عہدو پیمان تو ہو گئے تھے لیکن ان کا کوئی بھروسہ نہ تھا۔اس لئے مسلمان جاگ کر راتیں کاٹتے اور چوکس رہتے تھے۔

بدر کا معرکہ

اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کافروں سے لڑنے کا حکم نہیں ہوا تھا۔ لیکن مدینہ پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا حکم آیا کہ جو تم سے لڑے تم بھی خدا کی راہ میں ان سے لڑو۔'' پہلے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ سو سو پچاس پچاس مسلمانوں کے دستے مکہ کی طرف بڑھتے اور جہاں قریش سے ان کا سامنا ہوتا تلواریں کھنچ جاتیں۔ ادھر قریش کی ٹکڑیاں مدینہ تک دھاوا کر جاتی تھیں۔

ایک مرتبہ قریش کا ایک سردار مکہ سے چلا اور مدینہ کی ایک چراگاہ لوٹ کر لے گیا۔

ہجرت کے دوسرے سال بدر میں جو مدینہ سے اسی میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ قریش اور مسلمانوں میں بڑا زبردست معرکہ ہوا۔ جس نے قریش کا زور توڑ دیا۔

مکہ کا ایک سردار ابو سفیان تجارت کا سامان لے کر واپس آ رہا تھا۔ مسلمانوں کو خبر ملی تو اسے روکنا چاہا۔ ابو سفیان نے مدد کے لئے قاصد دوڑائے۔ قریش نے سنتے ہی مدینہ کا رخ کیا۔ ان کے ساتھ ایک ہزار سپاہی تھے، جن میں سو سواروں کا ایک رسالہ بھی تھا۔ ادھر سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تین سو تیرہ جان نثاروں کو لے کر نکلے۔ ابو سفیان تو پہلے ہی بچ کر نکل گیا تھا۔ بدر کے میدان میں دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔

مدینہ سے روانہ ہونے سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو مشورہ کے لئے جمع کیا۔حضرت ابوبکر صدیق نے نہایت پرزور تقریر کی۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انصار کی طرف دیکھتے جاتے تھے۔اتنے میں سعد ابن معاذ اٹھے اور فرمایا کہ خدا کی قسم آپ کا حکم ہوتو ہم سمندر میں کود پڑیں۔یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت خوش ہوئے۔

بہت سے کم عمر لڑکے بھی کافروں سے لڑنے کے شوق میں چل پڑے۔ان کو واپس بھیج دیا گیا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خالہ زاد بھائی عمیر بن ابی وقاص بہت کم عمر تھے،انہیں لوٹنے کو کہا گیا تو وہ رو پڑے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ساتھ چلنے کی اجازت دے دی۔

مسلمانوں نے بدر میں پہنچ کر چشموں پر قبضہ کرلیا۔رات کو مینہ برسا،جس نے چشموں کو پانی سے لبا لب بھر دیا۔صبح کے وقت مسلمانوں نے صفیں باندھیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں تیر تھا۔اس کے اشارہ سے صفیں درست کرتے جاتے تھے۔اس وقت آپ نے ہاتھ اٹھا کر کہا الٰہی تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے۔اسے پورا کر۔اگر یہ لوگ مٹ گئے تو قیامت تک تیری عبادت کرنے والا نظر نہیں آئے گا۔

جب تک قریش آگے نہیں بڑھے،آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں کو روکے رکھا۔قریش کے لشکر کا سردار عرب کا نامور سپاہی عتبہ تھا۔وہ سب سے پہلے

خود اپنے بیٹے اور بھائی کے ساتھ میدان میں نکلا۔ادھر سے تین انصار بڑھے۔عتبہ نے کہا تم ہمارے جوڑ کے نہیں، اس لئے ہم تم سے نہیں لڑیں گے۔اب حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور عبیدہ بن الحارث نے بڑھ کر مقابلہ کیا۔عتبہ سے حضرت حمزہ کا سامنا ہوا اور اس کے بیٹے پر حضرت علی جا پڑے۔عتبہ اور اس کا بیٹا دونوں مارے گئے۔عتبہ کے بھائی نے حضرت عبیدہ کو زخمی کر دیا۔حضرت علیؓ اپنے حریف کو قتل کر کے شیر کی طرح اس پر جھپٹے اور ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کر دیا۔اب کافروں کی ساری فوج مسلمانوں پر آ پڑی اور بڑے زور سے جنگ شروع ہوگئی۔

جنگ کا میدان گرم تھا کہ دو انصاری ابو جہل کو پوچھتے ہوئے اس مقام پر پہنچے، جہاں وہ لڑ رہا تھا۔اور دہنے بائیں سے ایسا حملہ کیا کہ وہ زمین پر آ رہا۔اس طرح قریش کے کئی اور سردار جنہوں نے مسلمانوں کو سخت ایذائیں دی تھیں۔تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔اب کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔اس معرکے میں قریش کے کوئی ستر آدمی مارے گئے اور اتنے ہی گرفتار ہوئے۔مسلمانوں میں سے صرف چودہ جان بازوں نے شہادت پائی۔

بدر کے معرکے میں مسلمانوں نے جس بے سرو سامانی کے ساتھ کافروں سے مقابلہ کیا، اس پر غور کرو تو حیرت ہوتی ہے۔نہ سواری کے لئے اونٹ، نہ رسد کا سامان، پورے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے۔اور تو اور کسی کے پاس پورے ہتھیار بھی نہ تھے۔تلواریں زنگ آلود، ان کے نیام بوسیدہ، لیکن ان کی کاٹ اور روانی کا یہ

حال تھا کہ فولادہ زرہوں کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ جہاں چمکیں ستھراؤ کر دیا۔ جنگ کے آغاز میں قریش کا ایک نامور سپاہی میدان میں آیا۔ وہ سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا تھا۔ صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھیں۔ ادھر سے حضرت زبیر آگے بڑھے اور آنکھ میں اس طرح تاک کر نیزہ مارا کہ وہ آر پار ہو گیا۔

اس معرکہ میں حضرت علی اور حضرت حمزہ نے بڑے بڑے معرکے سر انجام دیئے، یہ دونوں جان باز جدھر بڑھتے تھے لشکر کائی کی طرح پھٹ جاتا تھا۔ لیکن سچ پوچھو تو بدر کو معرکہ مسلمانوں کی جنگی تدبیروں اور ان کی شجاعت سے سر نہیں ہوا۔ بلکہ خدا کی تائید اور اعانت نے انہیں سرخ رو کیا۔

بدر میں جو لوگ قید ہوئے تھے۔ انہیں مسلمانوں نے بڑے آرام سے رکھا۔ گھر میں جو کچھ میسر ہوتا، دونوں وقت ان کے سامنے رکھ دیتے تھے۔ اور آپ کھجوریں کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ آخر ان قیدیوں کے رشتہ دار انہیں فدیہ دے کر چھڑا لے گئے۔ قیدیوں میں جو لوگ مفلس تھے۔ انہیں حکم ہوا کہ دس، دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔

جنگ احد

بدر کے معرکہ میں قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے۔جن میں قریش کے کئی
نامور سردار بھی تھے۔اس واقعہ سے ملہ میں کہرام مچ گیا۔

مدت تک ہر گھر سے رونے کی آوازیں آتی رہیں۔قریش کی عورتیں عرب کی رسم
کے مطابق ایک ایک کا نام لے کر روتیں تھیں اور مردوں کو انتقام پر ابھارتی
تھیں۔شاعروں نے مرنے والوں کے مرثیے لکھے جوفوراً زبانوں پر چڑھ گئے۔

امیہ کا پوتا ابوسفیان اب قریش کا سردار تھا۔اس کے دل میں آتش انتقام بھڑک
رہی تھی۔چنانچہ ایک دفعہ دوسو سواروں کو لے کر ایک چھوٹی سی بستی پر جو مدینہ سے تین
میل ادھر ہے آپڑا۔مسلمانوں کوخبر ہوئی تو وہ مدینہ سے نکلے لیکن ابوسفیان مار دھاڑ
کرکے بھاگ نکلا۔اور مسلمانوں کے ہاتھ نہ آیا۔اگلے سال وہ تین ہزار بہادر
سپاہیوں کو لے کر مدینہ پر چڑھ آیا،اور شہر سے تین میل ہٹ کر ڈیرے ڈال
دیئے۔ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ سے نکلے۔اور سات سو جان نثاروں
کے ساتھ انہیں روکا۔احد کا پہاڑ مسلمانوں کی پشت پر تھا۔مسلمانوں کا خدشہ تھا کہ
دشمن ادھر سے حملہ نہ کریں۔چنانچہ پچاس تیر انداز پہاڑ کی گھاٹی پر مقرر کیے
گئے۔حضرت حمزہ زرہ پوش سپاہیوں کے افسر تھے۔حضرت زبیر کو رسالے کی کمان ملی۔

جنگ شروع ہونے سے پہلے قریش کی عورتیں دف بجاتیں اور گیت گاتی ہوئی

آگے بڑھیں۔قریش کے مشہور سردار عتبہ کی بیٹی اور ابو سفیان کی زوجہ ہند آگے آگے تھی۔ یہ گیت سن کر قریش کی رگوں میں شجاعت کا خون لہریں لینے لگا۔قریش کی فوج کا علمبردار طلحہ اکڑتا ہوا میدان میں آیا۔ادھر سے حضرت علی نکلے اور ایک ہی وار میں اس کا خاتمہ کر دیا۔اس کے بیٹے نے علم سنبھالا۔حضرت حمزہ نے صف سے نکل کر ایسا مقابلہ کیا اور ایسی تلوار ماری کہ کندھے سے کمر تک کاٹتی چلی گئی۔اب کافر ہر طرف سے بڑھ کر مسلمانوں پر آپڑے۔اور دونوں لشکر مل گئے۔حضرت علی اور حضرت حمزہ کی تلواریں دشمن کی فوج کے سیاہ بادل میں بجلی کی طرح کوند رہی تھیں۔یہ دونوں بہادر جدھر بڑھے،صفوں کی صفیں پامال کرتے،لاش پر لاش گراتے چلے گئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عین معرکہ جنگ میں تلوار علم کر کے کہا"اس کا حق کون ادا کرتا ہے۔"ابو دجانہ نے عرض کیا یارسول اللہ میں۔پھر تلوار لے کر دشمن کی صفوں میں گھس گئے اور کھلبلی ڈال دی۔قریش ان حملوں کی تاب نہ لا سکے۔ان کی فوج گھونگھٹ کھا کے پیچھے ہٹی۔پہاڑ کی گھاٹی سے جو پچاس مسلمان تیر برسا رہے تھے،انہوں نے قریش کو بھاگتے دیکھا تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر آپڑے۔قریش کی فوج کا ایک دستہ پہاڑ کے پیچھے تھا۔اس نے گھاٹی کو خالی پا کر پیچھے سے حملہ کر دیا۔قریش جو بھاگے جا رہے تھے۔یک بیک پیچھے پلٹے اور جنگ کا نقشہ ہی بدل گیا۔

ہند کا باپ عتبہ بدر کے معرکہ میں حضرت حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔چنانچہ اس نے ایک حبشی غلام کو جس کا نام وحشی تھا۔اپنے وصل کے وعدہ پر حضرت حمزہ کے قتل پر

مقرر کیا۔ وحشی حضرت حمزہ کی تاک میں تھا۔ وہ قریش کے ایک نامور پہلوان کو مار کر بڑھے تھے کہ اس نے دور سے ایک چھوٹا نیزہ جو حبشیوں کا خاص ہتھیار ہے۔ تاک کر پھینکا۔ حضرت حمزہ لڑکھڑا کر گرے اور گرتے ہی جان دے دی۔

اب کافروں نے بڑی بے جگری سے حملہ کیا۔ حضرت مصعب جو اسلامی لشکر کے نامور سپاہی تھے۔ شہید ہو گئے۔ چونکہ وہ شکل وصورت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت ملتے جلتے تھے۔ اس لئے کسی نے خبر اڑا دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شہید ہو گئے۔ یہ سن کر بعض مسلمانوں نے ہتھیار پھینک دیئے کہ اب لڑ کر کیا کریں گے۔ ایک جانباز نے یہ سنا تو یہ کہتا ہوا کافروں کی فوج میں گھس گیا کہ ان کے بغیر ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے اور اسی زخم کھا کر شہادت پائی۔

مسلمانوں کے دلوں پر غم کی گھٹا چھائی ہوئی تھی۔ سب سناٹے میں تھے کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا؟۔ اتنے میں ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ پایا۔ اب جان نثار ہر طرف سے سمٹ کر ایک جگہ جمع ہو گئے اور آپ کو گھیرے میں لے لیا۔ قریش بھی ادھر پلٹ پڑے۔ لیکن حضرت علی اور ابو دجانہ نے سپر بن کر ان کے تیروں کو روکا۔ زیاد بن سکن پانچ انصاریوں کو لے کر آگے بڑھا اور جانیں دے کر قریش کے سیلاب کو روک دیا۔ اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ قریش نے پہاڑ پر چڑھنے کا ارادہ کیا۔ لیکن مسلمانوں نے پتھر مار کر انہیں پیچھے ہٹا دیا۔

احد میں اگرچہ قریش کا پلہ بھاری رہا تھا۔پھر بھی ان کے دلوں پر مسلمانوں کا رعب ایسا چھایا ہوا تھا کہ وہ اتنی کامیابی کو ہی غنیمت سمجھ کر لوٹ گئے۔اس معرکہ میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت حمزہ بھی تھے۔قریش نے ان کی لاش کے ستر ٹکڑے کر دیئے تھے۔اس پر بھی ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا کلیجہ ٹھنڈا نہیں ہوا تھا۔اور وہ ان کا جگر نکال کر چبا گئی۔

اس معرکہ میں مسلمانوں کو اپنی غلطیوں کی وجہ سے شکست ہوئی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارادہ تھا کہ مدینہ میں رہ کر دشمن کا مقابلہ کریں۔لیکن انصار کے چند نوجوان جو بدر میں شریک نہیں ہوئے تھے۔شہر سے باہر نکل کر لڑنا چاہتے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کی باتیں سنیں تو گھر میں گئے اور زرہ پہن کر تشریف لائے۔اب انصار بہت گھبرائے کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ناراض تو نہیں ہو گئے۔چنانچہ سب نے عرض کیا کہ ہم نے اپنی رائے بدل لی ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے پیغمبر ہتھیار پہن کر اتارا نہیں کرتے۔

دوسری غلطی یہ ہوئی کہ جن لوگوں کو پہاڑ کی گھاٹی پر مقرر کیا گیا تھا۔انہوں نے قریش کو پسپا ہوتے دیکھ کر اپنی جگہ چھوڑ دی اور قریش کو پیچھے سے حملہ کرنے کا موقع مل گیا۔

مسلمانوں کے دلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت جس طرح رچی اور بسی ہوئی تھی اس کا اندازہ اس واقعہ سے کر لو کہ انصار میں سے ایک خاتون کے

باپ، بھائی، شوہر تینوں شہید ہو گئے۔ اسے جب ان کی شہادت کی خبر پہنچی تو اس کی زبان سے صرف یہ نکلا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کیا حال ہے۔ پھر بھاگی بھاگی آپ کے خدمت میں پہنچی اور آپ کو دیکھ کر پکار اٹھی۔

آپ کے ہوتے ہوئے سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔

سازشیں

بدر کی فتح نے سارے عرب میں مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی۔ احد کی شکست سے پھر کافروں کے حوصلے بڑھ گئے۔ اور وہ اسلام کو مٹانے کے منصوبے باندھنے لگے۔ اس زمانے میں کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں جن کا ذکر تم بڑی کتابوں میں پڑھو گے۔

اسی زمانے میں نجد کا ایک رئیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور عرض کی کہ چند لوگوں کو میرے ساتھ بھیج دیجئے کہ جو میری قوم کو اسلام سکھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ستر صحابہ کو جو نہایت دین دار اور پرہیز گار تھے۔ اس کے ساتھ بھیجا، کافروں نے ان سب کو شہید کر دیا۔ صرف ایک صحابی عمرو بن امیہ بچ کر مدینہ پہنچے۔

ایک اور قبیلہ کے لوگ آپ کے پاس پہنچے اور کہا ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کر لیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دس آدمی مسائل سکھانے کے لئے بھیجے۔ ان

کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا۔ یعنی کافروں نے انہیں گھیر لیا۔ آٹھ آدمی تو لڑ کر شہید ہو گئے، لیکن دو صحابی جن کے نام خبیب اور زید تھے بچ گئے۔

کافروں نے انہیں مکہ لے جا کر بیچ ڈالا۔ ایک شخص نے جس کا باپ احد کے معرکہ میں حضرت خبیب کے ہاتھوں مارا گیا تھا، انہیں قتل کرنے کے ارادے سے خرید لیا۔ اور اپنے گھر میں چند دن قید رکھا۔ ایک دن اس کی ننھی بچی کھیلتی کھیلتی حضرت خبیب کے پاس چلی گئی۔ وہ اسے کھلانے لگے۔ اتفاق سے اس وقت ان کے ہاتھ میں چھری تھی۔ بچی کی ماں جو کسی کام سے باہر گئی ہوئی تھی۔ آئی تو یہ دیکھ کر کہ بچی قیدی کی گود میں ہے۔ اور چھری پاس پڑی ہے۔ اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔ حضرت خبیب نے اسے سہمے ہوئے دیکھ کر کہا کیا تو سمجھی ہے کہ میں اس ننھی سی جان کو قتل کر ڈالوں گا؟ میں مسلمان ہوں اور مسلمان کا یہ کام نہیں۔

جب حضرت خبیب کو قتل کرنے لے گئے تو انہوں نے دو رکعت نماز پڑھی۔ اور کہا دیر تک نماز پڑھنے کو جی چاہتا تھا، لیکن تم کہیں یہ نہ سمجھو کہ موت سے ڈر گیا۔ حضرت زید کو صفوان بن امیہ نے خریدا تھا۔ قریش کے سارے بڑے بڑے سرداران کے قتل کا تماشا دیکھنے آئے تھے۔ ان میں ابوسفیان بھی تھا۔ جب صفوان کا غلام تلوار ہاتھ میں لیے ہوئے انہیں قتل کرنے بڑھا تو ابوسفیان نے پوچھا کیا تمہیں پسند ہے کہ تم چھوڑ دیئے جاؤ اور تمہاری جگہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل کیے جائیں۔ وہ بولے مجھے تو یہ بھی پسند نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تلوؤں میں کانٹا چبھے اور میں

چھوڑ دیا جاؤں ۔آخر صفوان کے غلام نے انہیں قتل کر دیا۔

قریش مکہ میں بیٹھے برابر تدبیر کے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔یہودیوں کے ساتھ ان کا سازباز تھا۔منافقوں کو بھی برابر بڑھاوے دیئے جا رہے تھے۔

حج کے زمانہ میں سارا ملک کھچ کر مکہ پہنچتا تھا۔قریش قبیلوں کے سرداروں کو مسلمانوں کی دشمنی پر ابھارتے ،انہیں شرارتوں کے نئے نئے ڈھنگ اور طریقے سکھاتے تھے۔اس زمانے میں کئی قبیلے مدینہ پر چڑھ آئے۔لیکن مسلمانوں نے بڑھ کرانہیں روکا اور مار بھگا دیا۔

یہودیوں سے جنگ

مدینہ پر یہودیوں کا راج تھا۔لیکن جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ آئے ۔اور اسلام تیزی سے پھیلنے لگا تو یہودیوں کی ساکھ اکھڑ گئی۔اب وہ مسلمانوں کو مٹانے کی تدبیریں کرنے لگے۔انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج میں پرانی دشمنی چلی آتی تھی۔

یہودیوں نے دونوں کو پھر لڑا دینا چاہا۔جہاں بیٹھتے اوس اور خزرج کی باہمی جنگ کا ذکر چھیڑ دیتے۔انصار پر یہ جادو چل گیا۔چنانچہ ایک دفعہ دونوں طرف کے لوگوں نے تلواریں کھینچ لیں۔اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہنچ کر انہیں روک نہ دیتے تو دونوں طرف خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔

مدینہ میں یہودیوں کے تین قبیلے تھے۔ بنونضیر، بنوقریظہ، اور بنوقینقاع۔ ان تینوں قبیلوں سے مسلمانوں کا معاہدہ ہو چکا تھا۔ لیکن وہ برابر معاہدہ کو توڑنے اور مسلمانوں سے لڑنے کے لئے بہانے ڈھونڈ رہے تھے۔ انہیں دنوں ایک یہودی نے جو بنو قینقاع میں سے تھا، ایک مسلمان عورت کو چھیڑا۔ ایک انصاری کو غیرت آئی، اور اس نے ایک یہودی کو قتل کر ڈالا۔ اور تمام یہودی تلواریں سونت کر اس پر ٹوٹ پڑے اور اسے شہید کر دیا۔ اس واقعہ سے مسلمانوں میں جوش پھیل گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی تو انہوں نے یہودیوں کو سمجھایا، لیکن وہ تو صرف لڑنے کے بہانے ڈھونڈ رہے تھے۔ نہایت گستاخی سے جواب دیا۔ ہم قریش نہیں، ہم سے جنگ چھڑی تو معلوم ہو جائے گا کہ لڑنے والے کیسے ہوتے ہیں؟۔ یہ کہہ کر انہوں نے معاہدہ توڑ دیا۔

اب جنگ چھڑ گئی۔ یہودی بھاگ کر قلعہ میں چھپ گئے۔ پندرہ دن تک مسلمان قلعہ کو گھیرے رہے۔ آخر یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے، چونکہ مدینہ میں ان کا رہنا خطرناک تھا۔ اس لئے انہیں دیس نکالا دیا گیا۔

جنگ خندق

بنونضیر مدینہ سے نکالے گئے تو خیبر پہنچے، وہاں کو لوگوں نے انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور خیبر کی سرداری انہیں سونپ دی۔ اب انہوں نے آس پاس کے سارے قبیلوں کو مسلمانوں سے لڑنے پر ابھارا۔ یہودیوں کے بڑے بڑے

ل اس معرکہ کو جنگ احزاب بھی کہتے ہیں۔ احزاب حزب کی جمع ہے۔ عربی زبان میں حزب قبیلہ یا گروہ کو کہتے ہیں۔ چونکہ اس جنگ میں یہود قریش اور عرب کے کئی دوسرے قبیلے مسلمانوں کے مقابلے پر تھے۔ اس لئے اس کا نام جنگ احزاب پڑ گیا۔

سردار مکہ پہنچے۔ ابوسفیان اور قریش کے دوسرے سرداروں نے مل کر کہا، اگر تم ہمارا ساتھ دو تو مسلمانوں کو بڑی آسانی سے مٹایا جا سکتا ہے۔ وہ فوراً تیار ہو گئے۔

یہودیوں کے ایک قبیلہ بنو قریظہ نے ابھی تک معاہدہ نہیں توڑا تھا۔ لیکن بنونظیر کے ایک شاعر نے ان کے پاس پہنچ کر بڑے بڑے سبز باغ دکھائے۔ بنو قریظہ نے اس کی باتوں میں آ کر معاہدہ توڑ ڈالا۔ اور لشکر لے کر بنونظیر سے جا ملے۔

ساری فوج کا شمار کیا گیا تو چوبیس ہزار سپاہی تھے۔ اس سے پہلے کبھی کسی جنگ میں اتنی بڑی فوج جمع نہیں ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں کو مٹانے کے لئے سارا عرب امنڈ آیا ہے۔ لشکر کے تین حصے تھے، جو تین طرف سے مدینہ کی طرف

بڑھے۔ابوسفیان سپہ سالار تھا اور تینوں حصوں کی کمان تین نامور بہادروں کے ہاتھ میں تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ سے مشورہ کیا۔صلاح یہ ٹھہری کہ مدینہ کے گرد خندق کھودی جائے۔مدینہ کے تین طرف تو اونچے اونچے مکان اور درختوں کے گھنے جھنڈ تھے۔صرف ایک طرف میدان کھلا تھا۔یہیں خندق کھودی گئی۔یہ خندق پانچ گز گہری تھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بھی خندق کھودنے میں شریک تھے۔سارا جسم گرد میں اٹا ہوا تھا۔کھودتے کھودتے ایک چٹان آ گئی جو کسی سے نہیں ٹوٹتی تھی۔آخر آپ نے خود پھاوڑا اٹھایا اور ایک ہی وار میں چٹان کے کئی ٹکڑے کر دیئے۔

خندق کھودی جا چکی تو مسلمانوں نے صفیں باندھیں۔بال بچوں کو قلعہ میں بھیج دیا۔تاکہ یہودی قبضہ نہ کرسکیں۔اتنے میں دشمن کی فوج آ پہنچی۔اور تین طرف سے بڑے زور کے ساتھ حملہ کیا۔لیکن یہ سیلاب خندق کے کنارے پہنچ کر رک گیا۔

کافر ایک مہینے تک مدینے کے گرد گھیرا ڈالے پڑے رہے۔مدینہ میں رسد کم تھی۔اس لئے مسلمانوں پر کئی کئی فاقے گزر جاتے تھے۔خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین تین دن بھوکے رہے۔کئی راتیں جاگ کر کاٹیں،مسلمانوں کے لشکر میں منافق بھی تھے۔وہ یہ حال دیکھ کر گھبرا گئے۔اور بہانہ کرکے کھسکنے لگے۔لیکن سچے مسلمان برابر قدم جمائے رہے۔

اب حملے شروع ہوئے۔ کافروں نے تیروں اور پتھروں کا مینہ برسایا۔ ادھر سے بھی جواب دیا گیا۔ ایک دن سارے لشکر نے مل کر حملہ کیا۔ اور چار مشہور بہادر گھوڑے کدا کر خندق کے پار پہنچ گئے۔ ان میں عمرو بن عبدود بھی تھا۔ جس کی شجاعت کی دھاک سارے عرب میں بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے پکار کر کہا کہ کون ہے جو میرے مقابلے پر آئے۔ ادھر سے حضرت علیؓ نکلے۔ عمرو نے تلوار نکال کر وار کیا۔ حضرت علی نے ڈھال پر روکا لیکن تلوار سر پر سے گزر کر پیشانی پر لگی۔ زخم اوچھا تھا، لیکن اس کا نشان عمر بھر رہا۔ حضرت علی زخم کھا کر بھرے ہوئے شیر کی طرح جھپٹے اور ایسا وار کیا کہ تلوار شانے کو کاٹ کر سینے تک اتر آئی۔ اب باقی کے تینوں بہادر بڑھے۔ لیکن شیر خدا حضرت علی کی تلوار چمکی تو بھاگے۔ ان میں سے دو تو جانیں بچا کر نکل گئے۔ لیکن ایک خندق میں گر پڑا۔ حضرت علی نے اسے خندق میں اتر کر قتل کیا۔

مسلمانوں کے بال بچے قلعے میں تھے۔ ایک یہودی اس قلعہ کے دروازے پر پہنچا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ نے دیکھا تو خیمہ کی چوب اکھاڑی اور اس زور سے اس کے سر پر ماری کہ سر پھٹ گیا۔ ایک رات اس زور سے آندھی چلی کہ خیمے کی طنابیں اکھڑ گئیں۔ کافر پہلے ہی رسد کی کمی اور موسم کی سختی سے تنگ آئے ہوئے تھے۔ آندھی کا زور شور دیکھ کر ایسے گھبرائے کہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

اس معرکہ میں مسلمانوں کا زیادہ نقصان نہیں ہوا، لیکن قبیلہ اوس کے سردار سعد بن

معاذ نے جو اسلام کے سچے جان نثار تھے، اس جنگ میں کاری زخم کھایا اور چند روز بیمار رہنے کے بعد انتقال کیا۔

بنو قریظہ نے بڑے نازک وقت میں معاہدہ توڑا تھا۔ اب مسلمانوں نے ان کی طرف توجہ کی۔ انہوں نے قلعہ میں پناہ لے لی۔ مسلمانوں نے قلعہ کو گھیرے میں لے لیا۔ جب جان بچنے کی کوئی صورت نظر نہ آئی تو یہودیوں نے حضرت سعد بن معاذ کو جو بیمار پڑے تھے۔ ثالث مقرر کیا۔ انہوں نے یہودیوں کی مذہبی کتاب توریت کے مطابق فیصلہ کیا اور سارے یہودی قتل کر ڈالے گئے۔

حدیبیہ کی صلح

آپ کو وطن سے نکلے چھٹا سال تھا۔ اکثر صحابہ کے بال بچے ابھی تک وطن میں تھے۔ ان کی محبت نے انہیں بے چین کر رکھا تھا۔ حضرت بلال نے مکہ میں بڑے دکھ اٹھائے تھے۔ لیکن اس سرزمین سے کچھ ایسی محبت ہو گئی تھی کہ کبھی کبھی بے اختیار ہو کر پکار اٹھتے تھے۔ کیا پھر کبھی وہ دن آ سکتا ہے کہ میں مکہ کی وادی میں رات بسر کروں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کی بے تابی دیکھ کر حج کا ارادہ کیا۔ اس سفر میں چودہ سو صحابی ہمراہ تھے۔ چونکہ جنگ کا ارادہ نہیں تھا۔ اس لئے ہتھیار بھی ساتھ نہیں لیے تھے۔ قریش کو خبر پہنچی تو گھبرائے اور مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگے۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حدیبیہ میں جو مکہ سے ایک منزل کے فاصلے

پر ہے رک گئے۔

قریش کی طرف سے ایک آدمی گفتگو کرنے آیا اور بڑی بے گستاخی سے باتیں کیں۔لیکن اس گفتگو کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔قریش نے کچھ فوج مقابلہ کرنے کے لئے بھیجی۔یہ لوگ گرفتار کر لیے گئے۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں چھوڑ دیا۔اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عثمانؓ کو گفتگو کے لئے بھیجا۔ قریش نے انہیں نظر بند کر دیا۔یہاں یہ خبر اڑا دی کہ حضرت عثمان شہید ہو گئے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ سن کر سخت افسوس ہوا۔اور ببول کے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر صحابہ سے عہد لیا کہ ہم حضرت عثمان کا بدلہ لینے کے لئے اپنی جانیں نثار کر دیں گے۔یہ واقعہ بیعت الشجرہ کہلاتا ہے۔لیکن چونکہ اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنی خوشی ظاہر کی ہے۔

قریش نے سہیل بن عمرو کو بھیجا،دیر تک گفتگو ہوتی رہی۔آخر صلح ہوگئی۔اور عہد نامہ لکھا گیا،جس کی شرطیں یہ تھیں۔

ا۔مسلمان اس سال مکہ نہ آئیں۔

۲۔اگلے سال آئیں اور صرف تین دن ٹھہریں اور چلے جائیں۔

۳۔تلوار کے سوا کوئی ہتھیار ساتھ نہ لائیں۔

۴۔مکہ میں جو مسلمان ہیں انہیں اپنے ساتھ نہ لے جائیں۔کافروں یا مسلمانوں میں سے کوئی مدینہ چلا جائے تو اسے واپس بھجوا دیا جائے لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ چلا

جائے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔

۵۔ عرب کے تمام قبیلوں کو آزادی ہے کہ جس کے ساتھ چاہیں معاہدہ کریں۔

ادھر عہدنامہ لکھا جا رہا تھا۔ اور ادھر ایک نوجوان جس کے پاؤں میں بیڑیاں تھیں اور چہرے کی رنگت زرد ہو رہی تھی۔ لڑکھڑاتا ہوا آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سامنے آ کر گر پڑا، دیکھا تو معلوم ہوا کہ سہیل بن عمرو کے فرزند ابو جندل ہیں۔ کافروں نے انہیں اسلام قبول کرنے کے جرم میں قید کر رکھا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے تشریف لانے کی خبر سنی تو وہ کسی طرح بھاگ نکلے۔

سہیل بن عمرو نے کہا کہ صلح کی شرطوں کے مطابق ابو جندل کو میرے حوالے کر دیجیے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تو معاہدہ بھی نہیں لکھا گیا۔ سہیل نے کہا اگر آپ کو یہ منظور نہیں تو ہم صلح نہیں کرتے۔ آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ابو جندل کو سہیل بن عمرو کے حوالے کر دیا۔ کافروں نے ابو جندل کو سخت تکلیفیں دیں۔ سارے جسم پر کوڑوں کے نشان تھے۔ انہوں نے پیٹھ کھول کر زخم دکھائے تو مسلمانوں کے کلیجوں پر چھریاں چل گئیں۔ چہرے پر ایک رنگ آتا تھا۔ اور ایک جاتا تھا۔ لیکن کسی نے دم نہیں مارا۔

ابو جندل کی حالت دیکھ کر حضرت عمر سے نہ رہا گیا۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کیا آپ اللہ کے سچے پیغمبر نہیں؟ آپ نے جواب دیا ہاں میں خدا کا سچا پیغمبر ہوں، تو انہوں نے کہا پھر ہم یہ ذلت کیوں

اٹھائیں۔ آپ نے فرمایا "میں خدا کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا خدا میری مدد کرے گا۔" یہ سن کر وہ بھی چپکے ہو رہے۔ لیکن انہوں نے اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے بڑی گستاخی سے باتیں کہی تھیں۔ یہ پھانس ساری عمر دل میں کھٹکتی رہی۔ انہوں نے روزے رکھے، نمازیں پڑھیں، خیرات کی اور ہمیشہ خدا سے گڑگڑا کر اس قصور کی معافی مانگتے رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تین دن حدیبیہ میں رہے۔ چوتھے دن چلے تو راستے میں خدا کا پیغام آیا کہ "ہم نے تجھے کھلی ہوئی فتح عنایت کی۔" حضرت عمر نے پوچھا کیا یہ فتح ہے؟۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ یہ سن کر حضرت عمر کی تسلی ہوگئی۔ اور بعد کے واقعات نے تو صاف ثابت کر دیا کہ حدیبیہ کی صلح جسے قریش اپنی فتح سمجھتے تھے اصل میں مسلمانوں کی فتح تھی۔

چوتھا باب

صلح حدیبیہ سے وفات تک

جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں رہے۔عرب کے لوگوں کو آپؐ سے ملنے اور آپؐ کی باتیں سننے کا بہت کم موقع ملا۔قریش کے بڑے بڑے سردار لوگوں کو آپؐ کی خدمت میں حاضر ہونے سے روکتے تھے۔بعض احمق آپؐ کے گھر کے پاس سے بھی نہ گزرتے تھے۔کہ کہیں قرآن کی آیتیں سن کر اپنے باپ دادا کا دین نہ چھوڑ بیٹھیں۔اور گزرتے تھے تو مارے ڈر کے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے تھے۔ مدینہ میں بھی یہی حال رہا۔لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔کہ جو لوگ اسلام قبول کر لیتے ہیں،وہ گھر بار تج کر جی جان سے اس مذہب کے شیدائی ہو جاتے ہیں۔اس لئے ہمیشہ آپؐ سے الگ تھلگ رہتے تھے۔

اس کے علاوہ بدر کی جنگ کے بعد لڑائیوں کا سلسلہ اس طرح چھڑا کہ تیروں اور تلواروں کے مینہ نے مسلمانوں اور کافروں کے درمیان لوہے کی دیواریں کھڑی کر دیں۔آپس کا میل جول بند ہو گیا۔نہ کوئی مسلمان کسی کافروں کے گھر جاتا تھا۔اور نہ ہی کافر مسلمانوں کے گھر آتے تھے۔

حدیبیہ کی صلح کے بعد یہ بندشیں اٹھ گئیں۔لوگ مدینہ آنے جانے لگے۔انہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے اور آپ کی باتیں سننے کا موقع ملا۔آپ کا نورانی چہرہ دیکھ کر طبیعتیں آپ کی طرف کھنچتی تھیں۔اور آپ کی میٹھی باتیں اور نیک عادتیں دل میں گھر کر جاتی تھیں۔

آپؐ نے عمر بھر کبھی کسی کو کوئی سخت بات نہ کہی۔کوئی شخص آپؐ سے سخت بات بھی کہہ دیتا تو آپؐ اسے معاف کر دیتے تھے۔راستہ میں جو کوئی سامنے آجاتا تو اسے پہلے خود سلام کرتے تھے۔ہر شخص کی باتیں غور سے سنتے تھے۔گھر کا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔خود مکان میں جھاڑو دیتے۔خود بازار سے سودا سلف لاتے،یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرتے،بچوں اور بوڑھوں کے ساتھ شفقت سے پیش آتے،طبیعت میں صفائی ستھرائی بے حد تھی۔لباس معمولی ہوتا،مگر اسے ہمیشہ صاف رکھتے تھے۔اونچ نیچ کا کوئی خیال نہیں تھا۔امیروں اور غریبوں کے ساتھ یکساں پیش آتے تھے۔

استقلال کا یہ حال تھا کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔لیکن آپ کا قدم اپنی جگہ سے نہیں ہٹتا تھا۔دشمنوں نے بڑی بڑی تکلیفیں پہنچائیں،لیکن ماتھے پر بل نہ آیا۔سختیاں جھیلیں،مصیبتیں اٹھائیں اور اف تک نہ کی۔اس استقلال کے ساتھ رحم دلی اور ہمدردی کی یہ کیفیت کہ دوسروں کو مصیبت میں دیکھتے تھے،تو طبیعت بے چین ہو جاتی تھی۔کسی کی تکلیف کا حال سن لیتے تو آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آتے تھے۔

عرب کے لوگ اپنی لڑکیوں کو زمین میں گاڑ دیتے تھے۔ایک صحابی کہنے لگے کہ ایک مرتبہ میں اپنی لڑکی کو زمین میں گاڑ دیا تھا۔میں اس پر مٹی ڈالتا جاتا تھا۔اور وہ ابا ابا پکار رہی تھی۔یہ سن کر آپؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔انسان تو انسان آپؐ سے تو جانوروں کی تکلیف بھی نہیں دیکھی جاتی تھی۔ایک صحابی چڑیا کے بچے اٹھا لائے۔بے چاری ماں ممتا کی ماری بے چین ہو کر پر پھڑ پھڑانے لگی۔آپؐ کو معلوم ہوا تو صحابی کو حکم دیا کہ چڑیا کے بچے گھونسلے میں رکھ آؤ۔

سخی ایسے کہ گھر میں جو کچھ ہوتا غریبوں کو دے ڈالتے تھے۔خود فاقے کرتے لیکن بھوکوں کو کھانا کھلاتے۔بھیک مانگنے کو برا جانتے تھے۔لیکن کبھی کوئی بھکاری آپ کے دروازے سے خالی ہاتھ نہیں گیا۔آپؐ کے ہاں دور دور کے لوگ آتے اور کئی کئی دن مہمان ٹھہرتے تھے۔ان میں مسلمان، یہودی، بت پرست ہر قسم کے لوگ ہوتے تھے۔لیکن آپؐ سب کے ساتھ ایک سا سلوک کرتے تھے۔اور انہیں ذرہ بھر تکلیف نہ ہونے دیتے۔ایک دفعہ ایک مہمان آیا۔گھر میں ایک دن کا فاقہ تھا۔اتنے میں کہیں سے بکری کا دودھ آیا۔آپؐ نے سارا دودھ مہمان کو پلا دیا اور خود بھوکے رہے۔غرض اللہ نے دنیا بھر کی خوبیاں آپؐ کی ذات میں جمع کر رکھی تھیں۔

حدیبیہ کی صلح سے پہلے لوگوں کو آپؐ کے حالات ٹھیک ٹھیک معلوم نہیں تھے۔اس لئے دشمنوں کی پھیلائی ہوئی باتوں پر اعتبار کر لیتے تھے۔لیکن جب دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے لگے اور آپس میں ملنے جلنے لگے تو کافروں

کو آپؐ سے ملنے، آپ کی باتیں سننے، اور آپؐ کے حالات جانچنے کا موقع ملا۔ اب تو یہ حال ہوا کہ جو آیا ایمان کے نور سے دل کو روشن کر کے لوٹا۔ روز قبیلوں کے قبیلے حاضر ہوتے اور اسلام قبول کرتے تھے۔ جن لوگوں کی عمریں اسلام دشمنی میں گزری تھیں۔ گھر بار چھوڑ کر آئے اور اسلام کے ہو رہے۔ خالد بن ولید قریش کے بہادر سپاہی تھے۔ احد کے معرکے میں انہیں کی تدبیر سے جنگ کا نقشہ پلٹ گیا تھا۔ لیکن اس زمانے میں وہ بھی بھاگے بھاگے آئے اور مسلمان ہو کر ساری عمر اسلام کی حمایت میں تلواریں مارتے رہے۔ قریش کے ایک نامور سردار عمرو بن العاص ان کے ساتھ آئے اور اسلام قبول کر لیا۔

تم پڑھ چکے ہو کہ جو مسلمان مکہ میں رہ گئے تھے۔ انہیں کافر طرح طرح کی تکلیفیں دیتے تھے۔ ان میں سے ایک صاحب بھاگ کر مدینہ پہنچے۔ کافروں نے انہیں لانے کے لئے دو آدمی بھیجے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عہد نامے کی شرط کے مطابق انہیں واپس کر دیا۔ راستے میں انہوں نے ایک کافر کو قتل کر دیا۔ دوسرا بچ کر نکل گیا۔ انہوں نے سمندر کے کنارے پہنچ کر ایک جگہ پناہ لی۔ مکہ کے مسلمانوں کو معلوم ہوا تو وہ ایک ایک کر کے وہاں پہنچے۔ اور مسلمانوں کی ایک چھوٹی سی جماعت اکٹھی ہو گئی۔ قریش کے جو قافلے تجارت کرنے شام جایا کرتے تھے۔ اسی راستے سے گزرتے تھے۔ انہوں نے فاقوں سے تنگ آ کر ان کو لوٹنا شروع کر دیا۔ اب قریش گھبرائے اور انہیں مدینہ چلے جانے کی اجازت دے دی۔

بادشاہوں کے نام خطوط

حدیبیہ کی صلح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آس پاس کی سلطنتوں کے فرمانرواں کے نام خطوط بھیج کر انہیں اسلام کی طرف بلایا۔حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے دل میں پہلے ہی اسلام کی محبت گھر کر چکی تھی ۔وہ فورا ایمان لے آیا۔روم کے بادشاہ کی طرف آپؐ کا خط پہنچا تو اس کی طبیعت اسلام کی طرف جھکی،لیکن درباریوں کے تیور دیکھ کر نیت ڈانواں ڈول ہوگئی۔

ایران کا بادشاہ خسرو پرویز بڑا مغرور بادشاہ تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک پڑھ کر اس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔اور غصہ میں آکر آپؐ کے نامہ مبارک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔آپؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا،اس کی سلطنت بھی اسی طرح ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔چند دنوں کے بعد خبر آئی کہ وہ اپنے بیٹے کے ہاتھوں مارا گیا۔مصر کے بادشاہ اسلام تو قبول نہ کیا۔لیکن قاصد سے بڑی عزت سے پیش آیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تحفے دے کر رخصت کیا۔

خیبر

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ مدینہ سے جو یہودی نکالے گئے تھے۔ انہوں نے خیبر پہنچ کر قدم جمائے۔ اور تھوڑے ہی عرصے میں ایسی قوت پیدا کر لی کہ چھ مضبوط قلعے اور بیس ہزار کی فوج ان کے قبضے میں آ گئی۔ یہ لوگ ابھی تک اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے سارے عرب کو ابھار کر مسلمانوں کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ اور خندق کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ دوسری مرتبہ پھر مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا اور قبیلہ غطفان کو اور آس پاس کے کئی قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معلوم ہوا تو آپؐ نے مناسب سمجھا کہ یہودیوں کو مدینہ پر حملہ کرنے کا موقع نہ دیا جائے۔ چنانچہ آپؐ سولہ سو جان بازوں کو لے کر کالے کوسوں کی منزلیں لپیٹتے خیبر کے سامنے جا پہنچے۔ یہودی کمکی فوج کا انتظار کر رہے تھے کہ یکا یک گرد اڑی اور اسلامی پرچم لہراتا ہوا نظر آیا۔ وہ کھلے میدان میں لڑنا چاہتے تھے۔ لیکن مدد نہ پہنچی تو قلعوں میں بیٹھ کر لڑائی کا ڈھنگ نکالا۔ سارے قلعے ایک ایک کر کے فتح ہو گئے۔ البتہ ایک قلعہ قاموس جس کا سردار عرب کا مشہور پہلوان مرحب تھا۔ دیر تک اڑا رہا۔ بڑے بڑے صحابہ فوج لے کر گئے لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔ حضرت علیؓ کی آنکھیں دکھتی تھیں، اس لئے وہ اس جنگ میں شامل نہ ہوئے تھے۔ ایک صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے انہیں بلوا کر اپنا خاص علم عطا کیا اور دعا فرمائی۔ وہ

علم اڑاتے قموص کے پاس پہنچے تو قلعہ کا پھاٹک کھلا۔ مرحب جنگی ہتھیار سجائے سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبا ہوا باہر نکلا۔ حضرت علیؓ نے بڑھ کر روکا اور ایسی تلوار ماری کہ سر کو کاٹ کو دانتوں تک اتر آئی۔ مرحب کے مرتے ہی یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے اس شرط پر صلح کر لی کہ خیبر کی زمین تو یہودیوں کے پاس رہے۔ البتہ وہ ہر سال مسلمانوں کو آدھی پیداوار خراج کے طور پر ادا کرتے رہیں۔

جنگ موتہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بادشاہوں کے نام جو خط بھیجے تھے۔ ان میں ایک خط شام اور عرب کی سرحد کے حاکم شرجیل بن عمرو کے نام بھی تھا۔ شرجیل خط پڑھ کر بہت بگڑا اور حارث بن عمیر کو جو یہ خط لے کر گئے تھے، قتل کر ڈالا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے خون کا بدلہ لینے کے لئے تین ہزار جان بازوں کی ایک فوج شام کی طرف بھیجی۔ زید بن حارث اس فوج کے سردار بنائے گئے۔ اور حکم ہوا کہ اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر طیارؓ سپہ سالار مقرر رہوں گے۔ وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبد اللہ بن رواحہ فوج کو لڑائیں، پھر ارشاد ہوا کہ لوگوں کو پہلے اسلام کی طرف بلانا۔ جب تک وہ اسلام قبول کرنے سے انکار نہ کریں، تلوار نیام سے باہر نہ نکلے۔

ادھر شرجیل نے ایک لاکھ سپاہی جمع کر کے مقابلہ کا ارادہ کیا۔ روم کا بادشاہ جس کا

لقب قیصر تھا۔خود بے شمار فوج لے کر شرجیل کی مدد کے لئے تیار بیٹھا تھا۔اسلامی فوج راستے میں تھی کہ یہ خبریں پہنچیں۔حضرت زید چاہتے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر بھیجی جائے،اوران کے حکم کا انتظار کیا جائے۔لیکن حضرت عبداللہ بن رواحہ نے کہا کہ ہمیں شہادت حاصل کرنا ہے۔جو ہر وقت مل سکتی ہے۔

موتہ کے مقام پر دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔اور یہ تین ہزار جان نثار علم لہراتے اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ایک لاکھ کے لشکر پر جا پڑے۔پہلے حضرت زید علم لے کر آگے بڑھے اوراس طرح حملہ کیا کہ عیسائیوں کے دل دہل گئے۔لیکن نیزوں کے زخم کھا کر گرے۔حضرت جعفر طیار نے انہیں گرتے دیکھ کر گھوڑے سے کودے اور بڑھ کر علم سنبھالا۔پھر داہنے بائیں تلواریں مارتے دشمن کی فوج میں گھس گئے اور تلواروں اور برچھیوں کے نوے زخم کھا کر جان دی۔اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہ نے علم سنبھالا اور نہایت بے جگری سے لڑ کر شہید ہوئے۔

اب حضرت خالد بن ولید نے لشکر کو سنبھالا اور شجاعت کے ایسے جوہر دکھائے کہ دونوں لشکر عش عش کر اٹھے۔اس معرکہ میں ان کے ہاتھ سے نو تلواریں ٹوٹیں اور وہ بڑی عقل مندی سے مسلمانوں کو اس معرکہ سے نکال لائے۔

فتح مکہ

عرب کے دو قبیلے بنو بکر اور بنو خزاعہ پرانے دشمن تھے۔ اور اسلام کے ظہور سے پہلے ان میں بڑی خوف ناک لڑائیاں ہوئی تھیں۔ صلح حدیبیہ کے بعد عرب کے قبیلوں کو اجازت ہوگئی تھی کہ وہ مسلمانوں اور قریش میں سے جس کے ساتھ چاہئیں معاہدہ کرلیں۔ چنانچہ بنو بکر نے قریش کے ساتھ معاہدہ کرلیا۔ اور بنو خزاعہ مسلمانوں کے طرف دار بن گئے۔ ایک دفعہ بنو بکر نے موقعہ پا کر بنو خزاعہ پر حملہ کر دیا۔ قریش نے ان کا ساتھ دیا۔ بنو خزاعہ نے کعبہ میں پناہ لی لیکن بنو بکر ان کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ وہاں بھی تلواریں کھینچے پہنچے۔ اور بڑی بے دردی سے انہیں قتل کر ڈالا۔ خزاعہ کے کچھ لوگ فریاد لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچے۔ آپ نے قریش کو پیغام بھیجا کہ یا تو بنو بکر کا ساتھ چھوڑ دو یا خزاعہ کو خون بہا دلواؤ۔ یہ دونوں شرطیں منظور نہیں تو اعلان کر دو کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔ قریش اس وقت تو غصہ میں کہہ دیا کہ ہمیں تیسری شرط منظور ہے۔ لیکن بعد میں بہت پچھتائے۔ ابو سفیان کو دوڑایا کہ منت سماجت کرکے پھر انہیں شرطوں پر صلح کر لیں۔ اس نے مدینہ آکر پھر صلح کی گفتگو شروع کی، بڑے بڑے صحابہ کو بیچ میں ڈالنا چاہا، لیکن کسی نے حامی نہ بھری۔

ہجرت کے آٹھویں سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ کی طرف روانہ

ہوئے۔ مدینہ سے نکلے تا دس ہزار جانباز ساتھ تھے۔ راستہ میں اور قبیلے بھی آ آ کر اس فوج میں ملتے جاتے تھے۔ مکہ ایک منزل رہ گیا تو اس لشکر نے نجران کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ رات کا وقت تھا۔ ہر قبیلے نے الگ الگ آگ روشن کی۔ جس سے سارا صحرا جگمگا اٹھا۔

ابوسفیان دوسرداروں کو ساتھ لے کر صحیح خبریں لینے مکہ سے چلا تھا۔ دور سے دیکھا کہ کوسوں آگ ہی آگ روشن ہے۔ حیران ہو کر آگے بڑھا۔ اتفاق سے حضرت عمر نے اسے کہیں دیکھ لیا، چاہتے تھے کہ گردن اڑا دیں کہ حضرت عباس نے بچا لیا۔ اور اسے ساتھ لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ابوسفیان نے اسلام کو مٹانے کے لئے کیا کیا نہیں کیا تھا۔ آپ کے قتل کی سازشیں کیں، مدینہ پر بار بار حملے کیے۔ عرب کے قبیلوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھارا، لیکن جب گرفتار ہو کر سامنے آیا تو رحمت عالم نے اسے بھی معاف کر دیا۔

صبح کو جب اسلامی لشکر میں کوچ کی تیاریاں ہو رہی تھیں تو حضرت عباس ابو سفیان کو ایک پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے۔ کہ اپنی آنکھوں سے اسلامی لشکر کی شان وشوکت کا نظارہ دیکھ لیں۔ تھوڑی دیر میں ادھر سے مشرق میں صبح کا نور پھیلا، ادھر سے سرخ جھنڈا ہوا میں لہرایا۔ اور اسلامی فوج اُمڈے ہوئے دریا کی طرح مکہ کی طرف بڑھی۔ ابوسفیان ہر قبیلہ اور اس کے سردار کا نام پوچھتا جاتا تھا۔ اور حضرت عباس بتاتے جاتے تھے۔

قریش کو خبریں پہنچ چکی تھیں اور وہ سہمے ہوئے تھے۔ اس لئے کسی نے لڑائی کا ارادہ نہیں کیا۔ البتہ بعض نوجوانوں نے جوانی کے جوش میں آ کر حضرت خالد بن ولید کی فوج پر حملہ کر کے دو صحابیوں کو شہید کر دیا۔ حضرت خالد نے حملہ کیا تو بارہ لاشیں چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

کعبہ کی عمارت حضرت ابراہیم نے خدا کی عبادت کے لئے بنائی تھی۔ لیکن قریش نے اس میں پتھر کے بت لا کر رکھ دیئے تھے۔ اور اب خدا کی بجائے بتوں کی پوجا ہوتی تھی۔ ہبل سب سے بڑا بت تھا۔ جو سرخ یاقوت سے بنا ہوا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے ان سب بتوں کو نکلوا دیا۔ دیواروں پر نبیوں کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ انہیں مٹایا۔ جب حرم کی صفائی ہو چکی تو حضرت بلال کے ساتھ اندر جا کر نماز پڑھی اور اونچی آواز سے تکبیریں کہیں۔

اب قریش کے بڑے بوڑھے قبیلے کے سردار، بہادر سپاہی اور شہسوار، امیر اور غریب سب کے سب کعبہ میں اکٹھے ہوئے۔ لیکن ہر شخص اپنے اپنے جرم یاد کر کے سہما ہوا تھا۔ منہ پر ہوائیاں چھوٹ رہی تھیں۔ ہونٹ خشک، منہ سے بات تک نہیں نکلتی تھی۔ جب سب آ چکے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ نے فرمایا۔

ایک خدا کے سوا کوئی خدا نہیں اور اس کا کوئی ساجھی نہیں۔ اس نے اپنا وعدہ پورا کیا۔ اپنے بندے کی مدد کی۔ اور سارے جتھوں کو توڑ دیا۔ اے قریش آج باپ دادا کی بڑائی کا غرور مٹا دیا گیا۔ تم سب آدم کی نسل سے ہو۔ اور آدم مٹی سے بنے ہوئے تھے۔

پھر قرآن کی چند آیتیں پڑھیں۔ اور قریش کی طرف دیکھ کر کہا۔ "جانتے ہو کہ میں تم سے کیا سلوک کرنے والا ہوں۔"

یہ سنتے ہی سب کے دلوں پر بجلی سی گری اور سر جھک گئے۔ لیکن پھر سنبھلے اور پکار اٹھے۔

"تو شریف بھائی اور شریف بھتیجا ہے"

آپؐ نے فرمایا آج تم سب کے قصور معاف کر دیئے گئے، تم سب آزاد ہو۔

قریش میں بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اس ڈر سے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ کبھی ہمارا قصور معاف نہیں کریں گے۔ مکہ سے بھاگ گئے تھے۔ انہیں بھی معافی دے دی گئی۔ ابوسفیان کی بیوی ہند جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ کو بڑے دکھ دیئے تھے۔ غم اور مایوسی کی تصویر بنی ہوئی آئی۔

آپؐ نے اسے بھی معاف کر دیا۔ آپ کے پیارے چچا حضرت حمزہ کا قاتل وحشی بھی کانپتا ہوا آیا اور جان کے ساتھ ایمان کی دولت لے کر لوٹا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ چند دن مکہ میں رہے۔ آس پاس کے قصبوں میں اور بھی کئی بت تھے۔ جن کی پوجا کرنے دور دور سے لوگ آتے تھے۔ ان کو بھی توڑ دیا گیا۔ اور بت پرستی کا خاتمہ ہو گیا۔

مکہ کی فتح نے اسلام کی سچائی کے جھنڈے سارے عرب میں گاڑ دیئے۔ عرب کے اکثر قبیلے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کر رہے تھے۔ صرف قریش کی وجہ سے رکے

ہوئے تھے۔ مکہ کے فتح ہوتے ہی انہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ لیکن اس زمانے میں بھی جب کہ قریش کی طاقت بالکل ٹوٹ چکی تھی۔ اور وہ مسلمانوں کی تلواروں کے سائے میں زندگی بسر کر رہے تھے۔ کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا گیا۔

حنین اور طائف

حنین اور ثقیف عرب کے دو مشہور قبیلے تھے۔ جن کی بہادری اور شجاعت کے افسانے سارے عرب میں مشہور تھے۔ وہ پہلے ہی مسلمانوں سے لڑنے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ مکہ کی فتح کا حال سن کر بھڑک اٹھے اور فورا بہت بڑا لشکر لے کر بڑھے۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ہزار جان بازوں کی فوج لے کر نکلے اور حنین کے میدان میں جو مکہ اور طائف کے درمیان واقع ہے۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ کافر میدان جنگ میں پہلے پہنچ چکے تھے۔ اور انہوں نے آس پاس کی پہاڑیوں پر قبضہ کر کے ان کی کھوہوں میں تیر اندازوں کے دستے بٹھا دیئے تھے۔

ابھی پوری طرح اجالا بھی نہیں ہوا تھا۔ تارے کہیں کہیں رات کے پردے کی اوٹ سے جھانک رہے تھے۔ حنین کی وادیاں دھندلکے کی چادر میں لپٹی ہوئی تھیں کہ مسلمانوں کا لشکر آگے بڑھا، جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی، فوجیں ہی فوجیں نظر آتی تھیں۔ یہ عالم دیکھ کر بعض صحابہ کی زبان سے نکلا، آج ہمیں کون شکست دے سکتا ہے۔؟۔ یہ بات خدا کو پسند نہ آئی۔ یکا یک دشمنکی فوج بجلی کی طرح مسلمانوں پر

ٹوٹ پڑی۔ادھر تیر انداز گھات میں بیٹھے تھے، چلے چڑھائے باہر نکلے اور تیروں کا مینہ برس گیا۔ یہ حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔اسلامی فوج میں قریش کے اکثر سپاہی ایسے بھی تھے ،جنہوں نے ابھی تک اسلام قبول نہیں کیا تھا۔سب سے پہلے ان ہی کے قدم اٹھے تھے۔ان کو دیکھ کر مسلمان بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔یا تو بارہ ہزار جان باز جن میں ایک ایک رستم واسفندیار پر بھاری تھا۔بڑھے چلے آتے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پلٹ کر دیکھا تو میدان خالی تھا۔ اس حالت میں آپؐ تنہا میدان میں قدم جمائے کھڑے رہے۔آپؐ نے داہنی طرف پکارا ''اے گروہ انصار آواز آئی ہم حاضر ہیں۔''پھر بائیں طرف پلٹ کر پکارا، ادھر سے بھی حاضر حاضر کی آوازیں آئیں۔آپؐ دلدل سے اتر پڑے اور پھر اس آواز سے سارا میدان گونج اٹھا۔''میں خدا کا بندہ اور اس کا رسول ہوں''

یہ آواز سن کر مسلمان پلٹ پڑے اور اس زور سے وازن کی فوج پر دہنے بائیں آ کر گرے کہ دشمن جو طوفان کی طرح بڑھا چلا آتا تھا۔ پیچھے ہٹا، کچھ جان نثاروں نے زرہیں اتار پھینکیں، گھوڑوں سے کود پڑے اور پلک جھپکتے ہی لشکر کے قلب میں جا پہنچے۔یہ حملہ ایسا اچانک تھا کہ دشمن کی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔

کافروں نے اوطاس میں کچھ لشکر جمع کیا۔لیکن وہاں بھی شکست کھائی۔ اور بھاگ نکلے۔اس معرکے میں ہزاروں قیدی ہاتھ آئے۔قیدیوں میں بی بی حلیمہ کی صاحب زادی شیما بھی تھی۔جنہوں نے بچپن میں آپ کو گود میں کھلایا تھا۔انہیں دیکھ

کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ ان کو بیٹھنے کو اپنی چادر بچھائی، دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے۔ اور پھر بہت سی بکریاں اور اونٹ دے کر عزت سے ان کے وطن پہنچا دیا۔

اس لڑائی میں بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ جب اسے تقسیم کرنے کا وقت آیا تو آپ نے مکہ کے لوگوں کو جنہوں نے تھوڑا عرصہ پہلے ہی اسلام قبول کیا تھا۔

---

[1] دلدل آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سواری کا خچر تھا۔ حنین کے معرکہ میں اسی خچر پر سوار ہو کر شریک ہوئے تھے۔ آپ کے چچا حضرت عباس رکاب تھامے ساتھ تھے۔

زیادہ حصہ دیا۔ انصار کے چند نوجوانوں کو یہ بات ناگوار گزری، ان کی زبان سے نکل گیا کہ لڑنے مرنے کو ہم ہیں اور مال غنیمت لینے کو دوسرے۔

آپ کو معلوم ہوا تو انصار کو بلا کر پوچھا کہ تم نے یہ باتیں کہی ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ یا رسول اللہؐ چند نوجوانوں کی زبان سے جوانی کے جوش میں ایسے فقرے ضرور نکلے ہیں۔ لیکن ہم میں سے کسی بوڑھے نے ایسی بات نہیں کہی۔

آپؐ نے فرمایا اے انصار کیا یہ سچ نہیں کہ تم سیدھی راہ سے بھٹکے ہوئے تھے۔ میرے ذریعے خدا نے تمہیں ہدایت دی۔ تم میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی، میرے ذریعے تم میں ایکا ہو گیا۔ تم نادار اور محتاج تھے۔ اللہ نے میرے ذریعے تمہیں دولت دی۔

انصار ہر جملہ پر کہتے جاتے تھے کہ "اللہ اور اس کے رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔"

آپ نے فرمایا نہیں تم بھی کہہ سکتے ہو کہ وہ وقت یاد کرو کہ جب تمہیں لوگوں نے جھٹلایا، اور ہم نے تمہیں سچا جانا، تم نے جب اپنا وطن چھوڑا تو ہم نے تمہیں پناہ دی، تم مفلس تھے، ہم نے مال و دولت سے تمہاری مدد کی، تم جواب دو اور میں تمہارے ساتھ ساتھ کہتا جاؤں گا کہ تم سچ کہتے ہو۔ لیکن اے انصار کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ لوگ تو اپنے اپنے گھر اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم مجھے لے جاؤ۔

یہ سن کر انصار رو پڑے اور کہنے لگے کہ "ہمیں تو صرف آپ درکار ہیں۔"

اس لڑائی میں چھ ہزار قیدی مسلمانوں کے ہاتھ آئے تھے۔ لیکن قبیلہ ہوازن کے کچھ لوگ قیدیوں کی رہائی کے لئے آپ کے پاس آئے تو آپ نے سب کو آزاد کر دیا۔

تبوک

اسی زمانے میں خبر پہنچی کہ روم کا بادشاہ عرب پر چڑھا چلا آ رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کو مدینہ میں چھوڑا اور تیس ہزار مسلمانوں کو جن میں تمام بڑے بڑے صحابہ شامل تھے۔ ہمراہ لے کر مقابلہ کا ارادہ کیا۔ مسلمانوں کا لشکر جب تبوک پہنچا جو مدینہ سے چودہ منزل کے فاصلے پر تھا۔ تو معلوم ہوا کہ عیسائیوں کے حملے

کی خبر غلط تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تشریف لانے کی خبر سن کر آس پاس کے کئی عیسائی سردار حاضر ہوئے اور امان پائی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک میں بیس دن رہنے کے بعد پلٹے تو عورتیں اور بچے گیت گاتے ہوئے استقبال کے شوق میں گھروں سے نکل آئے۔

تبوک کا معرکہ جس سال پیش آیا، سارے عرب میں قحط پڑا ہوا تھا۔ لشکر کی تیاری کے لئے سارے صحابہ نے اپنی اپنی ہمت کے مطابق اونٹ، گھوڑے اور نقد روپیہ دیا۔ چنانچہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف نے چالیس ہزار درہم دیئے۔ حضرت عثمانؓ نے سو گھوڑے، نو سو اونٹ اور ایک ہزار دینار، حضرت عمرؓ گھر کا آدھا مال لائے اور آدھا بال بچوں کے لئے چھوڑ آئے۔ لیکن حضرت ابوبکر نے گھر کا سارا مال و اسباب حاضر کر دیا۔

حجۃ الوداع

ہجرت کے دسویں سال جب ہر طرف امن ہو چکا تو آپؐ نے حج کا ارادہ کیا۔ یہ خبر سارے عرب میں پھیل گئی۔ لوگ ہر طرف سے اُمڈ آئے۔ آپؐ ۲۶ ذی قعد کو مدینہ سے نکلے۔ راستے میں اور قبیلے بھی آ آ کر شامل ہوتے جاتے تھے۔ چار ذی الحجہ کو مکہ پہنچے، بچوں نے آپ کے تشریف لانے کی خبر سنی تو گھروں سے نکل پڑے۔ آپؐ نے انہیں اپنے اونٹ پر آگے پیچھے بٹھا لیا۔ خانہ کعبہ پر نظر پڑی تو فرمایا:۔

''اے خدا تیرے لئے سلامتی ہے۔اور تیری طرف سے سلامتی ہے۔اے اللہ اس گھر کی عزت اور عظمت کو اور زیادہ کر''۔

پھر کعبہ کا طواف کیا۔طواف کے وقت آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے،اے خدا ہم تیرے سامنے حاضر ہیں۔اے خدا تیرا کوئی ساجھی نہیں۔سب تعریفیں تیرے لئے ہیں، ملک تیرا ہے۔نعمتیں تیری ہیں، تیرا کوئی ساجھی نہیں۔

طواف سے فارغ ہو کر دو رکعت نماز پڑھی اور پھر کہا ''اللہ کے سوا کوئی پوجا کے لائق نہیں۔'' وہ اکیلا ہے۔اس کا کوئی ساجھی نہیں۔اس نے اپنے بندے سے وعدہ پورا کیا اور سب جتھوں کو توڑ دیا۔

نویں ذی الحجہ کو مسلمان عرفات کے میدان میں جمع ہوئے۔جہاں تک نظر کام کرتی تھی۔انسان ہی انسان نظر آتے تھے۔کوئی سوا لاکھ کا ہجوم تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اونٹنی پر سوار ہو کر آخری خطبہ ارشاد فرمایا، جس کے لفظ لفظ میں سچائی کے خزانے چھپے ہوئے تھے۔آپ نے فرمایا:۔

''اے لوگو شاید میں پھر تمہیں اس جگہ نہ مل سکوں۔اس لئے میری باتیں غور سے سنو۔اے لوگو جس طرح آج کے دن اس شہر اور اس مہینہ کا احترام کرتے ہو۔اسی طرح ایک دوسرے کے مال اور جان کو حرام سمجھو۔دوسروں پر ظلم نہ کرو، تا کہ تم پر ظلم نہ کیا جائے۔شیطان ناامید ہو چکا ہے۔کیونکہ اس سرزمین پر اب اس کی پوجا نہیں کی جائے گی۔لیکن چھوٹی چھوٹی باتوں میں لوگ اس کی فرمانبرداری کرتے رہیں

گے۔اس لئے تم اس کی اطاعت سے بچو۔خبردار میرے بعد سچائی کی راہ سے بھٹک نہ جانا۔ایک دوسرے کا خون نہ بہانا۔

عورتوں کے ساتھ نرمی اور شفقت سے پیش آنا۔جس طرح تمہارا ان پر حق ہے۔ اسی طرح ان کا تم پر حق ہے۔غلاموں کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔جو خود کھاؤ،وہی ان کو کھلانا۔جو خود پہننا،وہی ان کو پہنانا۔ان سے کوئی قصور ہو جائے تو معاف کر دینا۔ آج عرب کے لوگوں کو عجم کے لوگوں پر اور عجم کے لوگوں کو عرب کے لوگوں پر کوئی فضیلت نہیں۔سب مسلمان بھائی بھائی ہیں۔تمہارے لئے اپنے بھائی کی کسی چیز پر قبضہ کرنا جائز نہیں۔

اے لوگو میں تم میں قرآن مجید چھوڑے جاتا ہوں،اگر تم عمل کرو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔جو کام کرو خلوص سے کرو،مسلمانوں کا بھلا سوچتے رہو۔آپس میں ایکا رکھو۔

اس کے بعد فرمایا کہ لوگو خدا تم سے میری نسبت پوچھے گا تو کیا جواب دو گے۔

سب نے کہا ہم یہ گواہی دیں گے کہ آپؐ نے اللہ کا پیغام ہم تک پہنچا دیا۔"

آپؐ نے انگلی اٹھا کر تین بار فرمایا "اے خدا تو گواہ رہنا،اے خدا تو گواہ رہنا، اے خدا تو گواہ رہنا،"

اسی وقت یہ آیت اتری۔"آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا،اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی۔اور تمہارے لئے اسلام کو پسند کیا۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا آخری حج تھا۔اس لئے اسے حجۃ الوداع کہتے

ہیں۔اس کے علاوہ آپ نے اپنے خطبے میں ایسی باتیں بھی کہی تھیں۔جن سے معلوم ہوتا تھا کہ آپ دنیا میں اپنا کام پورا کر چکے ہیں اور تھوڑے ہی دنوں میں دنیا سے رخصت ہو جائیں گے۔

وفات

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کے گیارھویں سال صفر کے مہینے میں بخار ہوا۔مسجد نبوی کے پاس حضرت عائشہ کا حجرہ تھا۔بیماری میں وہیں رہے اور وہیں انتقال فرمایا۔بیماری کے زمانے میں ایک دن مسجد میں گئے اور منبر کی نچلی سیڑھی پر بیٹھ کر فرمایا:۔

اے لوگو مجھے معلوم ہے کہ تم میری موت سے ڈرتے ہو۔کیا پہلے نبیوں میں سے کوئی بھی ہمیشہ زندہ رہا ہے۔میں بھی اگلے نبیوں کی طرح اپنے مالک سے ملنے والا ہوں۔اور تم بھی اپنے خدا سے جا ملو گے۔جن لوگوں نے اسلام کی خاطر اپنا گھر بار تج دیا۔ان سے بھلائی سے پیش آنا۔اے مہاجرین انصار کے ساتھ اچھا سلوک کرنا کہ انہوں نے مجھے پناہ دی۔اپنے پھلوں میں اپنے مکانوں میں تم کو شریک کیا۔ان میں سے جو نیک ہوں ان پر احسان کرنا جو قصوروار ہوں ان کو معاف کر دینا۔اور میرے کنبہ کی عزت کا خیال رکھنا۔

اس زمانے میں اور بھی نصیحتیں کرتے رہے،ایک دفعہ فرمایا:۔

تم سے پہلے اگلی قوموں نے اپنے نبیوں اور بزرگوں کی قبروں کو پوجنا شروع کر دیا تھا۔ خبردار تم ایسا نہ کرنا۔ انسان کو اس کے اچھے یا برے کاموں کا بدلہ ضرور ملے گا۔

حضور نے اپنی پیاری بیٹی فاطمہ کو بلایا اور ان کے کان میں کچھ کہا، حضرت فاطمہؓ رونے لگیں، پھر کان میں کچھ کہا تو بی بی فاطمہ ہنس پڑی۔ کسی نے پوچھا کہ بی بی آپ پہلے روئی اور پھر ہنسی کیوں تو حضرت فاطمہ نے جواب دیا کہ پہلے بابا جان نے اپنی رحلت کی خبر دی۔ جس سے میں رونے لگی، پھر آپ نے فرمایا اے میری بیٹی فاطمہ تم جنت کی عورتوں کی سردار ہو اور سب سے پہلے مجھے جنت میں آ کر ملو گی۔ میں خوش ہو گئی اور ہنس پڑی۔

مرض برابر بڑھتا جا رہا تھا۔ وفات کے دن صبح کے وقت کچھ افاقہ ہو گیا۔ لیکن دن چڑھا تو غش آنے لگا۔ بیچ بیچ میں طبیعت سنبھل جاتی تھی۔ تیسرے پہر بے چینی بڑھ گئی۔ لیکن اس حالت میں بھی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ ''نماز، نماز، لونڈی، غلام''۔ آخری وقت تین دفعہ انگلی اٹھا کر فرمایا ''فی الرفیق الاعلیٰ'' (سب سے بڑے رفیق کے پاس) اور آپؐ اپنے مالک اور سب سے بڑے رفیق سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مدینہ میں حضور کے انتقال کی خبر پھیلی تو مسلمان سناٹے میں آ گئے۔ جو جہاں تھا، وہیں کھڑا رہ گیا۔ سب کے حواس گم، منہ سے بات نہیں نکلتی تھی۔ دلوں کی بے کلی کا عجیب حال تھا۔ حضرت عمر کو یقین نہیں آتا تھا۔ کہ مسلمانوں کے سروں سے رحمت عالم

کا سایہ اٹھ گیا ہے۔ لوگوں کو بے چین دیکھ کر میان سے تلوار کھینچ لی اور کہنے لگا ''جو شخص کہے گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وفات پائی، میں اس کی گردن اڑا دوں گا۔

مسجد نبوی میں مسلمانوں کا ہجوم تھا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ وہاں پہنچے اور فرمایا:۔

''لوگو جو شخص محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوجتا تھا، وہ جان لے کہ وہ تو گزر گئے اور جو اللہ کو پوجتا تھا وہ سن لے کہ اللہ زندہ ہے اور کبھی نہیں مرے گا۔ پھر یہ آیت پڑھی:۔

''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقط اللہ کے پیغمبر ہیں ان سے پہلے بہت سے پیغمبر گزر گئے۔''

آپ کو غسل دے کر تین چادروں کا کفن پہنایا گیا اور اسی حجرہ میں دفن کر دیئے گئے جہاں آپ کا انتقال ہوا تھا۔

اللھم صلی علی محمد وعلی آل محمد وبارک وسلم

پانچواں باب

اسلام اور مسلمان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیغمبری کا رتبہ پانے کے بعد تیئیس سال زندہ رہے۔ان میں سے تیرہ سال مکہ میں گزرے اور دس سال مدینہ میں۔

قوموں کی حالت سدھارنے اور انہیں سچائی اور نیکی کی راہ دکھانے کے لئے یہ مدت بہت تھوڑی تھی۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جن کا سینہ وحی کے نور سے روشن تھا۔عربوں کی حالت سنوارنا کیا مشکل تھا۔تیئس سال کے عرصہ میں عرب سے وہ تمام بری رسمیں اور ریتیں جو سینکڑوں سالوں سے چلی آتی تھیں،مٹ گئیں اور اس سرزمین کے لوگ اسلام کے دامن رحمت کے سائے تلے آ گئے۔

حضرت ابراہیم کے فرزند حضرت اسماعیل نے عرب کے لوگوں کو سچے خدا کی پوجا کا طریقہ بتایا تھا،لیکن وہ راہ سے بھٹک گئے،کسی نے بتوں کو پوجنا شروع کیا۔کسی نے ستاروں کو خدا بنالیا۔کسی نے دریاؤں اور پہاڑوں کے سامنے سر جھکایا اور کوئی درختوں کی پوجا کرنے لگا۔ایک خدا کو جس کو کسی نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا،ساری دنیا کا پیدا کرنے والا سمجھنا ان کی طبیعت اور باپ دادا کے طریقہ کے خلاف

تھا۔اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اسلام کی طرف بلایا تو انہوں نے بڑے زور سے مخالفت کی،لیکن آخر سب کو سچے مولا کے سامنے سر جھکا دینا پڑا۔

مساوات

عربوں میں خاندان کا گھمنڈ اور نسب کا غرور حد سے بڑھا ہوا تھا۔ ہر قبیلے کے لوگ اپنے قبیلے کے سوا ساری دنیا کی قوموں کو ہیچ جانتے اور عرب کے دوسرے قبیلوں کو اپنا دشمن سمجھتے تھے۔ بھاٹ اور شاعر اپنے اپنے قبیلہ کے بہادروں کی بہادری کے افسانے سنا کر لوگوں کے دلوں کو گرماتے اور برماتے رہتے تھے۔اپنے خاندان کی بڑائی اور دوسرے خاندانوں کی برائی بیان کرنا شیخیاں اور لافیں مارنا ،دوسرے قبیلوں اور بہو بیٹیوں پر جھوٹی تہمتیں لگانا ان کا دن رات کا کام تھا۔یہ شعر جن میں کسی قبیلہ کی برائی بیان کی جاتی تھی۔ عام محفلوں میں پڑھے جاتے تھے۔اور سب انہیں سن سن کر ہنستے اور قہقہے لگاتے تھے۔ان شاعروں کے الفاظ تیروں اور تلواروں سے زیادہ خطرناک تھے۔انہیں باتوں سے تو تکرار تک نوبت پہنچتی تھی ۔اور نیام سے تلواریں نکل آتی تھیں۔

خاندان کی شرافت کے اس گھمنڈ نے عربوں کے قبیلوں میں کبھی اتحاد نہیں ہونے دیا۔اور وہ کسی کا حکم ماننے کو ہمیشہ اپنے خاندان کی ذلت سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ حیرہ کے ایک بادشاہ نے جس کا نام ابو ہند تھا۔عرب کے بعض قبیلوں کا اپنا مال و دولت

دے کر اپنا فرماں بردار بنالیا۔ اسے اپنی اس کامیابی پر بہت غرور تھا۔ ایک دن طبیعت لہرائی اور اپنے درباریوں سے پوچھنے لگا، کیا عرب میں کوئی ایسا شخص ہے، جس کی ماں کو میری ماں کی خدمت کرنے سے انکار ہو۔ انہوں نے کہا ہاں،'' پوچھا وہ کون ہے؟۔ وہ کہنے لگے ''قبیلہ تغلب کا شاعر عمرو بن کلثوم''

یہ سن کر ابو ہند نے عمرو بن کلثوم اور اس کی ماں کو دعوت کے بہانے بلایا۔ بادشاہ اور بادشاہ کی بیگمات کے خیمے پاس پاس تھے۔ عمرو نے ماں کو تو بیگمات کے خیمے میں بھیج دیا اور خود ابو ہند کے خیمے میں ٹھہرا۔ ادھر بادشاہ کی ماں نے باتیں کرتے کرتے عمرو کی ماں سے کہا کہ بڑی بی ذرا فلاں چیز اٹھا دینا۔ یہ سن کر بڑھیا نے چیخ ماری اور کہا کہ ہائے قبیلہ تغلب کی ذلت عمرو بن کلثوم نے یہ آواز سنی تو تلوار نیام سے کھینچ لی اور ایک ہی وار میں ابو ہند کا سر تن سے جدا کر دیا۔

اسلام کا یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے اونچ نیچ کو بالکل مٹا ڈالا۔ اور سارے مسلمان بھائی بھائی ہو گئے۔ تمہیں یاد ہے کہ جب مسلمان مکہ چھوڑ کر مدینہ گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایک انصاری اور ایک ایک مہاجر کو کس طرح بھائی بھائی بنا دیا تھا اور یہ بھائی چارہ ہمیشہ قائم رہا۔ اور انصار اور مہاجرین ایک دوسرے کو ماں جائے بھائی سمجھتے رہے۔

زید بن حارثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے۔ آپؐ نے انہیں آزاد کر کے مکہ کے سردار عبدالمطلب کی نواسی اور اپنی پھوپھی کی لڑکی زینب سے ان کا بیاہ

کر دیا۔موتہ کی جنگ میں یہی زید بن حارثہ اسلامی لشکر کے سالار تھے۔اور عرب کے بڑے بڑے رئیس اور سردار جن کی شرافت کی سارے عرب میں دھوم تھی۔ ان کے ماتحت تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات سے چند روز پیشتر شام کی سرحد کی جانب ایک اور لشکر بھیجا۔جس کی سرداری زید بن حارثہ کے نوعمر فرزند اسامہ کو بخشی۔حضرت عمرؓ اور کئی بڑے بڑے صحابی اس فوج میں سپاہی کی حیثیت سے شامل تھے۔

حجۃ الوداع کے موقعہ پر آپ نے جو خطبہ ارشاد فرمایا، اس میں خاندان کے غرور اور بڑائی کی برائی یہ کہہ کر بیان کی گئی ہے کہ "سارے انسان آدم کی اولاد ہے اور آدم مٹی سے بنے ہیں"۔

عرب کے لوگوں کو اپنی شرافت پر جو گھمنڈ تھا۔اس کا ذکر تم پڑھ چکے ہو۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہدایت سے یہ گھمنڈ اس طرح ٹوٹا کہ اونچ نیچ کی تمیز بالکل اٹھ گئی۔

حضرت بلال حبشی غلام تھے۔لیکن اسلام کے نور نے ان کی پیشانی کو نورانی کر رکھا تھا۔

انہوں نے جب شادی کا ارادہ کیا تو عرب کے بڑے بڑے سردار جنہیں اپنے گھرانوں کی شرافت پر ناز تھا، یہ کہتے تھے کاش یہ عزت ہمیں حاصل ہو۔

اصل میں عربوں کا یہی فخر اور غرور ان میں ایکا نہیں ہونے دیتا تھا۔اس کے مٹتے

ہی قبیلے اور گھرانوں کے پرانے جھگڑے بھی مٹ گئے۔ اور وہ سب یک دل ہو گئے۔

یا تو یہ حال تھا کہ کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلے کے ماتحت رہنے کو اپنی ذلت سمجھتا تھا۔ یا یہ عالم نظر آیا کہ ایک غلام کو بڑے بڑے سرکش قبیلوں کا سردار مقرر کیا جاتا تھا، تو ان کی اکڑی ہوئی گردنیں اس کے سامنے جھک جاتی تھیں۔

اسلام کے ارکان

اسلام کے ارکان پانچ ہیں۔ کلمہ، نماز، روزہ، حج اور زکواۃ۔

عرب کے لوگوں میں آزادی کی ہوا اس طرح سائی ہوئی تھی کہ پابندی سے کوئی کام نہیں کر سکتے تھے۔ کہیں چند بے فکرے مل بیٹھتے تو شراب کا دور چلتا یا جوا کھیلتے۔ اس شغل سے طبیعت اکتائی تو سیر وشکار میں جی بہلاتے یا آپس میں لڑتے بھڑتے، شہہ سواری اور تیغ زنی کے جوہر دکھاتے، لیکن اسلام قبول کرتے ہی یہ سب باتیں خواب وخیال ہو گئیں۔ خدا کی سچائی کے اقرار نے دلوں کو یقین کے نور سے بھر دیا۔ طبیعت اپنے آپ برائیوں سے ہٹ گئی۔ نماز سے پابندی کی عادت پڑی۔ خدا کے سامنے گردنیں اس طرح جھکیں کہ کسی دوسرے کے سامنے نہ جھک سکیں۔ روزہ سے بھوک پیاس کی سختی اٹھانا، اور دلوں کو معرفت کے نور سے جگمگانا سیکھا۔ اور سچے خدا کی عبادت کے ان طریقوں میں ایسا لطف آیا کہ دنیا کی ساری نعمتوں کو بھول گئے۔

خوش حال لوگوں پر یہ فرض ہے کہ اپنی آمدنی کا ایک حصہ اپنے نادار اور مفلس

بھائیوں کی مدد کے لئے دیا کریں اسے زکواۃ کہتے ہیں۔اسی طرح وہی دولت جو عیش وعشرت پر خرچ ہوتی تھی اپنے بھائیوں کی مدد پر خرچ ہونے لگی۔کوئی بھوکا ننگا نہ رہا۔

عرب حضرت ابراہیم کے زمانے سے برابر حج کیا کرتے تھے۔لیکن جب سے انہوں نے بتوں کی پوجا شروع کی، حج کی رسموں مین بھی ایسی بہت سی رسمیں اور ریتیں شامل ہوگئی تھیں، جن سے شرک کی بو آتی تھی۔آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حج کو ان رسموں سے پاک کیا۔دور دور سے مسلمان عرفات کے میدان میں جمع ہو کر خدا کی عبادت کے ساتھ ساتھ آپس میں میل جول پیدا کرنے کا دکھ، سکھ ،سن کر مدد کے طریقے سوچنے لگے۔

جہاد

اسلام نے جہاد کی بڑی تاکید کی ہے۔لیکن جہاد لڑنے بھڑنے ہی کا نام نہیں، بلکہ خدا کا نام بلند کرنے کے لئے ہر قسم کی کوشش کرنا اور سختیاں اٹھانا جہاد ہے۔

آنخضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو لڑائیاں لڑیں، ان کا مقصد یہ تھا کہ مظلوموں کو ظلم سے بچایا جائے، عرب کے لوگ جب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے لڑائی بھڑائی کو جی بہلانے کا ایک طریقہ سمجھتے تھے۔لیکن آپؐ نے اس طرح خون بہانے کی ممانعت کردی۔ہاں جب ظالموں نے کمزوروں کو ستایا اوران کا خون بہایا تو آپؐ نے بھی امن قائم کرنے کے لئے ان سے لڑنے کا حکم دیا۔لیکن یہ لڑائی نہیں بلکہ

ایک طرح کی عبادت تھی۔ کیونکہ مسلمان لوٹ مار کے لئے نہیں، بلکہ دنیا کو فساد سے پاک کرنے اور انسانوں کو ان کا حق دلانے کے لئے لڑتے تھے۔

نماز اور جہاد کے طریقے آپس میں بہت ملتے جلتے ہیں۔ نماز میں اٹھتے بیٹھتے، اللہ اکبر اور سبحان ربی الاعلی کہنے کا حکم ہے۔ جہاد کا بھی یہ انداز ہوا کرتا تھا۔ مسلمانوں کی فوج لڑتے وقت چڑھائیاں چڑھتی تو تین دفعہ اللہ اکبر کہتی تھی اور اتار آتا تھا تو سبحان ربی الاعلی کے نعرے دشمنوں کے دلوں کو ہلا دیتے تھے۔ گھمسان کی لڑائی میں نماز کا وقت آجاتا تو فوج کا ایک حصہ دشمن کو روکتا اور دوسرا نماز کے لئے صفیں باندھتا۔ فوج کا سردار امام بنتا اور وہیں جنگ کے میدان میں تیروں اور تلواروں کے سائے تلے نماز پڑھی جاتی۔ یہ لوگ نماز سے فارغ ہوکر دشمن کی طرف بڑھتے، اور فوج کا دوسرا حصہ ہٹ کر نماز ادا کر لیتا تھا۔

جہاد میں بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے، لوٹنے مارنے، دشمنوں کی کھیتی باڑی کو اور باغوں کو ویران کرنے کی اجازت نہیں تھی۔ جو لوگ جنگوں میں گرفتار ہوتے، ان سے بہت اچھا سلوک کیا جاتا تھا۔ مسلمان خود کھجوریں کھا کر گزارہ کرتے اور گھر میں جو کچھ پکتا وہ قیدی کے سامنے لا کر رکھ دیتے تھے۔

عورتیں

اسلام سے پہلے عورتوں کی حالت بہت خراب تھی، انہیں باپ کی جائیداد سے حصہ نہیں ملتا تھا۔لوگ جتنی عورتوں سے چاہتے بیاہ کر لیتے تھے، اور جب چاہتے الگ ہو جاتے تھے۔لیکن اسلام نے عورتوں کا رتبہ بڑھایا، بیاہ اور طلاق کے قاعدے اور شرطیں مقرر کیں۔وراثت کا نیا قانون مقرر ہوا۔اورعورتوں کو بھی جائیداد میں حصہ ملنے لگا۔

ہندوستان کی طرح عرب میں بھی بیوہ سے اچھا سلوک نہیں کیا جاتا تھا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کئی بیوہ عورتوں سے نکاح کرکے عرب کے اس پرانے دستور کو توڑا، آپ عورتوں کے ساتھ بڑی شفقت سے پیش آتے، ان کی شکایتیں سنتے اورانہیں دور کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ان باتوں نے عربوں کے دلوں پر بڑا اثر کیا۔اوروہ یہ نکتہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ گھروں کی رونق انہی ماؤں، بہنوں اور بہو، بیٹیوں کے دم سے ہے۔قرآن میں ماؤں اور بیویوں کے رتبہ کا ذکر الگ الگ آیا ہے۔ایک جگہ فرمایا ہے کہ جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔دوسری جگہ شادی، بیاہ اورمیاں بیوی دونوں کی حیثیت اور مرتبہ کا ذکر کیا ہے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتیں مردوں کی عزت وآبرو اور مرد عورتوں کا گہنا اور سنگار ہیں۔

لونڈی اور غلام

پرانے زمانے میں قاعدہ تھا کہ جنگوں میں جو لوگ قید ہوتے تھے، انہیں لونڈی ،غلام بنا کر بیچ ڈالا جاتا تھا۔اور ان پر ایسے ایسے ظلم کیے جاتے تھے کہ دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ان کی حالت ایسی سدھری کہ آزاد لوگوں اور غلاموں میں کوئی فرق نہ رہا۔ اسلام میں لونڈی، غلاموں کو آزاد کرنا بڑے ثواب کا کام ہے۔مسلمان غلام اور لونڈیوں کو خرید کر انہیں آزاد کر دیتے تھے۔بعض لوگ لونڈیوں سے بیاہ کرکے سارا گھر بار انہیں سونپ دیتے تھے۔اور غلام گھروں میں بیٹوں کی طرح رہتے تھے۔تم آگے چل کر پڑھو گے کہ انہیں غلاموں میں اکثر صوبوں کے گورنر اور خودمختار شاہ وشہریار بنے اور لونڈیاں باندیاں شہزادوں کی مائیں کہلائیں۔

حجۃ الوداع کا خطبہ تمہیں یاد ہے اس میں جہاں عورتوں سے نیک سلوک کرنے کا ذکر آیا ہے۔وہاں لونڈی، غلاموں کے متعلق حکم ہوا ہے کہ جو خود کھاؤ، انہیں کھلاؤ اور جو خود پہنو، انہیں پہناؤ۔مسلمان ہمیشہ اس حکم کی پابندی کرتے رہے۔ جو شخص غلاموں سے برا سلوک کرتا اسے سخت سزا دی جاتی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کا ایسا خیال تھا کہ آخری وقت بھی آپ کی زبان پر یہی الفاظ تھے۔ نماز، نماز، لونڈی، غلام۔

ان باتوں کے علاوہ آپ نے لوگوں کو ہمدردی، اور رحم دلی، اور حلم وایثار کی تلقین فرمائی۔یتیموں سے برا سلوک کرنے، دوسروں کا حق چھیننے، چوری اور لوٹ مار کرنے، سود لینے یا دینے، شراب پینے، جوا کھیلنے کی سخت ممانعت کی۔اسی طرح اسلام نے زندگی کی ساری ضرورتوں کے متعلق ایسے آئین باندھے، ایسے قاعدے مقرر کیے ،جن سے دنیا بالکل بے خبر تھی۔قرآن میں جو دانائی کا انمول خزانہ ہے۔یہ سب اصول اور قاعدے بیان کیے گئے ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام حکموں پر خود عمل کرتے اور دوسروں کو ان پر عمل کرنے کی نصیحت فرماتے تھے۔چنانچہ آپ کی زندگی قرآن کی تعلیم کا سچا نمونہ تھی۔جن لوگوں کو آپ کی خدمت میں رہنے کا موقع ملا تھا۔وہ ہر بات میں آپ کی پیروی کرتے اور آپ جو کچھ فرماتے اسے کان کھول کر سنتے تھے۔اور دلوں پر نقش کر لیتے تھے۔بعض لوگ ایسے بھی تھے جو ان باتوں کو لکھ لیا کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے ساتھی سب سے زیادہ عزت کے قابل سمجھے جاتے ہیں۔ان بزرگوں کی صحبت کے فیض اور ھدایت کے اثر سے دوسرے لوگوں نے اسلام کے اصولوں پر عمل کرنا سیکھا اور سارے مسلمانوں کی زندگی ایک سانچے میں ڈھل گئی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کے آخری سال تک سارے عرب میں امن ہو گیا۔چوری چکاری، لوٹ مار کا ڈر جاتا رہا۔لوگ دور دور کا سفر بے کھٹکے کرنے لگے۔پرانے فساد اور کینے مٹ گئے۔اور آپس کا میل ملاپ ایسا بڑھا کہ جن

خاندانوں میں پرانی دشمنیاں چلی آتی تھیں۔وہ ایک دوسرے پر جانیں نثار کرنے لگے۔طبیعتوں کا اکھڑپن جاتا رہا۔بری عادتیں اور وحشیانہ رسمیں نام کو باقی نہ رہیں۔ ساتھ ہی خوش حالی اور برکت کا ایسا زمانہ آیا کہ روپوں اور اشرفیوں کا مینہ برسا۔سونے چاندی کے ڈھیر لگ گئے۔اور ملک میں کوئی بھوکا ننگا نہ رہا۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

چھٹا باب

حضرت ابوبکر صدیقؓ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف اللہ کے نبیؑ ہی نہیں، بلکہ مسلمانوں کے سردار بھی تھے۔ آپؐ کی وفات کے ساتھ نبوت تو ختم ہو گئی۔ اب سوال یہ تھا کہ مسلمانوں کی سرداری کا بوجھ کون اٹھائے؟۔ آخر مسلمانوں نے بڑی سوچ بچار کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کو آپؐ کا خلیفہ یعنی جانشین مقرر کیا۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نام عبداللہ تھا۔ والد کا نام ابو قحافہ تھا۔ اور قبیلہ قریش کی ایک شاخ بنی تمیم میں سے تھے۔ اسلام قبول کرنے سے پہلے انہوں نے اپنی شرافت اور نیکی کی وجہ سے قریش میں عزت اور شہرت حاصل کر لی تھی۔ مکہ میں ان کی پرہیز گاری کی دھوم تھی۔ اور چھوٹے بڑے سب ان کی عزت کرتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن کے ساتھی اور رفیق تھے۔ جوانی میں یہ میل ملاپ اور بڑھا۔ جن چار شخصیتوں نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا ان میں سے ایک یہ بھی تھے۔

ہجرت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ آئے اور سارے

معرکوں میں ساتھ ساتھ رہے۔ان کی صاحبزادی حضرت عائشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیاہی ہوئی تھیں۔گویا وہ آپؐ کے خسر بھی تھے اور دوست بھی۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تبوک روانہ ہونے لگے تو مسلمانوں نے اپنی بساط کے مطابق جنگ کے لئے چندہ دیا۔لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جو کچھ تھا،سب لاکر حاضر کر دیا۔حضور نے پوچھا کہ ابوبکر بال بچوں کے لئے کیا رکھا تو عرض کیا،اللہ اور اس کا رسولؐ۔

شام کی سرحد پر حملہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں ہی رومیوں سے چھیڑ چھاڑ شروع ہوگئی تھی۔ایک مرتبہ خبر آئی کہ رومیوں کے لشکر نے صحرائے عرب کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔مسلمانوں نے بڑھ کر موتہ کے مقام پر مقابلہ کیا۔اور خالد بن ولید جان پر کھیل کر مسلمانوں کے لشکر کو موت کے منہ سے نکال لائے۔پھر افواہ مشہور ہوئی کہ روم اور شام کی سرحد کے عیسائی عرب مدینہ کی طرف بڑھے چلے آرہے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود مقابلہ کو نکلے اور تبوک تک پہنچ کر واپس لوٹے۔لیکن عیسائیوں کی نیتوں میں فتور تھا۔وہ برابر عرب پر حملہ کرنے کے منصوبے باندھ رہے تھے۔آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شام پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا اور حضرت اسامہ بن زید کو اس لشکر کا سردار مقرر کیا۔لیکن ابھی یہ فوج روانہ

نہیں ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتقال ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ہی یہ خبریں آنے لگیں کہ عرب کے بعض نومسلم قبائل سرکشی پر آمادہ ہیں اور کچھ لوگوں نے زکواۃ دینے سے انکار کر دیا ہے۔ بعض پاکھنڈی جن کے دماغ میں بادشاہت کی ہوا سائی ہوئی تھی ۔ نبی بن بیٹھے۔ انہوں نے بڑے بڑے پاکھنڈ باندھے اور ایک عالم کو گمراہ کرنے لگے۔ مسلمانوں کے لئے یہ بڑا نازک موقع تھا۔ بعض صحابہؓ نے مشورہ دیا کہ حضرت اسامہ کو روک دیا جائے ،تاکہ مدینہ پر حملہ ہو تو ہم اطمینان کے ساتھ مقابلہ کریں۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ جس لشکر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روم اور شام کی سرحد پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ میں اسے کیسے روک سکتا ہوں ۔ یہ سن کر سب خاموش ہو گئے۔

حضرت اسامہ زید بن حارثہ کے بیٹے تھے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام تھے۔ اس کے علاوہ ان کی عمر بھی سترہ سال کی تھی ۔ اس لئے کچھ لوگوں نے کہا کہ اگر آپ بھیجنا ہی چاہتے ہیں تو اسامہ کی جگہ کسی اونچے گھرانے کے تجربہ کار شخص کو جو ایسے معرکے دیکھ چکا ہو سپہ سالار مقرر کیجیے ۔ یہ سن کر حضرت ابوبکر کو غصہ آ گیا اور انہوں نے فرمایا کہ یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟۔ جس شخص کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لشکر کا سردار بنایا ، اسے کون برطرف کر سکتا ہے۔

غرض حضرت اسامہ نے کوچ کیا۔ حضرت ابوبکر دور تک انہیں چھوڑنے گئے۔

اسامہ گھوڑے پر سوار تھے اور حضرت ابو بکرؓ ان کے ساتھ پیدل جا رہے تھے۔ اسامہؓ نے عرض کی کہ یا تو آپ خود گھوڑے پر بیٹھ جائیں یا مجھے نیچے اترنے کی اجازت دیں۔ فرمانے لگے نہ تو میں خود سوار ہوں گا اور نہ ہی تمہیں نیچے اترنے کی اجازت دوں گا۔

اسلامی لشکر رخصت ہونے لگا تو حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا "لوگو ذرا ٹھہر جاؤ میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں، اسے اچھی طرح پلے باندھ لو، خیانت نہ کرنا، مال نہ چھپانا، بے وفائی سے بچنا، لڑائی میں کسی کے اعضا نہ کاٹنا۔ بوڑھوں، بچوں اور عورتوں پر تلوار نہ اٹھانا۔ پھل والے درختوں کو نہ کاٹنا۔ جو لوگ خانقاہوں میں بیٹھے عبادت کر رہے ہوں، انہیں نہ چھیڑنا۔

اس لشکر نے شام کی سرحد پر کئی حملے کیے۔ اور دشمنوں کے دلوں پر مسلمانوں کی شجاعت کا سکہ بٹھا کر واپس آ گیا۔

ارتداد کا فتنہ

اب ان لوگوں کی طرف توجہ ہوئی، جنہوں نے **ملک** کے اندر فساد اٹھا رکھا تھا۔ کچھ لوگ جن کے دلوں پر دنیا کے مال و دولت کی حرص غالب تھی، کہتے تھے کہ ہم نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے کو تیار ہیں، لیکن زکواۃ ادا نہیں کریں گے۔ بعض صحابیوں نے حضرت ابو بکر کو مشورہ دیا کہ اس کڑے وقت میں جب کہ یمن اور نجد کے اکثر قبیلے قابو

سے باہر ہو رہے ہیں، ان لوگوں سے نرمی برتنا چاہیئے، لیکن انہوں نے نہ مانا اور کہنے لگے کہ دین میں گھٹانا بڑھانا کسی کے اختیار میں نہیں ہے۔ جب تک یہ لوگ زکواۃ نہیں دیں گے، میں برابر جہاد کرتا رہوں گا۔ تمہیں اگر میرا ساتھ دینا منظور نہیں تو جب تک میرے جسم میں جان ہے میں اکیلا ہی ان سب سے لڑتا رہوں گا۔ یہ کہہ کر خود مدینہ سے نکلے، سارے بڑے بڑے صحابی جنہوں نے بدر و حنین کے معرکوں میں تلواریں مار کر اپنی شجاعت کی دھاک سارے عرب میں بٹھا دی تھی۔ ان کے ساتھ تھے، دو، تین معرکے بڑے زور کے ہوئے، جن میں حضرت ابو بکرؓ کی بہادری اور تدبر نے سرکشوں کو نیچا دکھایا، پھر مدینہ واپس آئے اور گیارہ سرداروں کو فوج دے کر سرحدی علاقوں کی طرف جہاں فسادیوں کا زور تھا، بھیجا۔

بنی تمیم عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے۔ اس کے سرداروں نے زکواۃ دینے سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت خالد بن ولید جنہیں حضورؐ نے سیف اللہ کا خطاب دیا تھا۔ (یعنی اللہ کی تلوار)، ان کی طرف بڑھے۔ بنی تمیم کو جب یہ خبر پہنچی تو بہت گھبرائے اور اپنے خیالات سے توبہ کی۔ کچھ لوگ جو مقابلہ پر برابر اڑے رہے تھے، مارے گئے۔ یمن کے علاقے میں ایک شخص نے جس کا نام مسلیمہ تھا، مکر کا جال پھیلا رکھا تھا۔ وہ اپنے آپ کو خدا کا پیغمبر کہتا تھا۔ اس نے ادھر ادھر کے چند فقرے جوڑ لیے تھے، جنہیں لوگوں کے سامنے پڑھ کر کہا کرتا تھا کہ یہ اللہ کا کلام ہے، جو مجھ پر اترا ہے۔ سچے مسلمان تو ایسے پاکھنڈیوں کی باتوں میں کب آتے تھے۔ ہاں بعض نومسلم قبیلے جو ابھی

اچھی طرح اسلام کی تعلیم سے واقف نہیں ہوئے تھے۔اس کے ساتھ مل گئے۔انہیں دنوں سجاح نام کی ایک عورت نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اپنے قبیلہ کی مدد کے بھروسے پر مدینہ کی طرف بڑھی چلی آرہی تھی۔راستے میں مسیلمہ سے اس کی مڈبھیڑ ہوگئی۔مسیلمہ بڑا کائیاں تھا۔اس نے جب دیکھا کہ سجاح کی فوج پر فتح پانا دشوار ہے تو وہ دوسری چال چلا، یعنی محبت کا جال بچھایا اور سجاح سے بیاہ رچایا۔وہ آخر عورت ذات تھی، چال چوکی اور وہ اس کی باتوں میں آگئی۔اس طرح مسیلمہ نے سجاح کی فوج کے بہت سے آدمیوں کو اپنے ساتھ ملالیا۔اور اسے وطن واپس بھیج دیا۔

اس واقعہ سے مسیلمہ کی ہوا بندھ گئی۔اتفاق سے ایک معرکے میں مسلمانوں کی فوج نے مسیلمہ سے شکست کھائی اور اس کا زور ایسا بڑھا کہ چالیس ہزار تلواریوں کا لشکر اپنے جھنڈے تلے جمع کرلیا۔آخر یمامہ کے میدان میں حضرت خالد بن ولید کے ساتھ مسیلمہ کا سامنا ہوا۔اس کے ساتھیوں نے بڑی بے جگری کے ساتھ مسلمانوں کا مقابلہ کیا۔ابتدا میں مسیلمہ کا پلہ بھاری نظر آتا تھا۔اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسلمانوں کے قدم کوئی دم میں اکھڑ جائیں گے۔ادھر کے چند بہادروں نے یہ دیکھا تو گھوڑے اڑائے اور مسیلمہ کی فوج کے قلب میں پہنچ کر ایسا حملہ کیا کہ نیزے دشمنوں کے سینے کے آر پار ہو گئے۔ان کی یہ شجاعت دیکھ کر اسلامی لشکر اس زور سے دہنے بائیں آگرا کہ چالیس ہزار کا دل بادل ہوا ہوگیا۔مسیلمہ لشکر کے بیچوں بیچ کھڑا بہادروں کا دل بڑھا رہا تھا۔یہ عالم دیکھ کر گھبرایا، آخر جی نے کہا اس وقت نکل چلو، پھر دیکھا جائے

گا۔لیکن حبشی غلام وحشی نے جس نے احد کے معرکہ میں حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا، اس کی تاک میں تھا، وحشی نے حربہ پھینکا، مسیلمہ تڑپ کر گرا اور ٹھنڈا ہو گیا۔ اس کے ساتھیوں نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لی، لیکن آخر تنگ آکر ہتھیار ڈال دیئے اور جان کی امان پائی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات سے کچھ دن پہلے یمن کے ایک سردار نے بھی نبوت کا دعویٰ کر کے سر اٹھایا تھا، لیکن ایک شخص نے اسے قتل کر ڈالا۔ بنی اسد کے ایک سردار طلیحہ نے بھی نجد میں بڑا فتنہ برپا کیا تھا، لیکن حضرت خالد بن ولید کے ہاتھوں شکست کھائی، مدتوں بھاگا بھاگا پھرا، آخر جب کہیں سر چھپانے کا موقع نہ ملا تو مدینہ پہنچ کر توبہ کی اور سچے دل سے مسلمان ہو گیا، طلیحہ بڑا بہادر سپاہی تھا۔ شام اور ایران کے معرکوں میں اس کی ہمت اور جوانمردی کے جوہر کھلے، یہ ذکر آگے آئے گا۔

روم اور ایران پر حملے

تم پڑھ چکے ہو کہ اس وقت عرب کے دونوں بازوؤں پر دو سلطنتیں تھیں۔ ایک طرف ایران اور دوسری طرف روم۔ ان دونوں سلطنتوں میں بڑے بڑے معرکے ہوتے رہے تھے۔ ایک مرتبہ ایرانی روم کے عیسائیوں کو ہٹاتے ان کے ملک میں گھس گئے اور شہروں اور قصبوں کو روندتے۔ فتح کا غبار اڑاتے یروشلم تک جا پہنچے۔ کچھ عرصہ بعد قیصر روم نے اس شکست کا بدلہ لیا۔ یعنی بڑا لاؤ لشکر لے کر ایران پر چڑھ

آیا۔ اصفہان تک سارے ملک کو پامال کر کے فتح کے شادیانے بجاتا ہوا لوٹا۔

حضرت ابو بکرؓ عرب کو سارے فتنوں سے پاک کر چکے تو ان دونوں سلطنتوں نے جن کی قوت اور طاقت کی دھاک چار کوٹ بیٹھی ہوئی تھی۔ لڑائی چھیڑی اور راور ایسی چھیڑی کہ جب تک ایران اور روم کی حکومتوں کا صفایا نہیں ہو گیا، مسلمانوں کی تلواروں نے دم نہیں لیا۔ روم سے تو پہلے ہی چھیڑ چھاڑ شروع تھی۔ عیسائی بڑھ کر موتہ تک آ چکے تھے۔ اور مسلمان شام کی سرحد تک جا چکے تھے۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں مسلمان ایران سے بھی جا بھڑے، تمہیں یاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط جب خسرو پرویز کے پاس پہنچا تو اس نے طاقت کے گھمنڈ اور بادشاہت کے غرور میں اسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ اور اپنے ایک گورنر کو حکم بھیجا کہ مدینہ پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو گرفتار کر لے۔ لیکن خدا کی قدرت کہ جس دن اس نے یہ گستاخی کی، اسی رات کو اس کے بیٹے نے اسے قتل کر ڈالا۔ اور ایرانی گھر کے جھگڑوں میں ایسے الجھے کہ انہیں عرب کی طرف بڑھنے کا موقع ہی نہ ملا۔

حضرت خالد بن ولید ابھی یمامہ ہی میں تھے کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کا قاصد ایران پر چڑھائی کرنے کا حکم لے کر پہنچا، اس زمانے میں عراق کا سرسبز علاقہ ایرانیوں کے قبضے میں تھا۔ اور ایران کی حکومت کا ڈانڈا عرب سے جا ملتا تھا۔ خالد بن ولید یہ حکم پا کر پہلے عراق کی طرف بڑھے اور خلیج فارس تک کا سارا علاقہ فتح کر لیا۔

عرب میں جب یہ خبریں مشہور ہوئیں کہ روم اور ایران پر اسلامی لشکر بڑھ رہا ہے

۔تو جہاد کے شوق میں خلقت ٹوٹ پڑی۔حجاز،نجد،اور یمن کے قبیلے اصیل گھوڑوں پر سوار زرہیں پہنے،کمانیں لگائے،ترکش پشت پر ڈالے،نیزے اور تلواریں سجائے،دلوں کو گرمانے اور لہو کو جوش میں لانے والے شعر پڑھتے آئے اور مدینے سے باہر اترے۔روز کوئی نہ کوئی قبیلہ نئی سج دھج سے آتا اور اسلامی لشکر میں شامل ہو جاتا تھا۔جب اچھی خاصی فوج جمع ہو چکی تو حضرت ابو بکرؓ نے اس کے چار حصے کیے اور ہر حصہ پر ایک مشہور شہہ سوار کو افسر مقرر کیا۔اور فلسطین سے شام تک فوجیں پھیلا دیں۔ان معرکوں کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔پہلے عراق کی فتح اور خالد بن ولید کی جان بازیوں کا حال سنو۔جن کے سامنے رستم اور اسفندیار کی کہانی ہیچ معلوم ہوتی ہے۔

عراق کے معرکے

جب مسلمانوں نے عراق کی طرف رخ کیا تو ایران کے تخت پر خسرو پرویز کے خاندان کی ایک شہزادی آزری وخت بیٹھی ہوئی تھی۔اور عراق کی سرحد کا حاکم ہرمز تھا۔
خالد بن ولید نے اسے پیغام بھیجا کہ یا اسلام قبول کرو یا جزیہ دو ورنہ ہم آتے ہیں۔
ہرمز کو یہ پیغام پہنچا تو شاہی دربار میں عرضی بھیجی گئی کہ کچھ بھوکے ننگے عرب نہ جانے کیا سمجھ کر عراق کی طرف بڑھتے چلے آتے ہیں۔میں انہیں بڑھ کر روکتا ہوں سرکار کے اقبال سے ایسی سزا دوں گا کہ پھر کبھی ادھر رخ کرنے کی جرات نہیں ہو

گی۔ یہ عرضی بھیج کر اس شان سے چلا کہ پچاس، ساٹھ ہزار سپاہی جنہوں نے روم کے معرکوں میں اپنی ہمت کے جھنڈے گاڑ دیئے تھے۔ سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبے، سروں پر فولادی خود دھرے، چار آئینے سجائے، کمر میں اصفہانی تلواریں، ہاتھ میں نیزے، پشت پر تیر کش، اور ان کے ساتھ گینڈے کی ڈھالیں، گلوں میں کمانیں لٹکائے عراقی گھوڑوں پر سوار تھے۔ اس لشکر کے بیچوں بیچ ہرمز یاقوت اور لال کے کنٹھے اور موتیوں کی مالا پہنے، سر پر تاج دھرے سر سے پاؤں تک اونچی بنا ہوا غلاموں کے جھرمٹ میں چلا آتا تھا۔ اس کے تاج میں ہیرے پنوں کے ایسے ایسے نگینے جڑے تھے کہ جن پر آنکھ نہیں ٹھہرتی تھی۔

یہ لوگ صحرائے عرب کے کنارے پہنچے اور ایک جگہ جہاں شفاف چشمے درختوں کے سائے میں موج مار رہے تھے۔ ڈیرے ڈال دیئے۔ ابھی کمریں کھول کر اچھی طرح آسودہ بھی نہیں ہوئے تھے کہ صحرا سے گرد اڑی اور مسلمانوں کا لشکر دکھائی دیا۔ ایرانی مسلمانوں کی بے سروسامانی پر ہنستے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ جن کے پاس پورے ہتھیار تک نہیں، ہم سے کیا لڑیں گے؟۔ حضرت خالد بن ولید نے کچھ دور ہٹ کر لشکر اتارا۔ رات جنگ کی تیاریوں میں گزر گئی۔ جب صبح کے وقت پچھم سے سورج کا سرخ پھریرا لہرایا، تو دونوں لشکروں نے صفیں باندھیں۔ ایرانی لشکر مسلمانوں کی فوج سے چوکنا تھا۔ ہرمز نے فوج کے ایک دستہ کو جس میں عراق کے بڑے بڑے سورما شامل تھے۔ زنجیروں سے جکڑ دیا تھا۔ تاکہ میدان سے بھاگ نہ سکیں۔ اس لئے اس جنگ کو

جنگ سلاسل یعنی زنجیروں والی لڑائی کہتے ہیں۔

صفیں آراستہ ہوچکیں تو حضرت خالد نے صف سے گھوڑا نکالا اور اسے ایڑ بتا کر ملک مارنے میں فوج کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہو آئے، پھر میدان کے درمیان کھڑے ہوکر ایسی تقریر کی کہ مسلمانوں کی رگوں میں شجاعت کا خون لہریں لینے لگا۔ ادھر ہرمز نے بھی اپنے باپ دادا کے کارنامے یاد دلا کر سپاہیوں کے دل بڑھائے۔ اور دونوں لشکر مل گئے۔ مسلمانوں نے دشمنوں کو نیزوں کی سنان پر روکا، اور پھر گھوڑوں کو ڈپٹ کر ایسا حملہ کیا کہ ایرانیوں کے قدم میدان سے ہٹنے لگے۔ ہرمز نے لشکر کو سنبھالا اور میدان میں بڑھ کر پکارا کہ خلقت کا خون کرنے سے کیا فائدہ؟۔ مسلمانوں کا سردار میرے مقابلے میں آ کر ذرا اصفہانی تلوار کی کاٹ دیکھے۔ اس مقابلہ میں جو ور رہا، اسی کی جیت ہوگی۔

حضرت خالد بن ولید گھوڑا اڑا کر میدان میں پہنچے۔ ہرمز کی نیت میں فتور تھا۔ اس نے کچھ آدمی گھات میں لگا رکھے تھے کہ اگر مسلمانوں کے سردار کو غالب پائیں تو ٹوٹ پڑیں۔ اب دونوں گھوڑوں سے اترے، تلواریں میانوں سے نکلیں اور ناگنوں کی طرح گتھ گئیں۔

حضرت خالد بن ولید نے الجھاوے سے ہاتھ نکال کر تلوار کا وار کیا، لیکن ان کی تلوار ہرمز کی زرہ پر پڑ کر اچٹ گئی۔ اب ہرمز نے اس زور کا وار کیا کہ اگر حضرت خالد بن ولید زرہ نہ پہنے ہوتے تو جان نہ بچتی۔ انہوں نے تلوار پھینک کر ہرمز کو کمر سے پکڑ

کر زمین سے اٹھالیا۔ یہ دیکھکر وہ سوار جو گھات میں بیٹھے ہوئے تھے، آپڑے، ادھر سے قعقاع بن عمرو نے جو قبیلہ تمیم کے نامور شہسوار تھے۔ چند سواروں کے ساتھ انہیں روکا، لیکن حضرت خالد بن ولید نے ہرمز کو زمین پر دے مارا۔ اور تلوار سے اس کا سر کاٹ دیا۔ اور میدان میں پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر ایرانیوں کے ہوش اڑ گئے۔ لیکن افسروں نے لشکر کو سنبھالا اور نقارے بجاتے مسلمانوں پر آ پڑے۔ لوہے سے لوہا بجا، ہزاروں کا کھیت ہوا، آخر ایرانی بھاگے۔ حضرت خالد بن ولید نے مثنےٰ بن حارث کو جو سرحد عراق کے ایک نومسلم رئیس تھے۔ ان کے پیچھے بھیجا۔ راستے میں ایرانیوں کی ایک فوج نے جو ہرمز کی کمک کے لئے آئی تھی، نے انہیں روکا۔ حضرت خالد بن ولید کو خبر پہنچی تو یہ بھی فوج لے کر پہنچے، یہاں بھی ایرانیوں نے شکست کھائی اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

ان شکستوں کی خبریں پہنچیں تو ایران کے سرداروں نے سوچا کہ ان عربوں کا مقابلہ کرنے کے لئے عربوں کی فوج ہی بھیجنا چاہیئے۔ کیونکہ لوہے کو لوہا خوب کاٹتا ہے۔ عرب کے جو قبیلے پشتوں سے ایران کی سلطنت کے نمک خوار چلے آرہے تھے۔ انہیں سمیٹ کر لشکر تیار کیا۔ اور ایک ایرانی سردار جو جس کی بہادری کی بڑی دھوم تھی۔ اس لشکر کا افسر بنایا۔ ادھر حضرت خالد بن ولید نے سرحدی علاقے کی حفاظت کے لئے تھوڑا سا لشکر چھوڑا اور خود باقی فوج کو لے کر آگے بڑھے۔ جب اس پر بہار مقام پر پہنچے جہاں دجلہ اور فرات آپس میں ملتے ہیں تو ایرانی لشکر نے روکا۔ حضرت

خالد بن ولید نے فوج کے تین حصے کیے۔ ایک حصہ لے کر خود بڑھے، باقی دو حصے جن کے سردار قیقاع بن عمرو اور مثنیٰ بن حارث تھے۔ کیمپ میں چھوڑا، عین گھمسان کی جنگ میں مثنیٰ بن حارث تازہ دم فوج لے کر ایرانیوں کے دہنے بازو پر اس زور سے گرے کہ ایرانی لشکر کے قدم اکھڑنے لگے۔ افسروں نے جی بڑھایا اور انعام کا لالچ دے کر سنبھالا، اور پھر تلوار چلنے لگی۔ اتنے میں پھر گرد اڑی، سب کی نگاہیں ادھر اٹھ گئیں۔ جب ہوا نے گرد کے دامن کو چاک کیا تو قعقاع قبیلہ بنی تمیم کے شہسواروں کو لیے نظر آیا۔ اور بائیں بازو سے اس طرح حملہ کیا کہ دشمنوں کی صفوں میں کھلبلی مچ گئی۔ اب مسلمانوں نے تین طرف سے دشمن پر دباؤ ڈالا، ایرانیوں کے جی چھوٹ چھوٹ گئے۔ عیسائی عرب جن کے بھروسے پر اس لڑائی کا ڈول ڈالا گیا تھا۔ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے اور ایرانیوں کو شکست ہوئی۔

یہاں سے جو لوگ بھاگے تھے، وہ الیس کے مقام پر پہنچے تو ایرانی لشکر کے ڈیرے نظر آئے۔ معلوم ہوا کہ ایران سے تازہ دم فوج آئی ہے۔ ان بھگوڑوں نے یہاں دم لیا۔ اتنے میں آس پاس سے عیسائی عرب بھی سمٹ کر پہنچے۔ یہ سب کھانا کھانے بیٹھے تھے۔ ابھی پہلا لقمہ ہی توڑا تھا کہ اتنے میں جنوب سے اسلامی پرچم لہراتا نظر آیا۔ کھانا چھوڑ کر صفیں باندھیں اور آگے بڑھے۔ ایک بہادر پہلوان نے جو ہزار سواروں کے برابر مانا جاتا تھا، بڑھ کر حضرت خالد بن ولید کو للکارا۔ انہوں نے گھوڑا اڑایا، اور اس طرح نیزہ مارا کہ ایرانی شہسوار گھوڑے سے گرا اور گرتے ہی مر گیا۔ ایرانی لینا، لینا کا

شور مچاتے آگے بڑھے اور دونوں لشکر مل گئے۔ دیر تک تلوار چلی، آخر ایرانی بھاگے، اس لڑائی میں ہزاروں ایرانی مارے گئے۔اس لئے اس معرکہ کو دریائے خون کی لڑائی کہتے ہیں۔

کوفہ کے شہر سے تین میل کے فاصلے پر حیرہ کی پرانی بستی ہے۔یہاں عیسائی عربوں کی ریاست تھی جو بادشاہ کو خراج دیتی تھی۔ایک عرب شہزادے نے یہاں فرات کے کنارے ایک عالی شان محل بنوایا تھا۔جس کے بنانے میں روم اور ایران کے ہنر مندوں نے اپنی ساری ہنر مندی اور اپنی ساری کاری گری اور حیرہ کے شہزادے نے اپنی ساری دولت خرچ کر ڈالی تھی۔حضرت خالد بن ولید نے آگے بڑھ کر اس محل پر اپنا جھنڈا گاڑا۔حیرہ کے لوگوں نے بے دلی سے مقابلہ کر کے ہتھیار ڈال دیئے۔حضرت خالد بن ولید نے ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا کہ آس پاس کے رئیس بھی خود صلح کرنے آئے۔اور مسلمانوں کے عدل وانصاف کے گیت گاتے لوٹے۔حضرت خالدؓ نے جو علاقے فتح کیے تھے، وہاں پہرے بٹھائے اپنے کارندے مقرر کیے۔پھر شمال کی طرف رخ کیا کیونکہ عیاض بن غنم جنہیں حضرت ابوبکر نے شمالی عراق کی طرف بھیجا تھا۔عیسائی عربوں میں گھرے ہوئے تھے۔راستے میں کئی کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں۔ایک مقام پر ایک عرب شہسوار نے جسے اپنی بہادری پر گھمنڈ تھا، بہت بڑی فوج کے ساتھ اسلامی لشکر کو روکا۔اور حضرت خالدؓ کو مقابلہ پر بلایا، وہ اسی طرح گھوڑے کو ڈپٹ کر پہنچے کہ حریف کو وار کرنے کا موقع نہ

دیا۔ اور ہاتھ بڑھا کر اسے گھوڑے سے اٹھالیا۔ پھر اس کے لشکر کو مار بھگایا۔ پھر یہاں سے آگے بڑھے اور عیسائی فوجوں کو تتر بتر کر کے عیاض کو چھڑایا۔ اور خلیج فارس کے سارے علاقے کو زیر زبر کر ڈالا۔ یہاں سے وہ آگے بڑھنے کو تھے کہ حضرت ابو بکرؓ کا حکم پہنچا کہ شام میں عیسائی فوجوں کا جماؤ ہو رہا ہے۔ تم فوراً وہاں پہنچو۔ حضرت خالدؓ نے مثنیٰ بن حارث کو عراق کے لشکر کا سردار مقرر کیا اور خود سولہ سو سپاہیوں کو لے کر شام کی طرف روانہ ہوئے، اب ہم شام کے معرکوں کا حال بیان کریں گے۔ ایران کی لڑائیوں کی کہانی آگے چل کر آئے گی۔

شام اور فلسطین کی لڑائیاں

جب فوجیں اکٹھی ہوگئیں تو حضرت عمرو بن عاص۔ یزید بن ابی سفیان، ابو عبیدہ بن الجراح اور شرجیل بن حسنہ کو چار راستوں سے شام اور فلسطین کی طرف بھیجا۔ روم کے بادشاہ ہرقل نے جو ان دنوں حمص میں تھا۔ ہرکاروں کی ڈاک بٹھا رکھی تھی۔ اور مسلمانوں کے ان چاروں دستوں کو روکنے کے لئے الگ الگ فوجیں بھیجیں۔ یزید بن ابی سفیان جو سب سے پہلے تھے تبوک پہنچے تو عیسائیوں کے لشکر نے روکا، دو دن برابر تلوار چلی۔ آخر عیسائی بھاگ گئے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔

عمرو بن عاص تو ہزار سپاہیوں کے ساتھ جن میں عکرمہ بن ابی جہل، اور سعید بن خالد، اور عبداللہ بن عمر جیسے شہسوار تھے فلسطین کی طرف بڑھے، جب فلسطین کی پر

بہار وادیاں اور سرسبز پہاڑ نظر آنے لگے تو عمر بن عاص نے حضرت عمرؓ کے صاحبزادے عبداللہ کو ایک ہزار سپاہی دے کر دشمن کی خبر لانے کے لئے بھیجا۔ یہ ایک دن ایک رات برابر چلتے رہے۔ صبح کو دم لینے کے لئے ٹھہرے تھے کہ غبار اڑا اور عیسائی لشکر کے پھریرے نظر آنے لگے۔ یہ رومی لشکر کا ہراول تھا، جو آگے بڑھ آیا تھا۔ اس میں کوئی دس ہزار سوار ہوں گے جو سر سے پاؤں تک لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر اور ان کے ساتھیوں نے باگیں اٹھائیں اور داہنے بائیں آ گرے۔ دشمن کی فوج جو دریا کی طرح بڑھی چلی آ رہی تھی، رکی، حضرت عبداللہ بن عمر تلوار کھینچے لشکر کے قلب میں گھس گئے اور تلواریں مارتے صفیں توڑتے اس جگہ جا پہنچے جہاں اس فوج کا سردار پہاڑ کی طرح جما اپنی فوج کو لڑا رہا تھا۔ انہوں نے اس پر نیزے کا وار کیا، اس کا گھوڑا زخم کھا کر پیچھے ہٹا۔ اب اس نے نیزہ تانا اور سینہ تاک کر مارا۔ حضرت عبداللہ بن عمر نے نیزے کو تلوار سے کاٹا اور دوسرے وار میں زمین پر گرا دیا۔

افسر کے مرتے ہی رومی لشکر کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اس جنگ میں جو قیدی ہاتھ آئے تھے۔ ان سے معلوم ہوا کہ یہ تو صرف فوج کا ایک دستہ تھا۔ اصل لشکر تو پیچھے آ رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر ہٹ کر عمرو بن عاص کے پاس پہنچے۔ رات اس معرکے کا حال کہتے سنتے کٹ گئی۔ صبح ہوتے ہی کوچ کیا۔ کہ رومی لشکر کو آگے بڑھ کر روکیں۔ تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ دشمن کی فوج کالی آندھی کی طرح بڑھی نظر آئی۔ عمرو

بن عاص نے لشکر کو سمیٹ کر صفیں باندھیں۔ اور بھروسہ کے شہ سواروں کو داہنے بائیں مقرر کیا۔ عیسائیوں کی فوج بھی میدان میں آ کر جم گئی، عیسائی چاہتے تھے کہ مسلمان پہلے بڑھیں اور مسلمان چاہتے تھے کہ عیسائی پہلے حملہ کریں۔ جب عیسائی دیر تک اپنی جگہ سے نہ ہلے تو مسلمانوں نے باگیں اٹھائیں اور اللہ اکبر کا نعرہ لگاتے دشمن پر جا گرے۔ عیسائیوں نے بھی بڑی بہادری سے مقابلہ کیا، لیکن مسلمان اس طرح جی توڑ کر لڑے کہ عیسائیوں کی بہادری کچھ کام نہ آئی۔ اور شام ہوتے ہوتے وہ بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ مسلمانوں نے پیچھا کیا، بہت سے رومی تلوار کے گھاٹ اتر گئے، جو باقی بچ گئے۔ وہ جنگلوں اور بیابانوں میں سر ٹکراتے اور خاک اڑاتے پھرے۔

اسی طرح شرجیل بن حسنہ نے جو تیسرے اسلامی لشکر کے سردار تھے۔ بڑھ کر بصرہ کا قلعہ فتح کیا۔ اور حضرت ابوعبیدہ بن الجراح حمص پر بڑھے، اتنے میں خبریں آئیں کہ رومیوں کی فوجیں ایک جگہ اکٹھی ہو رہی ہیں۔

تا کہ سب مل کر مسلمانوں پر حملہ کر دیں، کچھ فوجیں اپنی جگہ سے چل چکی ہیں اور کچھ چلا چاہتی ہیں۔ مسلمان سرداروں نے بھی ایک جگہ قاصد دوڑائے کہ سب ایک جگہ جمع ہو کر دشمن سے لڑیں۔ ادھر حضرت خالد بن ولید عراق میں لڑ بھڑ رہے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ کا حکم پہنچا کہ شام پہنچ کر مسلمانوں کی مدد کرو۔ تو وہ لڑتے بھڑتے قلعے اور شہر فتح کرتے، دشمن کو مارتے اور بھگاتے فتح کے نشان بناتے دمشق پہنچے۔

خولہ اور ضرار

انہیں معرکوں کا ذکر ہے کہ ایک دن حضرت خالدؓ دشمنوں کے نرغے میں گھرے ہوئے دہنے بائیں تلواریں مار رہے تھے کہ اتنے میں ایک دبلا پتلا نوجوان سر پر عمامہ باندھے گھوڑا اڑاتے ہوئے آیا، اس نے پورے ہتھیار لگا رکھے تھے۔ اس نے دو تین حملے ایسے کیے کہ دشمن کی فوج میں کھلبلی ڈال دی۔ حضرت خالدؓ سے مڑ مڑ کر دیکھتے تھے کہ یہ سجیلا جوان کون ہے؟۔ لیکن کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ انہوں نے گھوڑا بڑھایا، وہ بھی ساتھ ساتھ تھا۔ یہ دشمن کی فوج چیر کر دوسری طرف نکلے، وہ بھی لشکر کے دریا میں ڈوب ڈوب کر نکلا۔ اب حضرت خالدؓ نہ رہ سکے۔ اور اس سے پوچھا، اے نوجوان تجھ پر خدا کی رحمت ہو، بتا تو کون ہے؟۔ اس نے کچھ جواب نہ دیا اور گھوڑے کو ایڑ بتا کر آن کی آن میں غائب ہو گیا۔ حضرت خالدؓ بھی لڑنے لگے، دم بھر اس کا چہرہ برستی تلواروں کے سائے میں نظر آیا، پھر غائب ہو گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ خون میں نہایا دشمن کی فوج سے باہر نکلا، انہوں نے بڑھ کر گھوڑے کی باگ اس کے گھوڑے کی باگ سے ملا دی اور پھر وہی سوال پوچھا، اس نے اداس آواز میں جواب دیا، اے سردار میں ضرار کی بہن خولہ ہوں۔

یہ سن کر حضرت خالدؓ سناٹے میں رہ گئے۔ اداسی کا سبب پوچھا تو معلوم ہوا کہ ضرار لڑائی میں کہیں کھو گئے ہیں۔ بہن نے سنا تو تاب نہ لائی، مردانہ لباس پہن، ہتھیار سجا،

بھائی کی تلاش میں چل پڑی۔ جنگل اور پہاڑ چھان مارے، لاشوں کو ایک ایک کر کے غور سے دیکھا، لیکن کہیں کھوج نہ ملا۔

ضرار اسلامی فوج کے لشکر کے ایک نوجوان سپاہی تھے، جنہوں نے اٹھارہ سال کی عمر میں ہی سب پر اپنی بہادری کی دھاک بٹھا دی تھی۔ ان کے اچانک غائب ہو جانے سے مسلمانوں کے دل بے چین تھے۔ حضرت خالدؓ نے سارے جتن کیے لیکن ضرار کا کوئی پتا نہ تھا۔ آخر ایک رومی سپاہی سے جو اس لڑائی میں قید ہوا تھا، اتنا معلوم ہوا کہ عیسائی فوج کے سردار نے انہیں اپنے بادشاہ کے پاس بھیج دیا ہے۔ یہ سن کر حضرت خالدؓ سوچ میں پڑ گئے، لیکن ایک مسلمان سردار جس کا نام رافع تھا، بول اٹھے کہ اگر مجھے دو سو سپاہی دے دیں تو میں انہیں ایک ایسے راستے سے لے چلوں گا کہ بادشاہ کے پاس پہنچنے سے پہلے انہیں جا لیں۔

یہ تجویز سب کو پسند آئی، خولہ کو چین کہاں وہ بھی رافع کے ساتھ گئیں۔ یہ لوگ پہاڑوں کی گھاٹیوں اور ریگستانوں سے گزرتے ایسی جگہ پہنچے کہ جہاں پر بالو پر گھوڑوں کے سموں کے نشان نظر نہیں آتے تھے۔ رافع نے چاروں طرف دیکھ بھال کر کہا معلوم ہوتا ہے کہ رومی ابھی اس راستے سے نہیں گزرے۔ یہ کہہ کر انہوں نے سب کو سمیٹا اور ایک گھاٹی کے پیچھے جا چھپے۔

جب سورج ڈھلنے لگا تو گھوڑوں کے ہنہنانے کی آوازیں سنائی دیں۔ اور ساتھ ہی اڑتی ہوئی گرد میں عیسائیوں کی زرہیں اور خود چمکتے ہوئے دکھائی دیئے۔ بیچ میں ایک

سانڈنی پر ضرار سوار تھے۔ اور دردبھری آواز میں عربی کے شعر پڑھ رہے تھے۔ مسلمان گھاٹی سے نکلے، رومیوں کو مار کر ضرار کو چھڑایا اور بچھڑے ہوؤں کو ملا دیا۔ پھر یہاں سے پلٹے اور حضرت خالدؓ کی فوج میں آ ملے۔

یرموک کا واقعہ

ادھر برابر یہ خبریں پہنچ رہی تھیں کہ عیسائی فوجیں چاروں طرف سے مسلمانوں پر بڑھ رہی ہیں اور جوش کا یہ حال ہے کہ جدھر سے رومی لشکر گزرتے ہیں، پادری اور راہب جو مدتوں سے خانقاہوں میں دنیا چھوڑ چھاڑ کر بیٹھے تھے، آ آ کر ملتے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے ایک جگہ اکٹھے ہو کر مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ سب ہٹ کر اس جگہ پہنچے، جہاں عرب کا صحرا شروع ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے چھوٹے چھوٹے دستے جو سرحدی شہروں اور بستیوں پر مقرر تھے، وہ بھی اسلامی فوج میں آ کر مل گئے۔ لیکن لوگوں پر مسلمانوں کے برتاؤ کا ایسا اثر پڑتا تھا کہ جب مسلمان ان بستیوں سے رخصت ہوتے تو وہ رو کر کہتے تھے کہ خدا تمہیں پھر واپس لائے۔ مسلمانوں نے ہٹ کر یرموک میں ڈیرے ڈال دیئے۔ اور حضرت ابوبکرؓ کے پاس قاصد دوڑایا، قاصد مدینہ پہنچا تو وہاں سب کے دل یہ سن کر بے چین ہو گئے۔ بڑے بڑے صحابہ جنہوں نے بدو حنین کے معرکوں میں جانیں لڑائی تھیں، تلوار کے قبضہ میں ہاتھ ڈال کر سب بولے کہ آؤ ہم چلیں، لیکن مدد کا وقت نکل چکا تھا۔ دشمن تین چار منزلیں ادھر پہنچ

چکے تھے۔اس خیال کے آتے ہی سب چوکنے ہو رہے، رومیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ سب اکٹھے ہو رہے ہیں تو وہ بھی سب ایک جگہ جمع ہو گئے۔آرمینا کا شہزادی باہان جس کے سپاہی اندھیری رات میں آواز پر تیر مارتے تھے۔سپہ سالار مقرر ہوا۔فوج کے چار حصے کیے گئے۔ہر حصے پر ایک نامور سردار افسر مقرر رہوا۔ساری فوج کوئی ڈھائی لاکھ کے قریب تھی، سب کے سروں پر فولادی خود اور جسموں میں لوہے کی زرہیں تھیں۔اور چار آئینے غرض آنکھوں کے سوا سارا جسم لوہے دے ڈھکا ہوا تھا۔یہ فوج جب یرموک کی طرف بڑھی تو دھرتی ڈولی، پہاڑ تھرائے۔گھوڑوں کی ٹاپوں سے ایسی گرد اڑی کہ سورج کا چہرہ دھندلا گیا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ نے سارے سرداروں کو جمع کر کے کہا، کہ اپنی اپنی فوج کو لے کر الگ الگ لڑنا ٹھیک نہیں۔اچھا ہے کہ ہم ایک شخص کو سردار چن لیں۔اور اس کی ماتحتی میں لڑیں سب نے کہا کہ ٹھیک ہے۔یہ رائے سب نے پسند کی اور انہیں کو سردار بنایا گیا۔انہوں نے فوج کو اڑتیس حصوں میں تقسیم کیا اور ہر حصہ پر نامی سرداروں کو مقرر کیا۔پہلے دن چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ایک دن رومیوں نے سارے لشکر کی صفیں جمائیں، مسلمان بھی نکلے، ادھر سے ایک رومی پہلوان آیا۔ادھر سے قیس بن ہبیرۃ اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ دشمن جب تک سنبھلے ان کی تلوار خود کو کاٹ کر گردن میں اتر چکی تھی۔مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔عیسائیوں کا لشکر بڑھا لیکن مسلمانوں نے عیسائیوں کی فوجوں کو جو لوہے کی موجیں معلوم ہوتی

تھیں۔تلواروں اور نیزوں سے اس طرح روکا کہ وہ پیچھے ہٹ گئیں۔

رومیوں نے جب دیکھا کہ بڑے بے ڈھب لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔تو انہوں نے صلح کا پیغام بھیجا۔کہ ہم صلح کی بات چیت کرنا چاہتے ہیں۔ادھر سے حضرت خالد بن ولیدؓ آپ گئے۔باہان نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار سجایا۔راستہ میں دونوں طرف رومی سوار ہتھیار سجائے فولادی خود سر پر دھرے کھڑے تھے۔حضرت خالد بن ولیدؓ کو ڈرانے اور یہ ساری شان دکھانے کے لئے یہ ڈرامہ کیا گیا تھا۔لیکن وہ ان پر اس طرح بے پرواہی سے نظر ڈالتے گزرے کہ جیسے یہ مٹی کے تودے، بلکہ ان سے بھی ناچیز ہیں۔باہان کے خیمے کے پاس پہنچے تو وہ پیشوائی کے لئے آیا اور انہیں عزت کے ساتھ لے گیا۔اب باتیں شروع ہوئیں۔اس نے اپنے بادشاہ کی حالت اور اس کی دولت کا قصہ چھیڑا، پھر کہا اگر تم لوگ واپس چلے جاؤ تو سپہ سالار کو دس ہزار، افسروں کو ہزار ہزار اور ہر سپاہی کو سو دینار دیے جائیں گے۔ان کے پاس ان ساری باتوں کا ایک ہی جواب تھا کہ یا تو مسلمان ہو کر اپنی دنیا اور عاقبت سنوارو یا پھر جزیہ دو۔یہ دونوں باتیں منظور نہیں تو تلوار خود ہی سارا جھگڑا چکا دے گی۔

باہان نہ مانا اور دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔آگے آگے عیسائیوں کے پادری صلیبیں لئے دلوں کو گرمانے والی تقریریں کرتے اور فتح کی دعائیں مانگتے آ رہے تھے۔ان کے پیچھے رومیوں کا لشکر، انہیں دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ لوہے کی دیواریں بڑھتی چلی آ رہی ہیں۔باہان نے تیس ہزار آدمیوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا تھا۔کہ

بھاگنے نہ پائیں۔اس دل بادل کو دیکھ کر ایک شخص کے منہ سے نکلا کہ کتنی بڑی فوج ہے۔حضرت خالد بن ولیدؓ اس کے پاس کھڑے تھے۔غصے میں آکر کہا چپ رہو۔میرے گھوڑے کے سم اچھے ہوتے تو میں کہتا کہ اپنی فوج دگنی کرلیں۔

ادھر اسلامی فوج کے سردار تقریروں اور شعروں سے مسلمانوں کے دل کو گرما رہے تھے۔ان کی تقریریں سن کر پرانے زمانے کی جنگوں کے نقشے آنکھوں میں پھر گئے۔پھر قبیلہ ازد کا ایک سپاہی میدان میں نکلا،ادھر سے ایک رومی پہلوان بڑھا۔ازدی نے گھوڑے کو چکر دے کر ایسا نیزہ مارا کہ رومی سوار زمین پر آرہا ہے۔اس کے بعد کئی رومی ایک ایک کرکے آئے اور مارے گئے۔یہ رنگ دیکھ کر رومیوں نے بڑے جوش سے حملہ کیا۔ارمنی تیراندازوں نے گھٹنے ٹیک کر کمانوں کے چلے چڑھائے۔اور تیروں کا مینہ برسادیا۔ادھر رومیوں کے بائیں بازو نے مسلمانوں پر اتنا زور ڈالا کہ مسلمان پیچھے ہٹتے ہٹتے عورتوں کے خیموں تک پہنچ گئے۔عورتوں نے دیکھا تو خیمے کی چوبیں اکھاڑ کر آگے بڑھیں اور پکار کر کہا کہ پیچھے ہٹے تو تمہاری خیر نہیں ہے۔عورتوں کے غیرت دلانے پر مسلمان آگے بڑھے۔معاذ بن جبل گھوڑے سے کود پڑے اور اس طرح اپنی تلوار کے جوہر دکھائے کہ رومی فوجیں ان کی تلوار کی بجلی کے سامنے بادل کی طرح پھٹ پھٹ جاتی تھیں۔اس معرکے میں ازدی جوان بڑی آن بان سے لڑے۔عیسائیوں نے بڑے زور کے حملے کیے،لیکن ان کا قدم پیچھے نہ ہٹا۔عمرو بن طفیل قبیلہ ازد کے بوڑھے سردار پہاڑ کی طرح جمے کھڑے تھے۔جوان کے سامنے آیا

کاٹ دیا۔ آخر تلواریں مارتے ہوئے شہید ہوئے۔ عکرمہ جو ابو جہل کے بیٹے اور قریش کے مشہور بہادر تھے، گھوڑا کدا کر آگے بڑھے اور پکارا کہ جسے شہادت کا شوق ہے، وہ میرے ساتھ آئے۔ چار سو بہادر ان کے ساتھ باہر نکلے۔ انہوں نے اپنی تلواروں کے نیام توڑ کر پھینک دیئے۔ اور اس طرح لڑے کہ جس طرف جا پڑے تہلکہ ڈال دیا۔ سب زخموں میں چور تھے۔ لوگ عکرمہ کو اٹھا کر حضرت خالد بن ولیدؓ کے پاس لائے۔ ابھی کچھ دم باقی تھا۔ حضرت خالد بن ولیدؓ نے ان کا سر زانو پر رکھا، خاک جھاڑی، منہ میں پانی ٹپکایا۔ اور اسی حالت میں انہوں نے دم توڑ دیا۔

اس لڑائی میں عورتوں نے بڑی بہادری دکھائی اور اس طرح لڑیں کہ بہادروں کے ٹوٹے ہوئے حوصلے بندھ گئے۔ اب مسلمانوں پر رومی فوج کے بائیں بازوؤں پر بڑے زور کے حملے کیے۔ یہاں بھی وہی حالت ہوئی کہ یعنی مردوں کے پاؤں اکھڑے تو عورتوں نے حاصلے دیئے۔ اور سنبھالا اور خود بڑھ بڑھ کر رومیوں کا مقابلہ کیا۔ جو لوگ بھاگے جا رہے تھے۔ وہ زور دے کر پلٹے اور اس زور سے دشمن پر حملہ کیا کہ دشمن کی صفیں ٹوٹ گئیں۔ گھمسان کا رن پڑا، نیزے اور تلوار کی جنگ نہ رہی تھی، بلکہ خنجر اور کٹاریں نکل آئیں۔ پیادے اور سوار آپس میں لپٹ گئے۔

حضرت سعید بن زید جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے۔ گھٹنے ٹیکے کھڑے تھے۔ جوان کی طرف بڑھا تلوار کے گھاٹ اتر گیا۔ ہراول کا افسر جو بڑے ڈیل ڈول کا پہلوان تھا۔ انہیں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ حباش بن قیس کو جو ایک بہادر سپاہی تھے۔ لڑائی میں

تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ دونوں ہاتھوں سے تلواریں مارتے جاتے تھے۔ کسی نے ان کے پاؤں میں تلوار مار کر اسے کاٹ ڈالا۔ انہیں جہاد کے شوق اور بہادری کے جوش میں خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر بعد پاؤں پر نظر ڈالی تو کہنے لگے ہائے میرا پاؤں کہاں گیا۔، پھر کہنے لگے، ایک ایک سے پوچھتے تھے کہ میرا پاؤں کہاں گیا؟۔ پھر ڈھونڈ نے لگے، ایک ایک سے پوچھتا تھا کہ میرا پاؤں کیا ہوا؟۔ شرجیل بن حسنہ میدان کے بیچوں بیچ قدم جمائے کھڑے تھے۔ ان کے آس پاس لہو برس رہا تھا، ہاتھ پاؤں کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ لیکن ان کی پلک تک نہ جھپکتی تھی۔ تلوار کی بجلی برابر چمک رہی تھی، جدھر گری صفایا کر دیا۔ وہ اونچی آواز سے قرآن کی آیتیں جن میں جہاد کا ذکر آیا تھا۔ پڑھ رہے تھے۔ جہاں جہاں ان کی آواز پہنچی، مسلمانوں میں مردانگی کا خون دوڑ گیا۔ لیکن عیسائی اب تک پہاڑ کی طرح مسلمانوں پر چھائے ہوئے تھے۔ یکا یک مسلمانوں نے دونوں بازوؤں سے حملہ کیا۔ قیس بن ہبیرہ جنہیں حضرت خالد نے بائیں بازو کے پیچھے سے مقرر کیا تھا۔ گھوڑا اڑاتے نکلے اور اللہ اکبر کے نعرے لگاتے، بجلی کی طرح کڑک گئے۔ عیسائی سرداروں نے اپنی فوج کو سنبھالا لیکن صفیں ٹوٹ چکی تھیں۔ اتنے میں حضرت سعید بن زید نے قلب سے نکل کر حملہ کیا۔ ساتھ ہی حضرت خالد بن ولیدؓ بڑھے اور رومی لشکر کے قلب میں جا کر کھلبلی ڈال دی۔ سب سے پہلے عیسائیوں کے سواروں نے گھوڑوں کو پھرایا۔ اور بھاگ نکلے، مسلمان ان کا پیچھا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن حضرت خالد بن ولیدؓ نے روکا اور ساری

فوج کو لے کر پیادوں پر ٹوٹ پڑے۔ جب عیسائی فوج گھونگھٹ کھا کر پیچھے ہٹی، لیکن پشت پر دریا تھا۔ بھاگ کر کہاں جاتے بہت سے پیچھے ہٹتے دریا میں جا گرے۔ اور ڈوب کر مر گئے۔ جو میدان میں کھڑے رہے، وہ نیزوں اور تلواروں کا شکار ہوئے۔ اس معرکے میں ایک لاکھ سے زیادہ عیسائی مارے گئے اور تین ہزار مسلمان شہید ہوئے۔

خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو۔ صبح کے وقت تو یہ حال تھا کہ رومیوں کی فوجیں دریائے یرموک کے ساحل سے طبریہ کی جھیل تک پھیلی ہوئی تھیں۔ ہر طرف سنہری روپہلی بیرقیں لہراتی نظر آتی تھیں۔ سونے چاندی کی چوبوں پر اطلس اور باولے کے خیمے کھڑے تھے۔ بازار میں کنچن برستا تھا۔ رومی شہزادے زربفت کی قبائیں پہنے ہنستے بولتے پھر رہے تھے۔ نقاروں پ رچوب پڑتی تھی تو زمین کا جگر تھرتھراتا تھا۔ لشکر کاہے کو تھا۔ اچھا خاصا شہر بسا ہوا تھا۔ لیکن شام ہوتے ہوتے دولت اور تجمل کے یہ سارے آثار مٹ گئے اور ہر طرف سناٹا ہو گیا۔

حضرت ابو بکرؓ کا انتقال

جن دنوں ادھر یرموک کی جنگ چھڑی ہوئی تھی۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ بخار میں مبتلا ہوئے، اور دو ہفتہ بیمار رہ کر بائیس جمادی الثانی ۱۳ ہجری کو انتقال فرمایا۔ وفات کے وقت ان کی عمر تریسٹھ سال تھی۔

صحابہ میں حضرت ابوبکرؓ صدیق کا پایہ بہت اونچا ہے۔ وہ سب سے پہلے ایمان لائے۔ اور اپنا سب کچھ اللہ کی راہ میں دے ڈالا۔ ان کا سینہ ایمان کا خزینہ تھا۔ گھر بار چھوڑا، مصیبتیں جھیلیں، لیکن ہمت کے قدم کہیں نہ ڈگمگائے۔ یاد کرو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے صدمے نے مسلمانوں کو نڈھال کر دیا تو حضرت ابوبکرؓ صدیق کی باتوں نے ہی ان کے ٹوٹے ہوئے دل جوڑے اور ہمتیں بندھائیں، پھر جب ارتداد کا فتنہ اٹھا تو اس کڑے وقت میں بھی حضرت ابوبکرؓ صدیق کی ہمت اور تدبیر آڑے آئی، اور ان بلاؤں کو ٹالا کہ فتنہ و فساد کا کوئی کھٹکا نہ رہا۔ انہوں نے صرف سوا دو سال خلافت کی، لیکن اس تھوڑی سی مدت میں ایسے ایسے کارنامے انجام دیئے جو شہرت کے آسمان پر ہمیشہ سورج بن کر چمکتے رہیں گے۔

ساتواں باب

حضرت عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمرؓ ابن خطاب بنی عدی میں سے تھے۔ جو قبیلہ قریش ہی کی ایک شاخ ہے۔ عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تیرہ سال چھوٹے تھے۔ ان کے اسلام قبول کرنے کا قصہ تم پڑھ چکے ہو۔ ان سے پہلے چالیس پینتالیس آدمی مسلمان ہو چکے تھے۔ لیکن ان کے اسلام قبول کرنے سے مسلمانوں کے دل مضبوط ہو گئے۔ ہجرت کے زمانے میں مسلمان کافروں کے ڈر سے چھپ کر مدینہ پہنچے۔ لیکن یہ دن دہاڑے بیس مسلمانوں کو ساتھ لے کر نکلے اور کوئی انہیں روک نہ سکا۔

ہجرت کے بعد سارے معرکوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہؓ کے شوہر ایک لڑائی میں مارے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے نکاح کر لیا۔

حضرت ابوبکر صدیق بیمار ہوئے تو انہیں اس بات کا خیال تھا کہ اپنا جانشین کسے مقرر کریں۔ ان کی نظریں رہ رہ کر حضرت عمرؓ پر پڑتی تھیں۔ صحابہ سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی یہی رائے دی۔ لیکن ایک صحابی نے کہا کہ آپ کے جیتے جی وہ لوگوں

سے بہت سختی سے پیش آتے ہیں،خلیفہ ہو کر خدا جانے کیا کریں گے۔حضرت ابو بکرؓ نے فرمایا کہ خلافت کا بوجھ ان کے کندھوں پر پڑنے دو،طبیعت کی سختی آپ سے آپ کم ہو جائے گی۔پھر حضرت عمرؓ کو بلا کر ان کی جانشینی کا اعلان کیا۔انہیں کئی نصیحتیں اور ہدایتیں کیں جو عمر بھر ان کے کام آئیں۔

ایران کی فتوحات

حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے تو سب سے پہلے انہوں نے عراق کی طرف توجہ کی،تم پڑھ چکے ہو کہ حضرت خالد بن ولید مثنےٰ بن حارث کو عراق میں چھوڑ کر شام چلے گئے تھے۔مثنےٰ حیرہ میں فوج لیے پڑے تھے کہ ایران کا ایک سردار بہمن ان کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔مثنےٰ حیرہ سے نو ہزار سپاہی لے کر نکلے اور دریائے فرات سے اتر کر اس جگہ ڈیرے ڈال دیے جہاں بابل کے پرانے شہر کے کھنڈر ہیں۔اتنے میں ایرانی لشکر آن پہنچا اور لڑائی شروع ہوئی۔ایرانی فوج کے ساتھ ہاتھی بھی تھے جو کالی آندھی کی طرح اسلامی لشکر پر بڑھے چلے آتے تھے،ہاتھیوں کو دیکھ کر عرب سپاہیوں کے گھوڑے بھڑکنے لگے اور صفیں ٹوٹ ٹوٹ گئیں۔مثنےٰ نے یہ ماجرا دیکھا تو گھوڑے سے کود پڑے اور چند جان نثاروں کو ساتھ لے کر ایسا حملہ کیا کہ ہاتھی پلٹ کر اپنی ہی فوج کو روندنے لگے۔ادھر اسلامی فوج نے زور ڈالا۔ایرانیوں کے پاؤں اکھڑے اور وہ بھاگ کھڑے ہوئے۔

مثنیٰ فتح کا نشان اڑاتے حیرہ پہنچے، تو معلوم ہوا کہ ایرانی بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ مثنیٰ نے فوج کو تو حیرہ میں چھوڑا اور خود مدینہ کا رخ کیا۔ حضرت ابوبکر سخت بیمار تھے، انہوں نے حضرت عمرؓ کو بلا کے تاکید کی کہ مثنیٰ کی مدد کے لئے ضرور فوج بھیجی جائے۔ اسی دن ان کا انتقال ہو گیا۔

حضرت عمرؓ کی بیعت کرنے کے لئے دور دور سے لوگ آئے تھے۔ حضرت عمرؓ نے انہیں عراق کے حالات سنائے اور جہاد پر ابھارا، لیکن عرب کے اکثر سرحدی قبیلے مدت تک ایرانیوں کے ماتحت رہے تھے۔ ان کے دلوں پر رعب چھایا ہوا تھا۔ ساتھ ہی یہ بھی خیال تھا کہ خالدؓ کے بغیر کوئی اس معرکے کو سر نہیں کر سکتا۔ اتنے میں مثنیٰ نے اٹھ کر کہا کہ مسلمانو ہم نے ایرانیوں کو آزما لیا ہے۔ وہ ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ساتھ ہی حضرت عمرؓ نے اس زور سے تقریر کی کہ لوگوں میں جوش پیدا ہو گیا۔

سب سے پہلے ابو عبید ثقفی جو قبیلہ ثقیف کے نامی سردار تھے۔ اٹھے اور بولے کہ میں عراق جانے اور ایرانیوں کا مقابلہ کرنے کو تیار ہوں۔ ان کی ہمت دیکھ کر ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں۔ کہ آپ کے ساتھ ہم بھی چلیں گے۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ کو اس لشکر کا سردار مقرر کیا۔ اور یہ ایک ہزار سپاہی ساتھ لے کر منزلیں مارتے ہوئے حیرہ کی طرف چلے۔

ادھر ایران کی ملکہ نے جب شکستوں کی خبریں سنیں اور دیکھا کہ عربوں کی تلوار کا سکہ سارے عرب پر بیٹھ گیا ہے۔ تو رستم کو جو ایک نامور سردار اور خراسان کے گورنر کا بیٹا

تھا۔ بلا بھیجا۔ دربار کے بعض امیروں کے دل رستم سے صاف نہیں تھے۔ لیکن ملکہ نے جب اس کے سر پر تاج رکھا اور اسے ساری فوج کا سردار مقرر کیا تو سارے امیروں نے اس کے سامنے سر جھکا دیا۔ دلوں کا میل دور ہوا۔ رنجشیں مٹیں اور سب یک جان اور یک دل ہو گئے۔

رستم نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ ہر طرف پرچے پیغام دوڑائے، حاکموں اور سرداروں کو لکھا کہ ملک کی عزت چند بھوکے ننگے عربوں کے ہاتھوں خطرے میں ہے۔ جلد پہنچو، فرات کے آس پاس کے جن علاقوں پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا تھا، وہاں ہرکارے بھیجے، لوگوں کو غیرت دلائی کہ عربوں کی ماتحتی میں زندگی گزارنے سے لڑ بھڑ کر مر جانا اچھا ہے۔ لوگ ایرانی دربار کے امیروں، وزیروں کے لڑائی جھگڑوں سے بددل ہو رہے تھے۔ انہوں نے جب یہ سنا کہ سب نے یک دل ہو کر اور ایکا کر کے مرنے مارنے پر اور ملک کی عزت بچانے پر کمریں باندھ لی ہیں، تو ان میں بھی جوش پیدا ہو گیا۔ ساتھ ہی رستم کے بھیجے ہوئے آدمی پہنچے، جنہوں نے پرانے بہادروں کے کارنامے سنا سنا کر اور غیرت دلا دلا کر سارے ملک میں آگ لگا دی۔ جگہ جگہ بغاوتوں نے سر اٹھایا، اور جو علاقے مسلمانوں نے فتح کر لئے تھے، ہاتھ سے نکل گئے۔

اب رستم نے شہزادہ نرسی کو جو ایران کے شاہی خاندان کا چشم و چراغ تھا۔ فوج دے کر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے بھیجا۔ اس نے کسکر کے مقام پر پہنچ کر پڑاؤ ڈال

دیا۔ ساتھ ہی ایک اور نامی سردار جاپان فوج لے کر دوسرے راستے سے چلا، ابو عبید اور مثنیٰ حیرہ پہنچے تھے کہ یہ خبریں ملیں، ہٹ کر بحرین کے علاقے میں آ گئے۔ ادھر جاپان دریائے فرات سے اتر کر آگے بڑھا ہی تھا کہ ابو عبید اور مثنیٰ آپڑے۔ ایرانی لشکر نے بڑی جی داری سے مقابلہ کیا۔ لیکن مسلمانوں کی تلواروں نے منہ پھیر دیئے۔

اس معرکہ میں ایک عجیب واقعہ ہوا۔ گھمسان کی لڑائی میں ایک عرب سے جاپان کا سامنا ہوا۔ عرب نے اس زور سے نیزہ مارا کہ جاپان گھوڑے سے گر کر زمین پر جا پڑا۔ عرب نے اسے گرفتار کر لیا۔ جاپان نے کہا کہ میں بڈھا ہوں۔ تمہارے کس کام آؤں گا۔ دو نوجوان غلام لے لو اور مجھے چھوڑ دو۔ عرب اسے پہچانتا نہ تھا۔ شرط منظور کر لی۔ اتنے میں کچھ مسلمان سپاہی ادھر آ نکلے۔ انہوں نے شور مچایا کہ یہ تو ایرانیوں کا سردار جاپان ہے۔ وہ اسے پکڑ کر ابو عبید کے پاس لے گئے۔ انہوں نے سارا قصہ سن کر کہا قول دے کر پھر جانا مسلمانوں کا کام نہیں۔ اس کے بعد جاپان کو بڑی عزت کے ساتھ اس کے لشکر میں پہنچا دیا۔

اس لڑائی سے جو ایرانی بھاگے تھے۔ وہ شہزادہ نرسی کے پاس پہنچے۔ مسلمان بھی ان کے پیچھے پیچھے تھے۔ نرسی بے جگر ہو کر لڑا۔ لیکن آخر شہزادہ تھا۔ ہوا بگڑی دیکھی تو سب سے پہلے میدان چھوڑ کر بھاگا۔ اس کے بھاگتے ہی ساری فوج کے قدم اکھڑ گئے۔

رستم کو اس شکست کی خبر پہنچی تو سانپ کی طرح بل کھا کر ایران کا قومی نشان درفش

کاویانی جو ہزار ہا سالوں سے شاہی خاندان میں یادگار چلا آتا تھا نکلوایا۔ یہ جھنڈا خاص خاص موقعوں پر نکالا جاتا تھا۔ جب کوئی نیا بادشاہ تخت پر بیٹھتا تو سب سے پہلے بزرگوں کی اس یادگار پر سونا، روپا اور جواہر نچھاور کیے جاتے یا بادشاہ خود میدان جنگ میں نکلتا تو اس پر درفش کاویانی کا سایہ کرتا جاتا تھا، لوگوں میں یہ مشہور تھا کہ جس معرکے میں یہ جھنڈا لہرایا گیا۔ ایرانیوں کو فتح نصیب ہوئی۔

بہمن ایران کا ایک نامی سردار تھا۔ جو کئی معرکوں میں نام نکال چکا تھا۔ رستم نے اسے بلوا کر درفش کاویانی اس کے حوالے کیا۔ اور کہا کہ اس قومی نشان کی لاج رکھنا۔ کیونکہ اس کے سائے تلے تمہارے باپ دادا تلواریں مارتے چلے آئے ہیں۔

بہمن بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ چلا۔ سر پر درفش کاویانی، آگے جنگی ہاتھیوں کی قطار، پیچھے پیچھے بے شمار پیادے اور سوار، یہ فوج دریائے فرات کے کنارے آ کر رکی۔ ادھر سے مسلمانوں کا لشکر پہنچا۔ اور دریا کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے۔ کچھ دنوں تو دونوں لشکر یونہی آمنے سامنے ڈیرے ڈالے پڑے رہے۔ آخر بہمن نے مسلمانوں کو پیغام بھیجا کہ تم دریا کے اس پار آتے ہو کہ یا ہم آئیں۔ مثنےٰ بن حارث کی تو یہ رائے تھی کہ مسلمان جہاں پڑے ہیں، پڑے رہیں اور دشمن کے آگے بڑھنے کا انتظار کریں، لیکن ابو عبیدہ کی طبیعت لہرائی، تلوار ٹیک کر اٹھ کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے یہ کیوں کر ہوسکتا ہے کہ بہادری کے امتحانوں میں ہم ایرانیوں سے پیچھے رہ جائیں۔ آؤ دریا کے پار اتر کر دشمنوں کو تلوار کا مزہ چکھائیں۔ مثنےٰ اور دوسرے

افسروں نے جو ان جنگی چالوں اور ہتھکنڈوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے بہتیرا کہا کہ پار کا میدان تنگ ہے، ہم لشکر کہاں آراستہ کریں گے۔ اور اگر خدانخواستہ شکست ہوئی تو بھاگ کر کہاں جائیں گے۔ آگے دشمن کی فوجیں ہوں گی اور پیچھے فرات کی موجیں، لیکن ابوعبید نے شجاعت کے جوش میں ایک نہ سنی۔ غرض کشتیوں کا پل باندھا گیا اور اسلامی فوج نے دریا سے اتر کر صفیں باندھیں۔

بہمن نے ہاتھیوں کو آگے رکھا۔ اور ان پر جو سپاہی بٹھائے تھے۔ وہ زور زور سے گھنٹے اور سنکھ بجاتے تھے۔ مسلمانوں کے گھوڑے کچھ ہاتھیوں کی صورت دیکھ کر بدکے۔ کچھ یہ شور سن کر بھڑکے، فوج میں کھلبلی سی پڑ گئی۔ لیکن ابوعبید نے بڑی جرات دکھائی۔ گھوڑے سے کود کر تلوار سونت لی، اور ساتھیوں کو للکارا کہ ہاتھیوں کو گھیر کر ہودوں کی رسیاں کاٹ ڈالو۔ لیکن ہاتھیوں کے دل بادل نے صفوں کو چکی کی طرح پیس ڈالا۔ ایک سپید ہاتھی جو ہندوستان سے شاہ ایران کے پاس بھیجا گیا تھا۔ سب کے آگے آگے تھا۔ ابوعبید نے اسے تاکا اور ایسی تلوار ماری کہ سونڈ کٹ کر الگ ہو گئی۔ ہاتھی نے چیخ ماری اور انہیں زمین پر گرا کر سینے پر پاؤں رکھ دیا۔ کہ پسلیاں چور چور ہو گئیں۔

ابوعبید شہید ہوئے تو ان کے بھائی نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اور تلواریں مارتے آگے بڑھے۔ انہیں بھی ہاتھیوں نے روند ڈالا۔ ان کے بعد ابوعبید کے خاندان کے سات بہادروں نے علم سنبھالا اور لڑ بھڑ کر جانیں دیں۔ مسلمان پیچھے ہٹے تو ایک بہادر سپاہی

نے بڑھ کر پل کے تختے توڑ دیئے، اور پکار کر کہا کہ مسلمانوں کہاں بھاگے جاتے ہو۔ پل ٹوٹا پڑا ہے۔ دریا میں ڈوب کر مرنے سے اچھا ہے کہ میدان میں لڑ بھڑ کر جانیں دے دو۔ اور شہادت حاصل کرو۔ پھر بھی بہتیرے لوگ دریا میں کود پڑے۔

مثنیٰ بن حارث نے یہ حال دیکھا تو جھپٹ کر علم سنبھالا۔ کچھ لوگوں کو بھیجا کہ جا کر پل بناؤ اور جو لوگ بھاگے جا رہے ہیں، انہیں دریا کے پار اتار دو۔ اور باقی فوج کو لے کر ایرانیوں کو روکا۔ اور اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ ایرانی ایک انچ آگے نہ بڑھ سکے۔ جب سب لوگ دریا کے پار اتر چکے، تو مثنیٰ اپنے ساتھیوں کو لے کر لڑتے بھڑتے پیچھے ہٹے اور پل سے اتر کر اسے توڑ ڈالا۔ دریا کے پار پہنچ کر فوج پر نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ نو ہزار میں سے صرف تین ہزار سپاہی باقی رہ گئے ہیں۔ وہ بھی سب کے سب زخمی۔ باقی چھ ہزار میں سے دو ہزار تو بھاگ نکلے، چار ہزار مارے گئے۔ جن میں کچھ تو میدان جنگ میں شہید ہوئے۔ کچھ دریائے فرات میں ڈوب کر مرے۔

جو لوگ اس معرکے میں بھاگ نکلے تھے۔ مدتوں منہ چھپائے پھرتے رہے۔ اور شرم سے گھر نہ گئے۔ ادھر مدینہ میں خبر پہنچی تو بڑے زور شور سے تیاریاں ہونے لگیں۔ قبیلہ قبیلہ کے لوگ مدینہ پہنچے اور حضرت عمرؓ سے اجازت لے کر عراق کی طرف بڑھے۔ دو عیسائی شہزادے بھی جو عرب قوم سے تھے، اپنی قوم کی حمایت کے جوش میں دو ہزار سپاہی لے کر مثنیٰ کی فوج میں آ ملے۔ ادھر سے مہران جو ایران کا مشہور بہادر تھا اور مدتوں عربوں میں رہ کر یہاں کے رنگ ڈھنگ اور لڑائی کے طور طریقے دیکھ چکا

تھا،فوج لے کر چلا اور دریائے فرات کے کنارے آ کر ٹھہرا۔اس نے بھی مثنےٰ کو وہی پیغام بھیجا کہ تم آتے ہو۔یا ہم آئیں۔مثنےٰ نے لکھا کہ تم آؤ۔وہ دریا سے اترا اور صفیں باندھیں۔مثنےٰ نے بھی لشکر کو مقابلہ میں اتارا۔اور جب صفیں بندھ چکیں تو دہنے سے بائیں اور بائیں سے دائیں چکر لگا کر ایک جوشیلی تقریر کی اور پکار کر کہا

''دیکھنا آج کے دن عرب کو بدنام نہ کرنا۔''

مسلمان اس طرح لڑائی شروع کرتے تھے کہ سردار تین مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ لگاتا۔پہلے نعرے پر فوج ہتھیار سنبھالتی،دوسرے نعرے پر نیزے تان لیے جاتے تلواریں کھنچ جاتیں اور تیسرے نعرے پر حملہ کر دیا جاتا تھا۔مثنےٰ نے دوسری مرتبہ اللہ اکبر کا نعرہ لگایا تھا کہ ایرانی بڑھے۔مسلمان بھی جوش میں صفوں سے نکلنے لگے،لیکن مثنےٰ نے سب کو ڈانٹا اور تیسری تکبیر کہہ کر باگیں اٹھادیں۔

مثنےٰ نے عیسائی سرداروں کو لے کر ایرانی فوج کے دونوں بازوؤں پر حملہ کر دیا۔اور بائیں بازو کو توڑ کر ایرانی فوج کے بیچوں بیچ جا گھسے۔لیکن ایرانی سنبھل کر اس طرح گرے کہ مسلمان پیچھے ہٹ گئے۔مثنےٰ نے للکارا کہ کہاں جاتے ہو؟۔سب پلٹے اتنے میں مثنےٰ کے بھائی مسعود جو قدم جمائے بڑھ بڑھ کر لڑ رہے تھے۔اور زخم کھا کر گرے اور گرتے گرتے پکارا کہ میری موت کی پرواہ نہ کرو اور بڑھ کر دشمن کا علم گرا دو۔اور ساتھ ہی مثنےٰ نے للکارا کہ مسلمانو!میرا بھائی آن اور ایمان پر جان قربان کر گیا،بہادر یونہی جانیں دیا کرتے ہیں۔خبردار ہمت کا قدم ہٹنے نہ پائے۔مسعود کے

بعد عیسائی شہزادہ نرس بن ہلال زخمی ہو کر گرا۔ مثنیٰ گھوڑے سے کود پڑا اور اسے گود میں اٹھا کر بھائی کے پاس لٹا دیا۔ پھر جی توڑ کر ایسا لڑے کہ ایرانی فوج کے دونوں بازوؤں کا صفایا کر دیا۔ بڑے بڑے ایرانی افسر مارے گئے۔ لیکن مہران برابر آپ لڑتا اور فوج کو لڑاتا جاتا تھا۔ قبیلہ تغلب کے ایک نوجوان نے اسے تاکا اور بڑھ کر اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر اچھل کر اس کے گھوڑے پر جا بیٹھا اور پکار کر کہا کہ میں ہوں قبیلہ تغلب کا نوجوان۔

ایرانی فوج گھونگھٹ کھا کر ہٹی، مسلمانوں نے پل توڑ ڈالا۔ راستہ نہ پا کر پھر پلٹی اور بڑے جوش سے آ گری۔ لیکن تلوار کی آگ نے سب کو جلا کر راکھ کر دیا۔

قادسیہ

اس شکست سے ایران میں گھر گھر کہرام مچ گیا۔ سارے امیروں نے اکٹھے ہو کر مشورہ کیا کہ عورت زات سے ملک کا انتظام سنبھلنا بہت مشکل ہے۔ آخر ملکہ کو تخت سے اتار کے ایک نوجوان شہزادے کو جس کا نام یزدگرد تھا، بادشاہ بنا دیا۔ اس کے تخت پر بیٹھتے ہی ایرانیوں کے حوصلے پھر جوان ہو گئے۔ جگہ جگہ چھاونیاں قائم ہوئیں۔ ہرکارے اور قاصد یہ خبر لے کر دوڑے، اور قومی جوش اور غیرت نے ملک میں آگ لگا دی۔

عراق کے جن جن شہروں پر مسلمانوں نے پھر قبضہ کر لیا تھا۔ وہاں کے لوگوں نے

موقع پا کر بغاوت کردی۔ حضرت عمرؓ کو یہ خبریں پہنچیں تو مثنیٰ کو لکھا کہ فوج کو سمیٹ کر عرب کی طرف ہٹ آؤ۔ پھر سارے ملک میں کمک کے لئے قاصد دوڑائے۔ سعد بن ابی وقاص تین ہزار سپاہی لے کر آئے۔ بنو تمیم نے چار ہزار جان نثار بھیجے۔ یہ آ کر اترے تھے کہ بنو اسد کے تین ہزار بہادر پہنچے۔ ان سب نے مدینہ کے باہر ڈیرے ڈال دیئے۔ اب حضرت عمرؓ کا ارادہ ہوا کہ اس لشکر کو لے کر خود ایرانیوں کے مقابلے پر نکلیں۔ چنانچہ انہوں نے حضرت علیؓ کو مدینہ میں جانشین مقرر کرکے ایران کا رخ کیا۔ اور مدینہ سے تین میل بڑھ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ لیکن سارے بڑے بڑے صحابہ نے جو ساتھ تھے، روکا اور صلاح یہ ٹھہری کہ سعد بن ابی وقاص کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص صحابی تھے۔ اور بڑے بہادر سپاہی تھے۔ ایرانیوں سے لڑنے بھیجا جائے۔

سعد فوج لے کر چلے اور کوئی اٹھارہ منزل طے کرکے پڑاؤ ڈالا۔ یہاں لشکر کا شمار کیا گیا تو معلوم ہوا کہ کل بیس ہزار جان نثار ساتھ ہیں۔ یہاں سے بڑھے اور قادسیہ پہنچ کر اٹکے۔ مثنیٰ بن حارث قادسیہ کے پاس ایک گاؤں میں لشکر لئے پڑے تھے۔ پل کی لڑائی میں انہوں نے دس زخم کھائے تھے۔ وہ پھر کھل گئے۔ اور حضرت سعد کے پہنچنے سے پہلے ہی ان کا انتقال ہو گیا۔ لیکن وہ مرتے وقت وصیت کر گئے تھے کہ جنگ کے مورچے بڑی ہوشیاری سے جمائے جائیں۔ آگے عراق کی وادیاں اور پیچھے عرب کے پہاڑ ہوں۔ تا کہ فتح ہو تو جہاں تک چاہیں آگے بڑھیں اور شکست

کھائیں تو بڑھ کر پہاڑوں میں پناہ لے سکیں۔ حضرت عمرؓ کی بھی یہی رائے تھی۔انہوں نے لکھ بھیجا تھا۔ چنانچہ مسلمانوں نے قادسیہ میں مورچے جمائے اور دشمن کاانتظار کرنے لگے۔

حضرت عمرؓ نے مدینہ سے قادسیہ تک ہر مقام پر ہرکارے بٹھا رکھے تھے۔جو یہاں کی خبریں وہاں پہنچاتے اور وہاں سے حکم احکام یہاں لاتے تھے۔مدینہ سے روز ہدایتیں چلی آتی تھیں اور ان کے مطابق لشکر کا سارا انتظام ہوتا تھا۔اسلامی لشکر کئی دن قادسیہ میں پڑا رہا۔ ایک دن ہرکارے دوڑے دوڑے آئے اور عرض کیا کہ خراسان کا سردار رستم آندھی کی طرح چڑھا چلا آرہا ہے۔ڈیڑھ لاکھ فوج ساتھ ہے۔ نقاروں اور دماموں کی آواز سے دھرتی کانپتی ہے۔سینکڑوں ہاتھی جن پر زربفت کی جھولیں پڑی ہیں۔سونڈوں میں فولادی زنجیریں لیے اس فوج کے آگے آگے ہیں۔غرض رستم بڑی کڑک دمک سے یہ ارادہ لے کر چلا کہ مسلمانوں کو مٹا کر دم لوں گا۔سعد نے حضرت عمرؓ کے پاس قاصد دوڑایا، وہاں سے حکم آیا کہ پہلے کچھ لوگوں کو ایران کے بادشاہ کے پاس بھیجو، جو اسے اونچ نیچ سمجھائیں اور باتوں باتوں میں بتائیں کہ کیوں خلق خدا کا خون اپنی گردن پر لیتا ہے۔یہاں سے چودہ بہادر بھیجے جو گھوڑے اڑاتے مدائن پہنچے جو ان دنوں ایران کا پایہ تخت ہے۔جدھر سے گزرے ایک خلقت دیکھنے کو ٹوٹ پڑی۔ان کی بے سروسامانی کا یہ حال کہ گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار تھے۔کسی کے پاس ہتھیار تک نہ تھے۔صرف ہاتھوں میں کوڑے تھے اور

کندھوں پر چادریں۔اصیل گھوڑے بار بار زمین پر ٹاپیں مارتے تھے، جن کی آواز سے بادشاہ کا محل گونج اٹھتا تھا۔یزدگرد امیروں اور وزیروں کے جھرمٹ میں بیٹھا تھا۔اتنے میں ٹاپوں کی آواز آئی، پوچھا کیا ماجرا ہے؟۔ لوگوں نے بڑھ کر کہا مسلمانوں کے سردار نے ایلچی بھیجے ہیں، حکم ہوا کہ پہلے دربار سجاؤ پھر انہیں لے آؤ۔یہاں حکم کی دیر تھی۔ایران کے پرانے بادشاہوں نے سینکڑوں سالوں میں جو دولت جمع کی تھی، سب لاکر دربار میں ڈال دی۔جڑاؤ تخت اور مونڈھے بچھے تھے۔ اطلس اور بادلے کے شامیانے تنے گئے۔جن کے ستونوں میں ہیرے اور پنے جڑے ہوئے تھے۔جگہ جگہ جواہرات کی گل کاری،سونے روپے کی کثرت دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دھوپ اور چاندنی گلے مل رہے ہیں۔نظروں کے سامنے نور کا دربار لہراتا اور آنکھوں میں چکاچوندی پیدا ہو جاتی تھی۔لیکن جب مسلمان دربار میں لائے گئے تو بادشاہی کا یہ سارا ٹھاٹھ دیکھ کر ان کی پلک تک نہیں جھپکی۔ہاں ان کے چہروں پر ایسا جلال برس رہا تھا کہ سارا دربار سہم گیا۔

اب باتیں شروع ہوئیں یزدگرد بولا کہ آج سے کچھ سال ادھر تم سے زیادہ ذلیل کوئی قوم دنیا میں نہ تھی۔آج تمہیں یہ حوصلہ کیسے ہوا کہ ایران جیسے ملک پر جس کے دلاوروں نے چار کوٹ میں اپنی ہمت کے جھنڈے گاڑ رکھے ہیں، چڑھ دوڑو۔یہ گرم گرم باتیں سن کر مغیرہ بن زرارہ نے جو عرب بھر میں اپنی عقل مندی اور دانائی کے لئے مشہور تھے۔اٹھ کر کہا کہ اس سے کس کو انکار ہے،یہ سب سچ ہے کہ ہم مدتوں ذلت

کے گڑھے میں پڑے رہے۔لیکن اللہ کا ہزار احسان ہے کہ اس نے ہمارے پاس اپنا سچا نبیؐ بھیجا۔اس نے ہمیں خاک سے اٹھا کر پاک کیا۔گمراہی اور ذلت سے چھڑایا۔ہمارا مرتبہ بڑھایا۔اب ہم آپ کے پاس یہ پیغام لے کر آئے ہیں کہ یا تو اسلام قبول کر کے ہمارے بھائی بن جائیے یا جزیہ دے کر ہماری پناہ میں آ جائیے۔یہ بھی منظور نہیں تو ملک خدا کا ہے۔اور حکم بھی خدا کا۔تلوار سارے جھگڑے مٹا دے گی۔یزدگرد شعلہ کی طرح بھڑک کر بولا، کہ یزدان کی قسم اگر ایلچی کے خون سے ہاتھ بھرنا جائز ہوتا تو اب تک تمہاری لاشیں تڑپتی نظر آتیں۔پھر مٹی کا ایک ٹوکرا منگوا کر کہا تمہارا سردار کون ہے۔عاصم بن عمر جو بڑے ڈیل ڈول کے انسان تھے، آگے بڑھے،اس نے ان کے سر پر ٹوکرا رکھوا دیا۔وہ سعد کے پاس آئے اور کہا مبارک ہو دشمن نے خود اپنی زمین ہمیں سونپ دی ہے۔

رستم نے مدائن سے بڑھ کر ساباط میں پڑاؤ ڈالا۔اور کئی مہینے تک وہیں پڑا رہا۔ جب مدائن سے بار بار حکم آئے کہ دشمن پر فوراً حملہ کرو تو ساباط سے نکلا اور قادسیہ پہنچ کر ڈیرے ڈال لیے۔مدت تک دونوں فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں۔سعد بن ابی وقاص نے جاسوس لگا رکھے تھے، جو ایرانی فوج کے رنگ ڈھنگ، رسد کے سامان ، پیچھے کی مدد کی خبریں پہنچاتے تھے۔بعض فوجی افسر بھی بھیس بدل کر دشمن کے لشکر میں جاتے اور دشمن کی خبریں لاتے تھے۔ایک رات طلیحہ بن خویلد جو اس ملک کے طور طریقوں سے واقف تھے، ایرانی لباس پہن کر نکلے اور پھرتے پھراتے ایک مشہور

ایرانی پہلوان کے خیمے کی طرف جانکلے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ ایک اصیل عراقی گھوڑا جس کے سر پر سنہری کلغی آگ کے الاؤ کے شعلوں کی روشنی میں آگ کی طرح دہک رہی ہے۔ کلا بتونی باگ ڈور سے بندھا تھان پر کھڑا ہے۔ انہوں نے چپکے سے اس کی باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکائی، گھوڑے کی ٹاپوں سے جاگ ہوگئی، اور لوگوں نے ان کا پیچھا کیا۔ یہ ایرانی فوج سے باہر نکل آئے تھے، لیکن پیچھا کرنے والے برابر آگے بڑھتے چلے آرہے تھے۔ اور سب تو پیچھے رہ گئے، لیکن گھوڑے کا مالک اور دو اور نامی بہادر جو ایک ہزار ہزار سوار کے برابر سمجھے جاتے تھے۔ سر پر آپہنچے اور ایک دوسرے کو پکارا کہ دیکھنا بچ نہ پائے۔ طلحہ رکے کہ اب مڑنا بہادری کی شان اور مردی آئین کے خلاف ہے۔ پہلے گھوڑے کا مالک جس کی شہسواری کی دھوم سارے ایران میں تھی، بڑھا اور بڑے زور سے نیزے کا وار کیا، طلیحہ نے خالی دیا اور ایرانی پہلوان اپنے زور میں زمین پر آرہا۔ انہوں نے جھک کر اس طرح نیزہ مارا کہ سینے کو توڑ کر پار ہو گیا۔ باقی دو سواروں میں سے ایک مارا گیا۔ دوسرے نے ان کے ساتھ قیدی بن کر چلنا منظور کرلیا۔ اتنے میں ایرانی چاروں طرف سے اُمڈ پڑے۔ لیکن یہ لڑتے بھڑتے نکل آئے۔ جو ایرانی قیدی ہو کر آیا تھا۔ اس نے اسلام قبول کرلیا۔ اس سے بڑے بڑے کام نکلے۔ اور دشمن کی فوج کے بہت سے بھید اس کی زبانی معلوم ہوئے۔

رستم اگرچہ بہت بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ آیا تھا۔ لیکن اس کے دل پر مسلمانوں کا

رعب کچھ اس طرح چھایا ہوا تھا۔ کہ لڑائی شروع کرنے کا حوصلہ نہ پڑتا تھا۔ ایک دن اس نے پیغام بھیجا کہ مسلمانوں کی طرف سے کوئی آئے اور ہم سے صلح کی بات چیت کرے۔ ادھر سے ربعی بن عامر عجیب دھج بنا کر نکلے۔ عرق گیر کا ایک ٹکڑا زرہ کی طرح جسم پر لپٹا ہوا تھا۔ سر پر بھی اسی کا ایک ٹکڑا تھا۔ کمر میں رسی کا پٹکا۔ تلوار کا میان بوسیدہ جس پر چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے۔ اس وضع سے سیدھے رستم کے دربار میں گھس گئے۔ گاؤ تکیے سے گھوڑے کی باگ ڈور باندھ کر، برچھی ہاتھ میں لیے آگے بڑھے۔ لیکن برچھی کو فرش میں چبھوتے جاتے تھے۔ رستم کے تخت کے پاس پہنچ کر فرش میں نیزہ گاڑ دیا۔ اور باتیں شروع کیں۔ رستم نے کہا تم اس ملک پر کیوں چڑھ آئے؟۔ انہوں نے کہا اس لئے کہ تاکہ بندوں کی جگہ سچے خدا کی پوجا کی جائے۔ رستم سے اس بات کا کوئی جواب بن نہ پڑا۔

ربعی کو جو لوگ دیکھتے انہیں اچنبھا ہوتا کہ یہ لوگ کیا سمجھ کر ایران پر چڑھ دوڑے ہیں۔ ربعی نے ان کی باتیں سن کر تلوار نکالی تو اس کی چمک دمک سے سب کی آنکھیں جھپک گئیں۔ ایرانیوں نے تلوار کی کاٹ اور روانی دیکھنے کے لئے ڈھالیں آگے بڑھائیں، لیکن ایک ہی وار میں ٹکڑے اڑ گئے۔ یہ دیکھ کر سارے دربار میں سناٹا چھا گیا۔

یونہی کئی دن تک آدمی آتے جاتے رہے۔ ایک دن مغیرہ گیا اور گھوڑے سے اتر کر رستم کے تخت پر جا چڑھے۔ اور اس کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ رستم مارے

غصے کے کانپنے لگا۔ چوب داروں نے آگے بڑھ کر مغیرہ کو تخت سے اتارنا چاہا، انہوں نے کہا میں آپ نہیں آیا ہم نے بلوایا تو میں آ گیا۔ لیکن ہمارے **ملک** میں یہ رسم نہیں کہ ایک شخص بیچ میں خدا بن کر بیٹھ جائے اور لوگ اس کے سامنے سر جھکائے کھڑے رہیں۔ یہ سن کر رستم بہت شرمندہ ہوا اور کہنے لگا کہ یہ نوکروں کی غلطی ہے۔ میں نے انہیں یہ نہیں کہا۔ پھر مغیرہ کے ترکش کو دیکھنے لگا۔ اور تیروں کو ہاتھ میں لے کر بولا، یہ تیر ہیں یا تکلے۔ انہوں نے جواب دیا، آگ کتنی تھوڑی ہو جلائے بغیر نہیں رہتی۔ اس نے تلوار کے میان کو دیکھ کر کہا کتنا ٹوٹا پھوٹا میان ہے؟ مغیرہ نے جواب دیا آپ میان کو کیا دیکھتے ہیں، ذرا تلوار دیکھیے، جس پر ابھی باڑھ رکھی گئی ہے۔ رستم بولا، لیکن اس ان گنت لشکر سے تم کیوں کر مقابلہ کر سکو گے؟ میری سنو تو اب بھی واپس چلے جاؤ۔ میں تمہیں کچھ انعام دلوا دوں گا۔ مغیرہ نے تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھ کر کہا، تلوار سارے جھگڑے چکا دے گی۔ رستم رعد کی طرح گرجا کہ سورج کی قسم کل سارے عرب کو مٹا دوں گا۔ مغیرہ اٹھ کر چلے آئے۔

ادھر رستم نے فوج کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ مسلمانوں اور ایرانیوں کے درمیان ایک نہر تھی۔ اسے پاٹ کر سڑک بنائی گئی۔ ایرانی فوج نہر سے پار اتری۔ رستم نے تیرہ صفیں باندھ کر فوج کا قلعہ بنا دیا۔ دہنے بازوؤں پر ہاتھیوں کے پرے، فوج کے درمیان بھی ہاتھیوں کا دل بادل، تا کہ مسلمان اگر ایرانیوں کو ریل کر یہاں تک بڑھ آئیں، تو انہیں ہاتھی روند ڈالیں۔

سعد بیمار تھے اور چل پھر نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے یہ انتظام کیا، کہ قادسیہ کے پرانے محل میں بیٹھے رہتے، جو اسلامی لشکر کی پشت پر تھا۔ اور جو حکم دینا ہوتا، وہ پرچے پر لکھ کر اور گولی بنا کر پھینک دیتے۔ مسلمانوں کے سردار اسی کے حکم کے مطابق فوج کو لڑاتے، جب دونوں لشکر صفیں باندھ چکے تو شاعر جن کی زبان میں اثر اور الفاظ میں جادو تھا، بڑھے اور ایسی تقریریں کیں کہ بہادر شجاعت کے جوش میں جھومنے لگے۔

سب سے پہلے ایک ایرانی تیر انداز ریشمی کپڑے پہنے سنہری پٹکا باندھے نکلا، ادھر عمرو سعدی کرب جو عرب کے نامی شہسوار تھے۔ آگے بڑھے، اس نے تیر مارا، انہوں نے خالی دیا۔ پھر گھوڑا اڑا کر پاس پہنچے اور رکاب سے رکاب ملا کر اسے اٹھا لیا اور زمین پر پٹک کر تلوار سے گردن اڑا دی۔ پھر دونوں طرف سے یونہی بہادر نکلے اور دیر تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر دونوں لشکر مل گئے، قبیلہ بجیلہ کے بہادروں نے گھوڑے اڑا کر اس زور سے حملہ کیا کہ ایرانی فوج کی صفیں ٹوٹنے لگیں۔ انہوں نے ہاتھیوں کو آگے بڑھایا، مسلمانوں کے گھوڑے انہیں دیکھ کر بدکنے لگے۔ سعد نے طلیحہ بن خویلد الاسدی کو حکم بھیجا کہ اس کالی آندھی کو روکو۔ انہوں نے اپنے قبیلہ کی طرف دیکھ کر کہا بھائیو سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے۔ یہ سن کر سارے قبیلے نے ایسے نیزے تانے اور گھوڑے اڑا کر ایسا حملہ کیا کہ ایرانی جو سیلاب کی طرح بڑھے چلے آ رہے تھے، رک گئے۔ ساتھ ہی قبیلہ بنی تمیم کے بہادر جو تیر کا نشانہ لگانے میں مشہور تھے۔ کمانیں لے کر بڑھے اور گھٹنے ٹیک کر تیروں کا مینہ برسا دیا۔ اتنے میں رات نے

اندھیرے کی دیواریں کھڑی کردیں۔دونوں لشکر ہٹ کر اپنی اپنی جگہ آئے۔

دوسرے دن پھر ایرانی اور مسلمانوں کے لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی کہ ایک طرف سے غبار اٹھا،کسی نے کہا کہ ایرانیوں کی کمک آن پہنچی،کوئی بولا کہ مدینہ سے حضرت عمرؓ نے فوج بھیجی ہے۔اتنے میں گرد کا دامن پھٹا اور اسلامی جھنڈے نظر آئے۔ایک بہادر گھوڑا مار کے خبر لانے گیا۔اور تھوڑی دیر میں واپس آکر کہنے لگا کہ مبارک ہو حضرت ابوعبیدہ بن الجراح نے چھ ہزار سپاہی جن کے سردار ہاشم بن عتبہ تھے،مدد کو بھیجے ہیں قعقاع بن عمرو جو قبیلہ بنی تمیم کے مشہور شہسوار ہیں،اور شام اور روم کے معرکوں میں نام نکال چکے ہیں،ان کے ساتھ ہیں۔

قعقاع نے اس فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا دیئے تھے۔جو تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد اس طرح میدان میں آئے کہ ادھر ایک دستہ آکر پہنچا،ادھر دوسرے دستے کے نشان لہراتے نظر آئے۔ہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا آتا اور ایرانی فوج پر جا گرتا۔اسی طرح شام تک فوج آتی رہی،ایرانی مسلمانوں کا زور شور دیکھ کر گھبرا گئے۔

قعقاع اس فوج کے آگے آگے تھے،میدان میں پہنچتے ہی انہوں نے صف سے گھوڑا نکالا،ادھر سے بہمن جو ایرانیوں کا مشہور سپہ سالار تھا۔اور پل کے معرکہ میں مسلمانوں کو شکست دے چکا تھا۔ بھالے کے ہاتھ نکالتا،سپہ گری کے کرتب دکھاتا،گھوڑا کدا کے سامنے آیا۔قعقاع کے دل پر پل کی لڑائی کا داغ تازہ تھا۔اس

طرح تلواریں ماریں کہ بہمن کے لئے دم لینا مشکل ہو گیا۔آخر ایک وار ایسا پڑا کہ دشمن خاک کا ڈھیر تھا۔بہمن کے مرتے ہی ایرانیوں کے چہرے پر زردی چھا گئی۔ ادھر مسلمانوں نے اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا کہ ک جنگل اور پہاڑ کانپ اٹھے۔بہمن کے بعد ایک اور ایرانی پہلوان آیا،وہ بھی مارا گیا۔پھر دونوں طرف سے اور سپاہی میدان میں نکلے اور بہادر یکے جوہر دکھا کر سرخرو ہوئے۔پھر دونوں لشکر بڑھے اور عام جنگ شروع ہوگئی۔

ایرانیوں کو ہاتھیوں کا بڑا سہارا تھا۔مسلمانوں کے گھوڑے ان کی ڈراونی صورتیں دیکھ دیکھ کر بے قابو ہوئے جاتے تھے۔قعقاع بن عمرو نے جو تلوار کے دھنی ہی نہیں بلکہ تدبیر کے میدان کے بھی پہلوان تھے۔اونٹوں پر جھول اور برقع ڈال کر ان کی شکلیں ایسی ڈراونی بنا دیں کہ گھوڑے ہاتھی بھی انہیں دیکھ کر بدکنے لگے۔

ابو ثقفی محجن ایک مشہور بہادر تھے،سعد بن ابی وقاص نے انہیں کسی جرم پر قادسیہ کے قلعہ میں بند کر دیا تھا۔وہ قید خانہ کے دریچہ سے لڑائی دیکھتے اور بے چین ہو ہو کر پکار اٹھتے تھے۔

اس سے بڑا دکھ اور کیا ہوگا کہ سوار نیزہ بازی کر رہے ہیں اور میں زنجیروں میں جکڑا ہوا ہوں۔اور جب کھڑا ہونا چاہتا ہوں تو بوجھل بیڑیاں اٹھنے نہیں دیتیں۔

سعد کی بیوی بھی قلعہ میں تھی،ابو محجن نے ان سے گڑگڑا کر کہا کہ خدا کے لئے مجھے چھوڑ دو،لڑائی سے جیتا بچا تو خود آ کر بیڑیاں پہن لوں گا۔انہوں نے ترس کھا کر ابو

محجن کی بیڑیاں کاٹ ڈالیں، وہ سعد کے گھوڑے پر سوار ہوئے، برچھا تانے اس طرح بڑھے کہ جدھر جا پڑے، دشمنوں کی صفوں میں کھلبلی ڈال دی۔ شام ہوئی تو ابو محجن نے قید خانے میں جا کر بیڑیاں پہن لیں۔ سعد قلعہ سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے اور حیران تھے کہ گھوڑا تو میرا ہے۔ لیکن خدا جانے یہ سوار کون ہے؟۔ رات کو ان کی بیوی نے انہیں یہ حال سنایا تو بہت خوش ہوئے اور ابو محجن کو رہا کر دیا۔

تیسرے دن پھر دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ قعقاع نے بہت سے سوار رات کو ہی جنگل میں چھپا رکھے تھے۔ جب لڑائی شروع ہوئی تو سو سو سواروں کے دستے اللہ اکبر کے نعرے لگاتے اس زناٹے سے دہنے بائیں آگرے کہ ایرانیوں کے ہوش اڑ گئے، سب نے یہی سمجھا کہ شام سے مسلمانوں کی کمک آن پہنچی۔ ابھی یہ دستے آرہے تھے کہ سات سو سواروں کی تازہ دم فوج جسے حضرت ابو عبیدہ نے شام سے بھیجا تھا، آپہنچی اور مسلمانوں کے حوصلے بڑھ گئے۔

ایرانیوں نے پیدل فوج کے دہنے بائیں ہاتھیوں کے پرے جمائے تھے۔ عمرو بن معدی کرب اپنے قبیلے کو لے کر ہاتھیوں کی طرف بڑھے، لیکن دہنے بائیں سے پیدل فوجیں آکر گریں۔ اور ایسا غبار اٹھا کہ عمرو بن معدی کرب اور ان کے ساتھی نظروں سے چھپ گئے۔ تھوڑی دیر بعد ہوا نے گرد و غبار کے دامن کا پھاڑا اور عمرو بن معدی کرب نظر آئے۔ سارے جسم پر برچھیوں کے زخم، تلوار پر خون کے لختے جمے ہوئے تھے۔ لیکن جدھر بڑھتے تھے تلوار کی بجلی کے سامنے دشمن کی فوج کائی کی طرح

پھٹ جاتی تھی۔ایک ایرانہ شہسواران کے پاس سے نکلا، انہوں نے گھوڑے کی دم پکڑ لی۔ایرانی نے باربار پیڑی جمائی، لیکن انہوں نے گھوڑے کو بڑھنے نہ دیا۔آخراتر کر بھاگا، یہ گھوڑے پر سوار ہوگئے اور دونوں لڑنے لگے۔

اب ادھر سے عمرو بن معدی کرب اور ادھر قعقاع اور عاصم نے ہاتھیوں کو گھیرا۔دو ہاتھی آگے آگے تھے۔ایک سپید اور ایک سیاہ، قعقاع اور عاصم نے ایسے تاک تاک کر نیزے مارے کہ سپید ہاتھی کی آنکھیں بےکار ہوگئیں، ہاتھی چنگھاڑ کر پیچھے ہٹا، قعقاع نے تلوار ماری کہ سونڈ الگ ہوگئی۔دوسرا ہاتھی بھی زخم کھا کر بھاگا۔ساتھ ہی تیروں اور نیزوں کا مینہ برسا، اور سارے ہاتھی بھاگ کھڑے ہوئے۔اتنے میں سورج نے اپنا سنہری پھریرا جھکا دیا۔اور رات کا سیاہ جھنڈا لہرایا۔ لیکن مسلمان ارادہ کر چکے تھے کہ اب جنگ کو دوٹوک کرکے ہٹیں گے۔ساری فوج کو ایک جگہ سمیٹا اور تین صفیں جمائیں۔سعد کا حکم تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جائے۔لیکن ایرانیوں نے تیر برسانے شروع کیے تو قعقاع نے گھوڑا اڑایا، اور قبیلہ بنو تمیم کے بہادروں کو لے کر دشمن پر جا پڑے۔انہیں دیکھ کر دوسرے قبیلے بھی بڑھے، لیکن ایرانی جی توڑ کر لڑے کہ مسلمانوں کے گھوڑے قدم آگے بڑھا نہ سکے۔یہ دیکھ کر مسلمان گھوڑوں سے کود پڑے، اور تلواریں سونت کر حملہ کیا۔لیکن تلواریں ایرانیوں کی زرہوں پر اچٹ اچٹ کر گئیں۔مسلمانوں نے برچھے سنبھالے اور ایسے حملے کئے کہ دم بھر میں ہزاروں کا کھیت ڈال دیا۔ساری رات یونہی جنگ ہوتی رہی۔نیند کے مارے

پلکیں جھکی جاتی تھیں۔لیکن ہاتھ برابر چل رہے تھے۔پچھلے پہر جب صبح کے ستارے نے آنکھ کھولی تو قعقاع چند نامور بہادروں کو سمیٹ کر اس کی طرف بڑھے، جہاں رستم سنہری چتر کے سائے میں بیٹھا فوج کو لڑا رہا تھا۔عمرو بن معدی کرب، عاصم اشعث، قیس، طلیحہ گھوڑوں سے کود پڑے۔تلواروں کے نیام توڑ ڈالے۔اور ایرانیوں کو ریلتے رستم کے قریب پہنچ گئے۔

رستم نے یہ حال دیکھا تو تخت سے کود کر تلوار گھسیٹ لی اور دیر تک بڑی بہادری سے خود لڑتا اور فوج کو لڑاتا رہا۔جب زخموں سے نڈھال ہو گیا،تو جان بچا کر بھاگا، راستے میں نہر تھی، اس میں کودا اور جان بچا کر اور تیر کر نکل جانا چاہتا تھا۔لیکن ایک بہادر سپاہی نے جس کا نام ہلال تھا، پیچھا کر کے تلوار کے ایک ہی وار سے اس کا کام تمام کر دیا۔ایرانی فوج نے جو ابھی قدم جمائے لڑ رہی تھی، پلٹ کر دیکھا تو تخت خالی پایا۔بدحواس ہو کر بھاگی، لیکن مسلمانوں نے پیچھا کر کے ہزاروں کو تلواروں کے گھاٹ اتار دیا۔اس فتح نے ایرانیوں کا زور بالکل توڑ دیا۔اور عراق کے جو علاقے مسلمانوں کے قبضے سے نکل گئے تھے۔انہوں نے پھر اطاعت قبول کر لی۔

مدائن کی فتح

جو ایرانی سردار قادسیہ سے بھاگے تھے، وہ بابل پہنچ کر رکے اور آس پاس کے علاقوں سے لشکر سمیٹ کر لڑنا چاہا۔لیکن شکست کھا کر بھاگے اور بابل پر بھی مسلمانوں

کا قبضہ ہو گیا۔ سعد نے یہاں ٹھہر کر اپنے ایک سردار زہرہ کو آگے بھیجا۔ وہ کوثی پہنچے تو شہر یار جو کوثی کا رئیس تھا لشکر لے کر مقابلے کو بڑھا، لیکن قبیلہ تمیم کے ایک غلام کے ہاتھوں مارا گیا۔

مسلمان کوثی سے بڑھے تو بہرہ شیر پر بڑے زور کارن پڑا، اور مسلمانوں نے قلعہ پر فتح کا پرچم گاڑ دیا۔ اس سے آگے مدائن تھا۔ راستے میں دریائے دجلہ پڑتا تھا۔ ایرانیوں نے دریائے دجلہ کے پل توڑ ڈالے اور کشتیوں کو آگ لگا دی۔ سعد نے جوش میں آکر دریا میں گھوڑا ڈال دیا، ان کی ہمت دیکھ کر سب نے باگیں اٹھائیں اور اسی طرح رکاب سے رکاب ملائے دریا میں بڑھے چلے گئے۔ کہ صفیں تک ٹوٹنے نہ پائیں۔ ایرانی یہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ یہ انسان نہیں، جن بھوت ہیں، بھاگ کھڑے ہوئے، تیر اندازوں کا ایک دستہ دریا کے گھاٹوں کو روکے ہوئے تھا۔ مسلمانوں نے اسے بھی مار بھگایا۔ ادھر یزدگرد نے بال بچوں کو پہلے ہی حلوان بھیج دیا تھا، جو مدائن سے سو میل دور پہاڑوں میں گھرا ہوا محفوظ شہر تھا۔ یہ خبر سن کر خود بھی بھاگا، سعد مدائن پہنچے تو یزدگرد کے سپید محل میں سناٹا تھا۔ یہاں پہنچ کر سب سے پہلے نماز پڑھی، دو تین دن یہاں ٹھہر کر آس پاس کے علاقے کا انتظام کیا۔ پھر حکم دیا کہ جتنا مال ہاتھ آیا ہے۔ ایک جگہ جمع کیا جائے۔ یہاں دولت کا کیا شمار تھا، محل کا ہر ستون ایک ڈال سنگ مرمر کا تراشا ہوا، جگہ جگہ جواہرات کی پچی کاری، شاہی خزانے سے سونے کا ایک گھوڑا ہاتھ آیا۔ جس پر چاندی کا زین کسا ہوا تھا۔ اس پر چاندی کا

سوار، زین اور لگام میں یاقوت اور زمرد جڑے ہوئے تھے۔ ایک اونٹنی چاندی کی بنی ہوئی تھی۔ جس کے دانت ہیرے کے تھے۔ مہار میں موتی پروئے ہوئے تھے۔ سانڈنی سوار کے جسم میں جواہرات ہی جواہرات تھے، اور اسی قسم کی بیسیوں چیزیں تھیں۔ جو برسوں کی محنت اور لاکھوں روپوں سے تیار ہوئی تھیں۔ لیکن ایک فرش تھا۔ دنیا کے عجائبات کا نمونہ، یہ فرش کا ہے کو تھا، ایک باغیچہ تھا۔ جس میں سونے، پنے اور ہیرے سے بہار کا سماں دکھایا گیا تھا۔ فرش کی زمین سونے کی تھی۔ بیچ میں سبزہ کا چمن جو زمرد کے نگینوں سے بنا تھا۔ پکھراج کی روشیں، سونے چاندی کے درخت، ہیرے اور لعل کے پھل اور پھول، دوسری چیزوں کے ساتھ ساتھ یہ بھی مدینہ پہنچا۔ جہاں اسے ٹکڑے ٹکڑے کرکے مسلمانوں میں بانٹ دیا گیا۔

کوفہ اور بصرہ کی آبادی

اسی زمانے میں مسلمانوں نے عراق میں دو نئے شہر آباد کوفہ اور بصرہ آباد کیے۔ دجلہ کے کنارے کی آب وہوا عربوں کو راس نہیں آتی تھی۔ دنوں میں ان کا رنگ روپ بدل گیا۔ حضرت عمرؓ نے کچھ لوگوں کو مقرر کیا کہ کوئی ایسی جگہ جس کی آب وہوا عرب کی آب وہوا سے ملتی جلتی ہو، تلاش کرکے شہر بسائیں۔ انہوں نے دریائے فرات کے کنارے مغرب میں ایک ریتلی اور کنکریلی زمین پسند کرکے وہاں شہر کی داغ بیل ڈالی۔ یہ شہر دریا کی طرف ڈیڑھ دو میل کے فاصلے پر تھا۔ اس کا نام کوفہ رکھا

گیا۔ آگے چل کر یہ شہر علم کا مرکز بنا۔ اور یہاں بڑے بڑے عالم فاضل پیدا ہوئے۔ دوسرا شہر بصرہ تھا۔

مسلمانوں کو ہمیشہ یہ خدشہ رہتا تھا کہ کہیں ایران یا ہندوستان کے لوگ سمندر کے راستے عراق پر حملہ نہ کردیں۔ اس لئے سمندر کے کنارے جہاں فارس اور ہندوستان کے جہاز لنگر ڈالتے تھے، ایک کف دست میدان میں جس کی زمین پتھریلی تھی، شہر بصرہ بسایا گیا۔ یہاں پانی نایاب تھا، اس لئے دریائے دجلہ سے جو اس جگہ سے دس میل دور تھا، میٹھے پانی کی نہر کاٹ کر لائی گئی۔

اب سعد نے ہاشم بن عتبہ اور قعقاع بن عمرو کو بارہ ہزار سپاہی دے کر جلولا کے پرانے شہر بھیجا۔ وہاں لاکھوں ایرانی جمع ہوئے۔ آخر ایک دن مسلمان بڑے زور سے نکلے اور شہر کا پھاٹک توڑ کر گھس گئے، لڑ بھڑ کر شہر پناہ پر جھنڈے گاڑ دیئے۔ یزدگرد جلوان میں تھا۔ اس فتح کی کبر پہنچی تو رے کی طرف بھاگا۔ مسلمانوں نے آگے بڑھ کر جلوان پر قبضہ کرلیا۔ یہاں عراق کی سرحد ختم ہو کر ایران کی سرحد اور اس کا اصلی ملک ایران شروع ہوتا تھا۔ مسلمانوں کو چونکہ ایران پر حملہ کرنے کا حکم نہیں تھا۔ اس لئے وہ یہیں رک گئے۔

پہلے تو ایرانیوں نے غنیمت سمجھا اور چپ چاپ رہے۔ لیکن کچھ دنوں میں دلوں کے زخم پھر ہرے ہوئے، مدائن کے چھن جانے کے خیال نے قومی غیرت کو ابھارا، اور ایران کے سارے صوبوں میں جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دجلہ اور فرات کے درمیان جو سرزمین ایشیا کوچک اور آرمینیا کے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے۔ اسے اس زمانے میں جزیرہ کہتے تھے۔ چونکہ اس علاقے کی سرحد عراق سے ملی ہوئی تھی۔ اس لئے سب سے پہلے اسی نے لڑائی چھیڑی۔ مسلمانوں نے بڑھ کر جزیرے کے ایک ایک شہر پر قبضہ کرلیا۔

ہرمزان مدینہ میں

اہواز کا شہر عراق اور فارس کے درمیان واقع ہے۔ یہاں ہرمزان جو ایک بہادر ایرانی سردار تھا، فوجیں لیے پڑا تھا، کبھی کبھی جو طبیعت میں جوش اٹھتا تو مسلمانوں کے علاقے پر چڑھ آتا، ایک دفعہ مسلمان بڑے زور شور سے بڑھے۔ ہرمزان نے اہواز کا علاقہ مسلمانوں کے حوالے کر کے صلح کر لی، لیکن کچھ دنوں بعد عہد توڑ کر اس نے کردوں اور شالی کوہستان کی بہادر قوموں کو سمیٹا اور مسلمانوں پر چڑھ دوڑا، ادھر سے فوجیں پہنچیں تو پھر بھاگا اور شوستر پہنچ کر مقابلے کی تیاریاں کیں۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے جو مسلمانوں کی فوج کے سردار تھے۔ شوستر پر حملہ کر دیا۔ ہرمزان پہلے باہر نکل کر لڑا، لیکن جب کوئی بس نہ چلا تو قلعہ میں بیٹھ کر لڑائی شروع کی۔

ایک رات ایک مسلمان ایک نہر سے جو شوستر کے نیچے بہتی ہے۔ پار اتر کر ایک تہہ خانے کے راستے شہر کے اندر جا پہنچا، سارا شہر دیکھ کر لوٹا، دوسو بہادر ساتھ لیے اور اسی راستے سے گزر کر قلعہ کا پھاٹک کھول دیا۔ پھاٹک کے کھلتے ہی ساری فوج ٹوٹی،

ہرمزان شہر کے رئیسوں کے جھرمٹ میں بیٹھا تھا کہ شور سنائی دیا۔اس نے فوراً سمجھ لیا کہ کھیل بگڑ چکا ہے۔ بھاگ کر قلعہ کے برج پر چڑھ گیا،مسلمان اسے پکڑنے آگے بڑھے تو اس نے پکار کر کہا خبردار آگے نہ بڑھنا،میرے ترکش میں ابھی سو تیر باقی ہیں،جو بڑھا اس کی خیر نہیں،البتہ میں اس شرط پر برج سے اترتا ہوں کہ مجھے مدینہ بھیج دیا جائے۔حضرت ابوموسیٰ اشعری نے شرط منظور کر لی اور اسے کچھ لوگوں کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔

ہرمزان بڑے کروفر کے ساتھ مدینہ سے چلا،ایران کے کئی نامی رئیس اور خاندان کے لوگ ساتھ تھے،مدینہ کے پاس پہنچ کر اس نے اپنا خاص لباس پہنا،سر پر جڑاؤ تاج جس میں بڑے بڑے نگینے جڑے تھے، گلے میں مالا، بازوؤں پر جڑاؤ بند، کمر میں تلوار جس کا قبضہ جواہر نگار تھا۔اس کا خیال تھا کہ جس شخص کی فوجوں نے روم،شام، ایران وعراق میں کھلبلی ڈال دی ہے۔اس کا دربار بڑی شان وشوکت کا ہوگا۔مدینہ پہنچ کر اس نے پوچھا کہ بادشاہ کا محل کہاں ہے؟۔لوگ جو اس کا زرق برق لباس دیکھکر حیران تھے،اسے لے کر حضرت عمرؓ کی خدمت میں پہنچے۔وہ اس وقت مسجد میں تھے،لوگ اسے لے کر وہیں پہنچے۔ ہرمزان یہ دیکھ کر سناٹے میں آ گیا کہ ایک شخص جس کے کپڑوں میں پیوند لگے تھے،فرش خاک پر بیٹھا ہے۔لیکن اس خاکساری کے لباس میں رعب ودبدبہ کا یہ حال ہے کہ چہرے پر نظر نہیں ٹھہرتی۔

ایک صحابی کچھ کچھ فارسی جانتے تھے،ان کے ذریعے باتیں شروع ہوئیں۔چونکہ

ہرمزان بار بار قول کر کے پھر جاتا تھا۔اور شوستر کی لڑائی میں دو مسلمان افسر اس کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔اس لئے سب کو یقین تھا کہ حضرت عمرؓ اس کے قتل کا حکم دیں گے۔اتنے میں ہرمزان نے پینے کے لئے پانی مانگا، جب اسے پانی کا پیالہ دیا گیا تو اس نے کہا کہ مجھ سے وعدہ کیجئے کہ جب تک میں یہ پانی کا پیالہ نہ پی لوں، مجھے قتل نہ کیا جائے۔حضرت عمرؓ نے یہ شرط منظور کر لی۔ ہرمزان نے پانی پھینک دیا اور بولا، میں پانی کب پینا چاہتا تھا۔یہ تو صرف جان بچانے کا ایک حیلہ تھا۔اب آپ مجھے قتل نہیں کر سکتے۔

ابھی سب لوگ ایرانی سردار کی حیلہ بازی پر تعجب ہی کر رہے تھے کہ اس نے کلمہ پڑھا اور کہنے لگا کہ میں نے یہ تدبیر صرف اس لئے کی تھی کہ تا کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہرمزان نے جان کے خوف سے کلمہ پڑھا اور مسلمان ہو گیا۔یہ سن کر حضرت عمرؓ بہت خوش ہوئے اور ہرمزان کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا۔اور اسے خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت بخشی۔

نہاوند کا معرکہ اور دوسری لڑائیاں

یزدگرد حلوان سے بھاگ کر کچھ دن رے میں رہا۔وہاں سے خراسان کے صدر مقام مرو میں پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے۔باپ دادا کے نمک خوار ساتھ تھے۔انہوں نے ادھر ادھر سے فوجیں سمیٹیں۔مرو میں پھر مدائن کی طرح بڑے ٹھاٹھ سے دربار سجا۔

لاکھوں روپے کے خرچ سے ایک آتش کدہ تیار ہوا۔ مقدس آگ کی پوجا ہونے لگی۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ مسلمان عراق کی سرحد تک پہنچ کر رک جائیں گے۔ لیکن ان کے قدم آگے بڑھتے معلوم ہوتے تو یزدگرد نے ہرمزان کے بیٹے مروان شاہ کو مسلمانوں کے مقابلے پر بھیجا۔ ایرانی لشکر نہاوند پہنچ کر رکا۔ ادھر سے نعمان بن مقرن کو تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ بھیجا گیا، وہ نہاوند سے چھ سات میل ادھر ا ٹکے، اور قعقاع بن عمرو کو تھوڑی سی فوج دے کر نہاوند کے مقام پر بھیجا۔ انہوں نے جنگ چھیڑ کر پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ جب ایرانی بڑھتے بڑھتے وہاں پہنچے، جہاں نعمان بن مقرن فوج لیے پڑے تھے، تو مسلمان اس طرح آ گرے کہ تھوڑی دیر میں ہزاروں کا کھیت ڈال دیا۔ گھمسان کی لڑائی میں نعمان بن مقرن کے گھوڑے کا پاؤں پھسلا، اور وہ زخم کھا کر گرے، لیکن گرتے گرتے پکارے کہ میرا خیال نہ کرو۔ اور بڑھتے چلے جاؤ۔ ان کے بھائی نے جھپٹ کر علم سنبھالا اور ان کے گھوڑے پر چڑھ کر لڑنے لگے۔ رات ہوتے ہوتے ایرانی فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ فتح کے بعد ایک سپاہی نعمان کے پاس پہنچا، دیکھا کہ آخری وقت ہے۔ سر اٹھا کر زانو پر رکھا، انہوں نے آنکھیں کھول دیں اور پوچھا کیا ہوا؟ اس نے کہا مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ انہوں نے کہا ''اللہ کا شکر ہے۔'' کہہ کر دم توڑ دیا۔

مسلمان نہاوند سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے تھے، لیکن ایران کے جو علاقے فتح ہو چکے تھے۔ وہاں آئے دن بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ سے پوچھا کہ

اس کا کیا علاج کیا جائے؟ انہوں نے کہا جب تک یزدگرد ایران میں ہے، اسی طرح فتنے فساد ہوتے رہیں گے۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ نے سارے ملک کو فتح کرنے کا ارادہ کرلیا۔ اور سات سرداروں کو فوجیں دے کر ایران کے مختلف شہروں پر چڑھائی کرنے کا حکم دیا۔ سب سے پہلے عبداللہ بن عتبہ اصفہان کی طرف بڑھے۔ وہاں کے سردار لشکر نے انہیں روکا۔ اور میدان میں آ کر عبداللہ بن عتبہ کو للکارا۔ وہ صف سے بڑھے اور بھالے کے ہاتھ نکالتے گھوڑا کدا کر اس کے سامنے پہنچے۔ ایرانی سردار نے تلوار کا وار کیا۔ انہوں نے خالی دیا، لیکن گھوڑے کا تنگ کٹ گیا۔ اور یہ زمین پر آ رہے۔ مگر پھر اچھل کر اس طرح ننگی پیٹھ پر جا بیٹھے کہ حریف حیران رہ گیا۔ اور ہتھیار ڈال دیئے۔ اس طرح کئی اور لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں مسلمانوں نے ایران کے سارے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ اصفہان کے بعد ہمدان اور پھر آذربائیجان ہاتھ آیا۔ ساتھ ہی طبرستان اور آرمینیا پر پرچم لہرایا۔ پھر فارس پر چڑھائی ہوئی۔ اور اس کے سارے شہر ایک ایک کر کے قبضہ میں آئے۔ کرمان اور سیستان بھی فتح ہوئے۔ اور اسلامی فوجیں مکران پر جھنڈے گاڑ کر سندھ تک پہنچ گئیں۔ یزدگرد مرو میں یہ خبریں سن سن کر پریشان ہوتا رہا۔ جب احنف بن قیس مرو کی طرف بڑھے تو وہ بھاگا اور کچھ دن بعد پھر کھنڈے ہوئے ساتھی جمع کر کے بلخ پہنچا۔ اور چین اور ترکستان کے بادشاہوں کو لے کر چڑھ آیا۔ لیکن وہ پہلے ہی حملے میں ساتھ چھوڑ گئے۔ یزدگرد نے بھی ناچار بچی کھچی دولت سمیٹ کر ترکستان کا رخ کیا۔ یہ دیکھ کر درباریوں نے آنکھیں پھیرلیں اور سارا مال

واسباب چھین کر اسے نکال دیا۔ آخر در در کی خاک چھانتا ترکستان کے بادشاہ کے دربار میں پہنچا۔ اس بامروت نے آنکھوں پر بٹھایا اور یزدگرد بےوطنی میں زندگی کے دن کاٹنے لگا۔

حضرت عمرؓ کو ایران کی فتح کی خبر پہنچی تو خدا کا شکر بجالائے۔ پھر مسلمانوں کو جمع کرکے کہا دولت ڈھلتی پھرتی چھاؤں ہے۔ اس پر غرور کرنا اچھا نہیں۔ آج ایرانیوں کے ہاتھوں سلطنت نکل گئی، اب وہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، لیکن اگر تم نے بھی ان کی طرح خدا کو چھوڑا اور سیدھی راہ سے منہ موڑا تو حکومت تمہارے ہاتھوں سے نکل کر کسی اور کے قبضے میں چلی جائے گی۔ یہ تقریر ایسی پرتاثیر تھی کہ سب کے دل آب ہو گئے، ہر طرف سناٹا چھا گیا۔

روم اور شام

یرموک کے میدان میں ایرانیوں کو شکست دے کر مسلمان دمشق کے پرانے شہر پر جو شام کا صدر مقام تھا، بڑھے اور اسے چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اتنے میں جاڑا شروع ہوا اور عیسائی اس خیال سے کہ عرب جن کی عمریں تپتے صحراؤں میں گزری ہیں۔ سردی سے تنگ آ کر خود بھاگ جائیں گے، نچنت ہو کر شہر میں بیٹھ رہے۔ ایک رات خالد بن ولید کو خبر ملی کہ عیسائیوں کے سردار کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا ہے۔ اور سارا شہر وہاں جمع ہے۔ انہوں نے موقع کو غنیمت جانا، شہر کے گرد عیسائیوں نے خندق

کھود رکھی تھی۔ یہ اسے تیر کر پار اترے اور رسی کے سہارے دیوار پر چڑھ کر اندر جا پہنچے، پھر پہرے داروں کو ہٹا کر دروازہ کھول دیا۔ حضرت ابوعبید فوج لے کر اندر گھس گئے۔ یہ دیکھ کر عیسائی امن، امن پکارتے اور چادریں ہلاتے دوڑے اوران سے صلح کرلی۔ خالد کو اس صلح کی خبر نہیں تھی۔ وہ لڑتے بھڑتے شہر میں بڑھتے چلے گئے۔ لیکن جب اس صلح کا حال معلوم ہوا تو ہاتھ روک لیا۔ اور جو مال ہاتھ آیا تھا وہ واپس کر دیا۔

کچھ دن یہاں ٹھہرے تو معلوم ہوا کہ دمشق سے کچھ فاصلے پر دو عیسائی سردار فوجیں لئے پڑے ہیں۔ اور کمکی فوج کا انتظار کر رہے ہیں۔ حضرت ابوعبیدہ نے انہیں بھی مار بھگایا۔ اور پلٹ کر حمص پر جا پڑے، جاڑے کا زمانہ تھا۔ سردی سے ہاتھ پاؤں اکڑے جاتے تھے، لیکن مسلمانوں نے محاصرہ نہ چھوڑا۔ آخر حمص والوں نے بھی صلح کی۔ حمص کے بعد قنسرین اور قیساریہ کے مشہور شہر ہاتھ آئے۔ اور مسلمان آس پاس کے شہر اور بستیوں کو ختم کر کے اجنادین کی طرف بڑھے۔

اجنادین میں عیسائیوں نے بڑی فوج جمع کر رکھی تھی۔ مسلمان دیر تک محاصرہ کئے پڑے رہے۔ لیکن شہر فتح نہ ہو سکا۔ یہاں کا حاکم ارطبون ایک آفت تھا۔ قیصر نے اسے بھیجتے وقت یہ پٹی پڑھادی کہ تلوار سے کام نہ چلے تو سپاہیانہ پیچوں اور ہتھکنڈوں سے دشمن کو نیچا دکھانا، بہت دنوں تک دونوں طرف سے سفیر آتے جاتے رہے۔ لیکن صلح نہ ہو سکی۔ ایک دن عمرو بن العاص سفیر بن کر گئے۔ ادھر ارطبون کو معلوم ہو چکا تھا کہ مسلمانوں کی فوج میں یہ سب سے ہوشیار سردار ہیں۔ انہوں نے کچھ آدمیوں کو گھات

میں چھپا رکھا تھا۔ کہ عمرو باتیں کر کے نکلیں تو انہیں تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ لیکن انہوں نے رومی سردار کے تیوروں سے اس کے دل کا کھوٹ پہچان لیا۔ اور ارطبون سے کہنے لگے۔ کہ تم نے صلح کی جو شرطیں پیش کی ہیں۔ مجھے تو منظور ہیں، لیکن ہمارے لشکر میں دس سردار ہیں، جن کی مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ میں کل انہیں ساتھ لیتا آؤں گا۔ تم ان سے باتیں کر لینا، ارطبون نے یہ سمجھ کر کہ کل مسلمانوں کے سارے سردار قابو میں آجائیں گے۔ ان لوگوں کو جو گھات میں لگے تھے، ہٹا دیا۔ اور عمرو بن عاص بچ کر نکل آئے۔ دوسرے دن ارطبون کو عمرو بن العاص کی چالاکی کا حال معلوم ہوا تو بہت پچھتایا اور فوج لے کر مقابلے کو نکلا، بڑے گھمسان کا رن پڑا، آخر رومی شکست کھا کر بھاگے اور میدان مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ اور مسلمانوں نے شہر پر قبضہ کر لیا۔

اجنادین کے ساتھ فحل، بیسان، اطاکیہ اور کئی چھوٹے چھوٹے شہر قبضہ میں آئے۔ فحل میں رومیوں نے لڑائی کی بڑی تیاریاں کر رکھی تھیں۔ لیکن مسلمانوں کے سامنے قدم نہ ٹھہر سکے۔ ان معرکوں کے بعد عمرو بن العاص کو بیت المقدس پر جہاں بنی اسرائیل کے نبیوں کی مبارک یادگاریں ہیں، چڑھائی کرنے کا حکم دیا۔ انہوں نے شہر کو گھیر لیا۔ کچھ دنوں بعد حضرت ابو عبیدہ خود بھی پہنچے۔ بیت المقدس کے لوگ محاصرے سے تنگ آ کر صلح کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ لیکن شرط یہ پیش کی کہ حضرت عمر خود آ کر ہمیں یہ عہد نامہ لکھ دیں۔ حضرت عمرؓ بیت المقدس چلے تو ساتھ لشکر نہ ڈیرہ، نہ

نوبت نہ نقارے، صرف چند بزرگ جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت میں بیٹھتے تھے، ہمراہ تھے، لیکن جدھر سے گزر جاتے تھے، خلقت اٹدی آتی تھی۔ حضرت ابو عبیدہ اور چند سرداران کی پیشوائی کو آئے۔ انہوں نے ریشمی کپڑے پہن رکھے تھے، حضرت عمرؓ کو یہ دیکھکر بہت غصہ آیا۔ کنکر اٹھا کر مارے اور کہنے لگے تم نے اس قدر جلد یہاں کے لوگوں کی عادتیں اختیار کر لیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اس لباس کے نیچے ہتھیار ہیں۔ یہ سن کر حضرت عمرؓ کا غصہ ٹھنڈا ہوا۔

اتنے میں شہر والوں کے سفیر پہنچے، عہد نامہ لکھا گیا۔ پھر بنی اسرائیل کے نبیوں کی یادگاروں کی زیارت کی، عیسائیوں کا گرجا دیکھا، کئی دن بیت المقدس میں رہے۔ مسلمانوں کی شکایتیں سنیں، سرداروں کو نصیحتیں کیں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص موذن حضرت بلالؓ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد کبھی اذان نہ دی تھی، لیکن ایک دن حضرت عمر کے اصرار سے مجبور ہو گئے، انہوں نے اذان دینی شروع کی تو سب کی آنکھوں تلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک زمانے کی تصویر پھر گئی۔ اس وقت دلوں کی بے چینی کا عجب حال تھا۔ سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ حضرت عمرؓ کی ہچکی بندھ گئی۔

اس واقعہ کے دوسرے سال حضرت عمرؓ نے پھر شام کا سفر کیا۔ یہ سفر اس طرح پیش آیا کہ شام میں بڑے زور سے وبا پھیلی، حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو بے چین ہو کر مدینہ سے چل پڑے، لیکن وبا کا زور بڑھ گیا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ اس آفت کی

روک تھام اور مسلمانوں کے بچاؤ کے لئے ہدایتیں دے کر راستے ہی سے واپس چلے آئے۔ اس وبا میں کوئی پندرہ ہزار مسلمانوں کی جانیں گئیں۔ جن میں حضرت ابو عبیدہ، یزید بن ابی سفیان، معاذ بن جبل اور کئی دوسرے صحابی تھے۔ جب وبا کا زور تھما، تو حضرت عمرؓ نے شام کے انتظام کے ارادے سے پھر سفر کیا، سواری کے لئے صرف ایک اونٹ تھا۔ جس پر حضرت عمرؓ اور ان کا غلام باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایلہ پہنچے تو اتفاق سے غلام کی باری تھی۔ وہ اونٹ پر سوار تھا۔ حضرت عمرؓ مہار تھامے آگے آگے تھے۔ شام کے سردار جو حضرت عمرؓ کے آنے کی خبر سن کر پیشوائی کو آئے۔ یہیں آکے ملے۔ حضرت عمرؓ نے شام کے مختلف حصوں میں پہنچ کر لوگوں کو تنخواہیں اور وظیفے تقسیم کیے۔ جن لوگوں نے وبا میں انتقال کیا تھا، ان کے وارثوں کو بلوا کر ان کی جائیداد دلائی اور واپس آئے۔

مصر کی فتح

اس زمانے میں مصر کا ملک رومیوں کی سلطنت میں شامل تھا۔ اور قیصر کی طرف سے مقوقس یہاں کا حکمران تھا۔ عمرو بن عاص نے جو اس ملک میں کئی بار آئے تھے۔ اور یہاں کے حالات سے اچھی طرح واقف تھے، فوج لے کر ان پر چڑھائی کی۔ مقوقس نے مقابلہ کیا، کئی معرکے ہوئے اور آخر مقوقس نے ایک قلعہ میں پناہ لی۔ مسلمانوں نے قلعہ کو گھیر لیا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے زبیر بن العوام کو

دس ہزار سپاہیوں کے ساتھ بھیجا۔ سات مہینے مسلمان قلعہ کو گھیرے رہے۔۔ آخر ایک دن حضرت زبیر شجاعت کے جوش میں ننگی تلوار ہاتھ میں لیے زینے کے سہارے قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے۔ ان کے پیچھے پیچھے چند اور جان نثار بھی پہنچے۔ اور سب نے ایک ساتھ اللہ اکبر کا نعرہ مارا۔ باہر سے بھی اسلامی فوج نے اس زور سے نعرہ لگایا کہ جنگل اور پہاڑ گونج اٹھے۔ اور رومی یہ سمجھ کر کہ مسلمانوں کا سارا لشکر قلعہ میں آ گیا ہے۔ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ ادھر حضرت زبیر نے فصیل سے اتر کر قلعہ کا پھاٹک کھول دیا۔ اور ساری فوج ہلہ کر کے قلعہ میں گھس گئی۔ مقوقس نے جب دیکھا کہ کھیل بگڑ گیا ہے تو ہتھیار ڈال دیئے اور صلح کی درخواست کی جو منظور کر لی گئی۔ یہاں سے مسلمان اسکندریہ کی طرف بڑھے اور بڑے معرکے کے بعد اسے بھی فتح کر لیا۔ اسکندریہ کی فتح کے بعد مصر کے سارے شہر ایک ایک کر کے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔ جب مسلمانوں کی فوجیں اسکندریہ کی طرف کوچ کرنے لگیں، اور دوسرے خیموں کے ساتھ حضرت عمرو بن عاص کا خیمہ بھی اکھاڑا جانے لگا تو لوگوں نے دیکھا کہ ایک کبوتر نے خیمہ میں گھونسلا بنا رکھا ہے۔ خیمہ کو اکھڑتے اور گھونسلا کو برباد ہوتے دیکھ کر کبوتر بے چین ہو گیا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے کہا اس خیمہ کو اسی طرح رہنے دو۔ یہ بے زبان ہمارا مہمان ہے۔ اسے تکلیف نہ ہونے پائے۔ اسکندریہ سے واپس آئے تو اسی خیمہ میں اترے اور اس کے اردگرد شہر بسایا۔ چونکہ عربی زبان میں منصور کو فساط کہتے ہیں۔ اس لئے اس شہر کا نام فساط پڑ گیا۔

حضرت عمرؓ کی شہادت

مدینہ میں ایک غلام ابولولو فیروز تھا۔ اس نے ایک دن حضرت عمرؓ سے کہا، میں دن بھر مزدوری کرتا ہوں اور شام کو میرا آقا مجھ سے دو درہم وصول کر لیتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس سے پوچھا کہ تو کون سا پیشہ کرتا ہے۔ اس نے کہا میں لوہار بھی ہوں، ترکھان بھی ہوں، نقاشی کا کام بھی جانتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا، پھر تو دو درہم کوئی زیادہ رقم نہیں ہے۔ فیروز ناراض ہو کر چلا آیا۔ دوسرے دن جب حضرت عمرؓ نماز پڑھانے گئے تو فیروز جو گھات میں بیٹھا تھا، اچانک خنجر لے کر ٹوٹ پڑا۔ حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اپنی جگہ نماز پڑھانے کھڑا کر دیا، اور خود لڑکھڑا کر گر پڑے۔ فیروز نے کئی اور مسلمانوں کو بھی زخم پہنچائے۔ آخر پکڑا گیا۔ نماز ختم ہوئی تو لوگوں نے عمرؓ کو اٹھا کر ان کے گھر پہنچا دیا۔ اور انہوں نے تیسرے دن ستائیس ذی الحجہ ۲۳ھ مطابق ۶۶۴ء کو انتقال فرمایا۔

اگرچہ زخموں نے نڈھال کر رکھا تھا، لیکن اس حال میں بھی مسلمانوں کا خیال تھا۔ وفات سے پہلے وصیت کی کہ ذمیوں یعنی دوسرے مذہب کے لوگوں سے جو ہماری پناہ میں آ گئے ہیں۔ ہمیشہ اچھا سلوک کرنا اور ان کے حق کا خیال رکھنا۔

حضرت عمرؓ کا زمانہ

حضرت عمرؓ کا زمانہ حکومت ساڑھے دس برس ہے۔یعنی آپ ساڑھے دس برس خلیفہ رہے۔لیکن اس عرصے میں مسلمانوں نے ایران اور روم کی سلطنتوں کو،جن کی ٹکر کی کوئی حکومت دنیا کے پردے پر نہیں تھی،زیر وزبر کر ڈالا،ساتھ ہی مصر پر چڑھ دوڑے اور اسے ایک سرے سے دوسرے سرے تک فتح کر کے دم لیا۔

عرب جیسی بے سروسامان قوم کا ایسی زبردست سلطنتوں پر ایک ساتھ حملہ کر کے دس ساڑھے دس سال میں انہیں روند ڈالنا انسان کو اچنبھے میں ڈال دیتا ہے۔

تم پڑھ آئے کہ رومیوں اور ایرانیوں کے کتنے بڑے لشکر بہادری کے دعووں سے تلواریں باندھ کر مسلمانوں کے مقابلے میں آئے۔اور کس طرح گرد برد ہو گئے۔ان کے لشکروں کے سازوسامان کا حال پڑھو تو تعجب ہوتا ہے۔سپاہیوں کا سارا جسم لوہے میں ڈوبا ہوتا تھا،سر پر خود،جسم پر زرہ بکتر چار آئینہ،کہنیوں تک لوہے کے دستانے چڑھے ہوئے،جن پر تیر اور تلوار اثر نہ کرتے تھے۔رومی اور اصفہانی تلواریں اور نیزے پشت پر،فولا دیا گینڈے کے چمڑے کی ڈھالیں۔ایرانیوں کی فوج میں تو ان سامانوں کے ساتھ مست ہاتھی بھی ہوتے تھے۔مہاوت آنکس مار مار کر ہاتھیوں کو بڑھاتے،اور وہ صفوں کو روندتے چلے جاتے۔ان کی کالی کالی صورتیں دیکھ کر مسلمانوں کے گھوڑے بدکتے،اور رانوں سے نکلے جاتے تھے۔ساتھ ہی ایرانی سپاہی

جو عماریوں میں بیٹھے ہوتے، تیروں کی بوچھاڑ کر دیتے، مسلمانوں کا یہ حال کہ نہ خود نہ زرہ، نہ گرز نہ کمند، ہتھیاروں میں صرف تیر، تلوار اور برچھے ہوتے تھے۔ لیکن تیر اتنے چھوٹے چھوٹے کہ ایرانیوں نے پہلے پہل انہیں دیکھا تو تکلے سمجھے۔ بعض سپاہی ایسے بھی تھے کہ جنہیں نیام بھی میسر نہیں تھے۔ تلواروں پر چیتھڑے لپیٹ لیتے تھے۔ گھوڑوں پر زین نہ لگام، لکڑی کی رکابیں، لیکن ان تیروں اور تلواروں کے سامنے نہ ہاتھی ٹھہرے اور نہ خود اور زرہیں، انہیں روک سکیں۔ ایران، مصر اور روم میں جہاں جہاں ان تلواروں کی بجلیاں چمکیں سلطنت کے ٹھاٹھ اور شان شاہانہ کو جلا کر خاک کر دیا، ہرمزان کردوں کو لے کر آیا، یزدگرد چین اور ترکستان کے بہادروں کو سمیٹ کر چڑھ آیا۔ لیکن وہ بھی ایک ہی معرکے میں بھاگ کھڑے ہوئے۔ غرض ان لڑائیوں میں خدا کی قدرت کا تماشا نظر آتا ہے۔ اور یہی کہنا پڑتا ہے۔ مسلمانوں نے خدا کی مدد اور ایمان کی برکت سے ایرانیوں، کردوں اور ترکوں پر فتح پائی۔

دنیا میں بڑے بڑے فاتح گزرے ہیں۔ جنہوں نے پورب سے پچھم اور اتر سے دکن تک اپنی طاقت اور دلاوری کا ڈنکا بجایا، لیکن مسلمانوں کی فتح مندی کا رنگ ان سب سے نرالا ہے۔ انہوں نے ان فتح مند بادشاہوں کی طرح کسی نہتے پر ہاتھ نہیں ڈالا۔ بوڑھوں اور بچوں کو قتل نہیں کیا، جو تلوار لے کر سامنے آیا، وہی موت کے گھاٹ اترا۔ مسلمان سپاہیوں کو حکم تھا کہ جہاں جائیں نہ درخت کاٹیں اور نہ کھیتیاں تباہ کریں۔ ان کے سلوک نے بیگانوں کو یگانہ بنا دیا۔ اور جس **ملک** پر ان کا قبضہ

ہوا۔ ان کے عدل و انصاف کو دیکھ کر جی جان سے شیدا ہو گئے۔ یرموک کی لڑائی کے موقعہ پر جب مسلمان شام کے علاقے سے نکلے، تو عیسائیوں کے دلوں سے آہوں کا دھواں اٹھا، اور ہر طرف سے آوازیں آئیں، خدا تمہیں پھر لائے۔ البتہ ایرانی سردار جنہیں اپنی قوم کا بڑا خیال تھا، اور عربوں کی رعایا بن کر جینے کو ذلت سمجھتے تھے۔ بار بار سر اٹھاتے اور بغاوتیں کرتے رہے۔ انہوں نے بڑے بڑے فساد کیے اور فتنے اٹھائے جن کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔

حضرت عمرؓ اگر چہ ان لڑائیوں میں خود شریک نہیں ہوئے، لیکن لڑائیوں کا سارا انتظام ان کے اپنے ہاتھ میں رہتا تھا۔ قادسیہ کی جنگ میں یوں تو سعد بن وقاص اسلامی لشکر کے سردار تھے، لیکن اصل میں حضرت عمرؓ مدینہ میں بیٹھے مسلمانوں کو لڑا رہے تھے۔ ان لڑائیوں میں کئی بہادروں کی قابلیت کے جوہر کھلے اور ان کی خوبیاں اجاگر ہوئیں خالد بن ولید فوجوں کو لڑانے میں کمال رکھتے تھے۔ ان کے پایہ کا کوئی سپہ سالار اس زمانے کے مسلمان سرداروں میں نظر نہیں آتا۔ ابو عبیدہ بن الجراح، مثنےٰ بن حارث، قعقاع بن عمرو، نعمان بن مقرن، سعد بن وقاص، عمرو بن عاص نے بھی جنگی تدبیروں میں نام پیدا کیا۔ عمرو بن معدی کرب، ضرار بن ازور، طلیحہ بن خویلد بڑے بہادر سپاہی تھے۔ لیکن انہیں فوج لڑانے کا سلیقہ نہیں تھا۔ لڑائی شروع ہوتی تو انہیں جوش شجاعت میں تن بدن کا ہوش نہیں رہتا تھا۔ سب سے آگے بڑھ کر لڑتے تھے، اور اپنی فوج کو پیچھے چھوڑ جاتے تھے۔ اور اکیلے دشمنوں کی فوج میں گھس جاتے

تھے۔اس لئے انہیں فوج کا سردار نہیں بنایا جاتا تھا۔حضرت عمرؓ کو حضرت ابوعبید بن الجراح پر بڑا بھروسہ تھا، کیونکہ وہ آنحضرت کے خاص صحابی تھے۔فوج کو بہت سوچ سمجھ کر لڑاتے تھے۔اور اس بات کا بڑا خیال رکھتے کہ مسلمانوں کی جانیں ضائع نہ ہونے پائیں۔

حضرت عمرؓ صحابہ کے مشورے سے ملک کا انتظام کرتے تھے۔یہ مجلسیں مسجد میں ہوا کرتی تھیں۔حکومت کے معاملات پیش ہوتے، سب کی رائے لی جاتی۔ ہر شخص آزادی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتا۔ ہر شخص کو مکمل آزادی تھی کہ خلیفہ غلطی کرے تو اسے ٹوک دے۔ ملک کے صوبوں پر جو حاکم مقرر تھے۔ان پر بھی بڑی کڑی نگرانی رکھی جاتی تھی۔کسی حاکم کا کوئی قصور ثابت ہو جاتا تو اسے سب کے سامنے سزا دی جاتی تھی۔ایک حاکم نے کسی شخص کو بےوجہ کوڑوں سے پٹوایا۔حضرت عمرؓ نے اسے بلوا کر تحقیقات کی اور جرم ثابت ہونے پر سب کے سامنے پٹوایا۔

قبیلہ غسان کا شہزادہ جبلہ بن ایہم روم کے بادشاہ کا باج گزار اور بڑے رعب دبدبہ کا سردار تھا۔حضرت عمرؓ کے زمانے میں وہ مدینہ آیا اور مسلمان ہوگیا۔ایک دن خانہ کعبہ کا طواف کرتے ہوئے کسی مسلمان کا پاؤں جبلہ کی چادر پر پڑا، جبلہ نے غصہ میں آکر اسے چانٹا رسید کیا۔حضرت عمرؓ کے پاس شکایت پہنچی، انہوں نے غسان کے شہزادہ کو بلوا کر کہا کہ تمہیں اس شخص کے ہاتھ سے مار کھانی پڑے گی۔جبلہ بہت گھبرایا۔جب دیکھا کہ کسی طرح جان نہیں چھوٹتی تو عرض کیا مجھے آج رات سوچنے کی

مہلت دی جائے۔ یہ درخواست منظور ہوئی۔ اور وہ راتوں رات بھاگ کر اپنے علاقہ میں چلا گیا۔

اس عدل و انصاف کے ساتھ انہوں نے سلطنت کے نئے نئے آئین باندھے، ملک مختلف صوبوں میں تقسیم کیا۔ الگ الگ محکمے قائم ہوئے، ہر شہر میں مقدموں کا فیصلہ کرنے کے لئے قاضی بھیجے گئے۔ بیت المال یعنی خزانہ قائم ہوا۔ زمین کی پیائش کی گئی، لگان کے قاعدے بنے۔ نہریں کھدی، آب پاشی کا انتظام ہوا۔ چوکیاں اور سرائے کنویں اور مسجدیں تعمیر ہوئیں، مدرسے کھلے، چھاؤنیاں بنائی گئیں۔ پہلے فوج کی باقاعدہ تنخواہ نہیں ہوتی تھی۔ اب سپاہیوں کو باقاعدہ تنخواہ اور روزینے ملنے لگے۔ کوئی بھوکا ننگا نہ رہا۔ روپے پیسے کا مینہ اس طرح برسا کہ گلی کوچوں میں چاندی سونے کے ڈھیر لگ گئے۔

حضرت عمرؓ کو غلاموں کا بڑا خیال تھا۔ دوسرے مذہبوں کے لوگ جو مسلمانوں کی پناہ میں آ گئے تھے، ان سے اچھا سلوک کرنے پر زور دیتے تھے۔ مرتے دم بھی مسلمانوں سے یہی کہا کہ ذمیوں سے اچھا سلوک کرنا، کسی مسلمان کو ذرہ برابر تکلیف ہوتی، تو ان کا دل بے چین ہو جاتا، رات کو مدینے میں دیکھتے پھرتے کہ کسی مسلمان کو ئی شکایت تو نہیں ہے۔ مدینے کے باہر جو قافلے اترتے، رات رات بھر خود ان کی نگہبانی کرتے اور معمولی سپاہیوں کی طرح پہرہ دیتے تھے۔

ایک رات اپنے غلام کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے، کیا دیکھتے ہیں، کچھ فاصلے پر

ایک خیمہ میں آگ روشن ہے۔وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ایک عورت کچھ پکا رہی ہے۔اور تین چار بچے اسے گھیرے ہوئے رو رہے ہیں۔پاس جا کے پوچھا کہ یہ بچے کیوں رو رہے ہیں۔وہ کہنے لگی کئی وقتوں کا فاقہ ہے۔انہیں پر چانے کے لئے ہنڈیا میں خالی پانی ڈال کر چولھے پر چڑھا دیا ہے۔یہ سن کر سیدھے مدینہ پہنچے، خود گھی، گوشت، آٹا، کھوریں اٹھا کر لائے اور یہ سارا سامان بڑھیا کے آگے رکھ دیا۔اس نے آٹا گوندھا، حضرت عمرؓ نے آگ سلگائی، پکا ریندھ کر بچوں کے سامنے رکھا، وہ کھانا کھا کر اچھلنے کودنے لگے۔تو حضرت عمرؓ رخصت ہوئے۔بڑھیا کے روم روم سے ان کے لئے دعائیں نکل رہی تھیں۔ چلتے وقت انہیں روک کر کہنے لگی کیا اچھا ہوتا کہ حضرت عمرؓ کی جگہ تم خلیفہ ہوتے۔حضرت عمرؓ کے دل پر اس بات نے بہت اثر کیا۔ دوسرے دن اسے بلوا کر اس کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

حضرت عمرؓ کی زندگی بہت سیدھی سادی تھی، موٹے جھوٹے کپڑے پہنتے، ان میں جگہ جگہ پیوند، سر پر درویشوں کی سی ٹوپی، پھٹا ہوا جوتا، اپنے آرام و آسائش کا بالکل خیال نہیں تھا۔سارا وقت خلافت کے کام کاج میں خرچ کر دیتے تھے، کبھی مسجد میں بیٹھے ہیں۔روم اور ایران میں فوجیں بھیجنے کی تجویزیں ہو رہی ہیں۔ ہرکارے آتے اور جاتے ہیں۔سپہ سالاروں کو ہدایتیں بھیجی جا رہی ہیں۔حاکموں کو شکایتیں پیش ہو رہی ہیں۔یہ جھگڑے نمٹا کر اٹھتے ہیں تو کندھے پر مشک اٹھا کر بیوہ عورتوں کے ہاں پانی پہنچاتے ہیں۔اور ان کی دعائیں لیتے ہیں۔وہاں سے لوٹتے ہیں تو خبر آتی ہے کہ

بیت المال سے ایک اونٹ بھاگ گیا ہے۔اس کی تلاش میں نکلتے ہیں۔کوئی کہتا ہے آپ نے کیوں تکلیف کی؟۔کسی غلام کو بھیج دیا ہوتا۔جواب دیتے ہیں،مجھ سے بڑھ کر غلام اور کون ہوگا؟۔ یہ کہتے وقت اپنی ذمہ داریوں کے خیال سے جی بھر آتا ہے۔آنکھوں میں آنسو ڈبڈبانے لگتے ہیں۔

کام کرتے کرتے تھک جاتے ہیں تو کمر سیدھی کرنے خاک کے فرش پر لیٹ جاتے ہیں۔شام کو کھانا کھا کے عشاء کی نماز پڑھتے ہیں،پھر شہر کی خبر لینے نکل کھڑے ہوتے ہیں،اور ساری رات آنکھوں میں کاٹ دیتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا زمانہ بڑی برکت کا زمانہ تھا۔اس زمانے میں بڑی بڑی سلطنتیں مسلمانوں کے جھنڈے تلے آئیں اور اسلام عرب سے نکل کر بڑی تیزی سے آس پاس کے ملکوں میں پھیل گیا۔

آٹھواں باب

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ

حضرت عمرؓ موت سے پہلے وصیت کر گئے تھے، کہ میرے بعد حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاص اور حضرت طلحہؓ میں سے کسی کو خلیفہ بنالینا۔ تین دن تین راتیں اسی سوچ و بچار میں کٹ گئیں کہ کس کو خلیفہ بنایا جائے۔ آخر حضرت عثمانؓ خلیفہ مقرر ہوئے اور سب نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

حضرت عثمانؓ امیہ کے خاندان میں سے تھے، ان کے باپ کا نام عفان اور دادا کا نام ابی العاص تھا جو امیہ کا بیٹا تھا۔ وہ عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پانچ سال چھوٹے تھے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے پہلے سال ہی میں حضرت ابوبکر کے سمجھانے سے مسلمان ہو گئے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی رقیہ ان کو بیاہی ہوئی تھیں، مکہ کے کافروں نے جب مسلمانوں کو بہت ستایا تو یہ حضرت رقیہ کو لے کر حبش چلے گئے۔ کچھ دن بعد وہاں سے لوٹے تو مسلمان مکہ چھوڑ کر مدینہ جانے کی تیاریاں کر رہے تھے، چنانچہ یہ بھی مدینہ چلے گئے اور تجارت سے اچھی خاصی جائیداد پیدا کر لی۔

بدر کی جنگ کے زمانے میں حضرت رقیہ سخت بیمار ہوئیں، حضرت عثمانؓ انہیں بیمار چھوڑ کر مدینہ سے نہیں نکل سکتے تھے، اس لئے بدر کے معرکے میں شریک نہ ہو سکے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قریش کو شکست دے کر لوٹے تو حضرت رقیہ کا انتقال ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی دوسری صاحب زادی حضرت ام کلثوم سے ان کا نکاح کر دیا۔ حضرت عثمان بدر کی لڑائی کے علاوہ ساری لڑائیوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔ حدیبیہ کا واقعہ تمہیں یاد ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بات چیت کرنے کے لئے حضرت عثمان کو مکہ بھیجا، کسی نے یہ خبر اڑا دی کہ قریش نے انہیں شہید کر ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے یہ عہد لیا کہ ہم عثمانؓ کا بدلہ لینے کے لئے اپنی جانیں دے دیں گے، اتنے میں معلوم ہوا کہ حضرت عثمانؓ کے شہید ہونے کی خبر غلط تھی۔ حضرت عثمان بڑے سخی تھے، نیک کاموں میں جی کھول کر روپیہ خرچ کرتے تھے۔ جن دنوں تبوک کی جنگ کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ حضرت عثمانؓ نے ایک ہزار اونٹ اور بہت سا روپیہ اس جنگ کے لئے دیا۔ مدینہ میں جس زمین پر مسجد نبوی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان بنے تھے، وہ بھی انہوں نے خرید کر دی تھی۔

حضرت ابو بکر اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں ان کی بڑی عزت تھی اور وہ سارے مشوروں میں شریک رہتے تھے۔

شام اور افریقہ کی جنگیں

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں آذر بائیجان، آرمینیا، فارس اور خراسان میں بغاوتیں ہوئیں، جنہیں مسلمانوں نے دبا دیا طبرستان والوں سے بھی لڑائیاں ہوئیں، آخر انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ایک مسلمان سردار نے بڑھ کر بحیرہ خزر کے آس پاس کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ احنف بن قیس خراسان کے سرکشوں کو دبا کر بلخ کی طرف بڑھے اور وہاں فتح کا جھنڈا گاڑھ کر لوٹے، یزدگرد ترکستان میں زندگی کے دن کاٹ رہا تھا۔ لیکن اس کے ساتھی جنہوں نے اب تک جان نثاری کا حق ادا کیا تھا، جان کے دشمن ہو گئے۔ ان کے ڈر سے بھاگا، لیکن مارا گیا۔ اس زمانے میں مسلمان سیستان کی طرف بڑھے، اور اور کابل تک فتح کر کے ہندوستان کے شمال مغربی سرحد پر پہنچ گئے۔

ابوسفیان کا بیٹا امیر معاویہ شام کا حکمران تھا۔ انہوں نے جنگی جہاز اور کشتیاں بنائیں۔ اور ان میں بیٹھ کر جزیرہ قبرص اور روڈس پر حملہ کیا۔

انہیں فتح کر کے لوٹے تو روم کے بادشاہ سے جو قسطنطنیہ میں بیٹھا کھوئے ہوئے ملک کو حاصل کرنے کی تدبیریں کر رہا تھا، کئی لڑائیاں ہوئیں، لیکن مسلمانوں نے رومیوں کے جنگی بیڑے کو شکست دی۔ یہاں سے بھاگے تو جہازوں پر چڑھ کر مصر کے ساحل پر جا اترے، وہاں بھی مسلمانوں کی جیت ہوئی۔

حضرت عثمانؓ کے سوتیلے بھائی عبداللہ بن سعد مصر کے سپہ سالار تھے، انہوں نے شمالی افریقہ پر فوجیں بڑھائیں، راستے میں ایسے ریگستان آئے جہاں کئی کئی دن پانی کا پتا نہ ملا۔ غرض ان کالے کوسوں کی منزلیں لپیٹ کر وہ شہر برقہ کے سامنے جا پہنچے۔ اس زمانے میں اس علاقے پر بھی رومیوں کی حکومت تھی، قیصر کا ایک سردار جرجیر رومی عیسائیوں اور بربری وحشتوں کی ایک بڑی فوج جس میں ایک لاکھ بیس ہزار جان نثار تھے، لے کر مقابلہ کو بڑھا، اور لڑائی ہونے لگی، گرمی کا موسم تھا، زمین سے شعلے نکلتے تھے، اور آسمان سے آگ برستی تھی اس لئے پچھلے پہر جب رات کے اندھیرے پر صبح کا نور چھاپا مارتا۔ مسلمان رومیوں کے لشکر پر جا پڑتے اور جب دھوپ تپنے لگتی تو درختوں کے سائے میں جا کر کمریں کھول دیتے۔ اور آرام کرتے، عبداللہ بن سعد ان معرکوں میں فوج سے آگے بڑھ کے لڑتے اور جدھر بڑھتے دشمن کی فوج کی صفوں کا صفایا ہو جاتا تھا۔

جرجیر نے عبداللہ بن سعد کی زبردستیاں دیکھ کر لشکر میں پکار دیا کہ جو بہادر اسلامی فوج کے سردار کا سر کاٹ کر لائے گا۔ اسے ایک لاکھ اشرفیاں انعام دوں گا۔ اور اسی کے ساتھ اپنی بیٹی کا بیاہ کر دوں گا۔ چونکہ جرجیر کی بیٹی بڑی خوب صورت اور بہادر تھی، اس لئے عیسائی عبداللہ بن سعد کی تاک میں رہنے لگے۔ مسلمان سرداروں نے عیسائی فوج کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر عبداللہ بن سعد کو میدان میں جانے سے روک دیا اور خود فوج کو لڑانا شروع کر دیا۔

حضرت عثمانؓ کو جب خبریں پہنچیں، کہ طرابلس میں عیسائیوں نے بڑا بھاری لشکر جمع کر رکھا ہے، تو انہوں نے کمک بھیجی، اس فوج میں زبیر بن العوام کے فرزند عبداللہ بھی تھے۔ انہوں نے جب طرابلس پہنچ کر عبداللہ بن سعد کو نہ دیکھا تو لوگوں سے پوچھا کہ وہ کہاں ہیں؟۔ انہوں نے سارا ماجرا سنا دیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے کہا، ہماری طرف سے پکار دو کہ جو شخص جرجیر کو قتل کرے گا۔ اسے ایک لاکھ اشرفی انعام میں ملے گی، ساتھ ہی اسے اس ملک کا حاکم بنایا جائے گا، اور جرجیر کی بیٹی سے اس کا بیاہ کر دیا جائے گا۔

کئی دن لڑائی ہوتی رہی، ایک دن جب دھوپ تیز ہو چلی تھی۔ اور دونوں لشکر پلٹنے کو تھے، عبداللہ بن زبیرؓ ایک چھوٹا سا دستہ لے کر بجلی کی طرح رومیوں پر ٹوٹ پڑے، اور صفیں توڑ کر جرجیر کا للکارا، اور تیسرے وار میں اس کا سر کاٹ لیا، سردار کے مارے جانے سے فوج کے قدم اکھڑ گئے۔ اب جرجیر کے قاتل کی تلاش ہوئی۔ عبد اللہ بن سعد ایک ایک سے پوچھتے تھے کہ جرجیر کو کس نے قتل کیا؟۔ لیکن کوئی جواب نہ ملتا، آخر جرجیر کی بیٹی نے خود عبداللہ بن زبیرؓ کو پہچانا، انہوں نے یہ کہہ کر انعام لینے سے انکار کر دیا، کہ میں نے کسی لالچ سے جرجیر کو قتل نہیں کیا، لیکن لوگوں کے اصرار سے مجبور ہو گئے۔ اور جرجیر کی بیٹی سے ان کا بیاہ رچایا گیا۔

اسی زمانے میں روم کا بادشاہ جنگی بیڑہ لے کر مصر پر چڑھ آیا، مسلمانوں نے اپنے جہازوں کو ایک دوسرے سے باندھ دیا، اور اس طرح قدم جما کے لڑے کہ رومی

شکست کھا کر بھاگے اور پھر مسلمانوں کی طرف رخ نہ کیا۔

حضرت عثمانؓ کی شہادت

حضرت عثمان طبیعت کے بڑے نرم تھے، اور اپنے عزیزوں کا بڑا خیال رکھتے تھے، انہوں نے مروان بن حکم کو جو ان کا چچیرا بھائی تھا۔ اپنا وزیر بنایا تھا۔ اور اکثر باتوں میں اس کے مشورہ پر چلتے تھے۔ اسلامی حکومت کے بڑے بڑے صوبے پانچ تھے۔ ان میں سے چار پر ان کے رشتے دار حاکم تھے، یہ باتیں مسلمانوں کو ناگوار گزریں۔ ہر طرف یہی چرچے ہونے لگے، یمن کے ایک یہودی عبداللہ بن سبا نے جو مسلمانوں کی ترقی دیکھ دیکھ کر جلتا تھا۔ اس موقع کو غنیمت سمجھا اور کچھ لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر مسلمانوں کو حضرت عثمانؓ کے خلاف بھڑکانا شروع کر دیا۔

چونکہ حضرت عثمانؓ کسی پر سختی نہیں کرنا چاہتے تھے، اس لئے ان لوگوں کے حوصلے بڑھے۔ انہوں نے ہر علاقے میں فساد مچا دیا۔ اسلام نے عربوں کی پرانی رنجشوں اور کدورتوں کو مٹا کر انہیں ایک جان اور ایک دل کر دیا۔ اس زمانے میں یہ پرانی عداوتیں پھر ابھریں، اور مسلمانوں میں پھوٹ پڑ گئی۔

شام اور عراق میں قدرت نے چپے چپے پر چمن کھلائے ہیں۔ ان ملکوں کی شادابی اور زرخیزی دیکھ کر قریش کے سرداروں کا بھی جی چاہتا تھا کہ وہاں جا کر بسیں، لیکن حضرت عمرؓ یہ کہہ کر روک دیتے کہ تم لوگوں کے اکیلے کی وجہ سے مسلمانوں میں ایکا

ہے۔تم لوگ الگ الگ شہروں میں جا بسے تو تمہارے خیالات میں اختلاف پیدا ہو گا۔اور تمہاری وجہ سے مسلمان چھوٹے چھوٹے گروہوں میں بٹ جائیں گے۔عمرو بن عاص نے جن کی تدبیروں سے مصر فتح ہوا تھا۔ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کو لکھا کہ اجازت ہو تو میں فسطاط میں مکان بنالوں۔انہوں نے جواب دیا کہ مدینہ میں تمہارا مکان موجود ہے۔ایک مکان کے ہوتے ہوئے دوسرے مکان کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں یہ رکاوٹ نہ رہی۔اور قریش کے سردار جن میں ابھی تک خاندان کا غرور باقی تھا۔شہروں میں کھنڈ گئے۔دولت کا مینہ برس رہا تھا،روپے پیسے کی کوئی کمی نہ تھی۔روم اور ایران کی خوب صورت عمارتوں کے ڈھنگ پر مکان بنے، جائیدادیں خریدی گئیں۔خوشامدی جمع ہو گئے،جنہوں نے تعریفیں کر کے حوصلے بڑھائے۔پرانی رنجشیں اور دشمنیاں یاد آئیں،اور اپنے پرائے نظر آنے لگے۔

حضرت عثمانؓ نے صوبوں کی حکومت جن لوگوں کو سونپ رکھی تھی۔ان کے خلاف بھی شکایتیں پیدا ہونے لگیں۔بصرہ،کوفہ اور مصر کے اکثر لوگوں نے سر اٹھایا،اور ٹولیاں بنا کر مدینہ پہنچے۔حضرت عثمانؓ نے انہیں سمجھا بجھا کر لوٹا دیا۔لیکن کچھ لوگ مسلمانوں کو لڑا کر تماشا دیکھنا چاہتے تھے۔انہوں نے ایسی چالیں چلی کہ یہ راستے میں پھر بھڑک اٹھے۔اور مدینہ پہنچ کر حضرت عثمانؓ کے مکان کو گھیر لیا۔حضرت عثمانؓ کا چچیرا بھائی مروان ایک آفت تھا۔ادھر عبداللہ بن سبا برابر لوگوں کو بھڑکا رہا تھا۔ان

دونوں نے مسلمانوں میں صلح صفائی نہیں ہونے دی۔ مدینہ میں فوج تو تھی ہی نہیں، جو ان لوگوں کو روکتی، حضرت علیؓ، طلحہ اور زبیرؓ نے اپنے فرزند بھیجے کہ حضرت عثمانؓ کے دروازے پر پہرہ دیں۔ اور باغی بڑھنا چاہیں تو انہیں لڑ بھڑ کر ہٹائیں، لیکن باغیوں کی تعداد بہت تھی۔ حضرت عثمانؓ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ یہ لوگ ان کے لئے اپنی جانیں گنوائیں۔ باغیوں نے کئی دن مکان کو گھیرے رکھا۔ آخر ایک دن آگ لگا کر دروازہ گرایا اور مکان میں گھس کر حضرت عثمانؓ کو شہید کر ڈالا۔

حضرت عثمانؓ بارہ سال خلیفہ رہ کر ۱۸ ذی الحجہ ۳۵ ہجری کو شہید ہوئے۔ اس وقت ان کی عمر ۸۲ سال تھی۔ وہ قرآن کے حافظ تھے۔ ساری ساری رات تلاوت کرتے رہتے تھے۔ ان کے زمانے میں جہاز بنے، مسلمان سمندر کی لڑائی میں دشمنوں کو نیچا دکھا کر شمالی افریقہ پر چڑھ دوڑے۔ حضرت عثمانؓ نے ایک بڑا کام یہ کیا کہ قرآن کی نقلیں کرا کے صوبوں میں بھیج دیں۔ تاکہ مسلمان قرآن پڑھتے وقت زیر زبر کی غلطیوں سے بچے رہیں۔

نواں باب

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

حضرت عثمان شہید ہو گئے تو لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ان کی جگہ خلیفہ بنانا چاہا، حضرت علیؓ کو معلوم تھا، کہ اس نازک وقت میں خلافت کا بوجھ اٹھانا اور ٹوٹے دلوں کو جوڑنا آسان نہیں، اس لئے جب لوگوں نے خلافت کا نام لیا تو انہوں نے صاف انکار کر دیا۔ لیکن مسلمانوں نے اصرار کر کے حضرت علیؓ کو خلیفہ بننے پر مجبور کر دیا۔

حضرت علیؓ حضرت ابو طالب کے فرزند اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی ہیں۔

بچپن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے، اور انہیں کے دامن کے سائے میں پروان چڑھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت ملی تو ان کی عمر دس سال کی تھی۔ نوجوانوں میں یہ سب سے پہلے اسلام لائے۔ جب اللہ کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھلم کھلا تبلیغ کرنے کا حکم ہوا، تو آپ نے اپنے رشتہ داروں کو جمع کر کے انہیں اسلام کی تبلیغ کی، اور کہا مجھے اللہ نے تم لوگوں کی

ہدایت کے لئے نبی بنا کر بھیجا ہے۔ تم میں سے کون ایسا ہے، جو اس کام میں میری مدد کرے گا۔

یہ سن کر سب سناٹے میں آ گئے، اور دیر تک کسی کے منہ سے ایک لفظ تک نہ نکلا۔ آخر حضرت علیؓ اٹھے اور کہنے لگے کہ اگر چہ میں ان لوگوں میں سب سے کم عمر ہوں، میری ٹانگیں پتلی ہیں اور میری آنکھیں دکھتی ہیں، لیکن میں آپ کی مدد کروں گا۔ ان کی باتیں سن کر اور ان کی کم عمری کا خیال کر کے لوگ ہنس پڑے۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑھ کر انہیں گلے لگا لیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ کیا تو حضرت علیؓ کو بلا کر لوگوں کی امانتیں ان کے سپرد کیں۔ پھر انہیں اپنے بستر پر سلا کر مکہ سے نکل کھڑے ہوئے۔ اندھیری رات، سنسان مکان، باہر ہر طرف ننگی تلواریں، ایسی حالت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر پر سونا اپنی جان کو آفت میں ڈالنا تھا۔ لیکن حضرت علیؓ کے ماتھے پر بل تک نہ پڑا اور وہ بڑے اطمینان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر اوڑھ کر سو رہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ آئے کوئی پانچ مہینے ہوئے تھے کہ آپؐ نے اپنی چہیتی صاحب زادی حضرت فاطمہؓ کا بیاہ حضرت علیؓ سے کر دیا۔ اس وقت حضرت علیؓ کی عمر ساڑھے تیئس سال کی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں حضرت علیؓ کی تلوار نے بڑی بڑی گتھیاں سلجھائیں، بدر کے معرکے میں ولید جو عرب کا نامی شہہ سوار تھا۔ ان کے ہاتھوں مارا گیا۔ احد کے معرکے میں بھی حضرت علیؓ بڑی

بے جگری سے لڑے۔ اور جب کافروں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نرغہ میں لینا چاہا تو انہوں نے لڑ بھڑ کر انہیں ہٹایا، خندق کی لڑائی میں عمرو بن عبدود جیسا نامی بہادر ان کے مقابلے پر آیا اور مارا گیا۔ خیبر کا قلعہ قموص کسی سے فتح نہ ہوتا تھا۔ یہ مہم بھی حضرت علیؓ نے سر کی۔ اور مرحب جو یہاں کا قلعہ دار اور مشہور شہ سوار تھا، انہیں کی تلوار کا شکار ہوا۔

حضرت علیؓ کی پرورش نبوت کی گود میں ہوئی، اس لئے قرآن کے نکتے خوب سمجھتے تھے، آنحضرتؐ کی طرف سے جو خط اور فرمان بھیجے جاتے تھے۔ وہ بھی ان ہی کے قلم سے نکلتے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں بھی بڑے بڑے نازک مسلوں کے فیصلے ان سے کرائے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو آئین بندھے، ان میں حضرت علیؓ کا بڑا حصہ ہے۔

ان کی زبان میں عجب مٹھاس تھی۔ تقریر کرنے کھڑے ہوتے تو ایسا معلوم ہوتا کہ منہ سے پھول جھڑ رہے ہیں۔ اور لکھنے بیٹھتے تو ان کا قلم الفاظ کے موتی رولتا اور نگینے جڑتا چلا جاتا تھا۔

مسلمانوں میں خانہ جنگی

حضرت علیؓ نے خلیفہ ہونے کے بعد سب سے پہلا کام یہ کیا کہ، جو لوگ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں صوبوں کے حاکم تھے، ان کی جگہ دوسرے لوگوں کا حاکم مقرر کیا۔ صوبوں کے حاکموں نے جن میں اکثر حضرت عثمانؓ کے رشتہ دار تھے، حکومت جاتی دیکھی تو فساد کی آگ کو اور بھڑکایا اور ہر طرف شور مچ گیا کہ حضرت علیؓ کو سب سے پہلے خون حضرت عثمانؓ کا بدلہ لینا چاہیئے تھا۔ ادھر معاویہ جو شام کے حاکم تھے۔ حضرت عثمانؓ کے خون کے بہانے حضرت علیؓ کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ ادھر بصرہ میں کچھ لوگ جمع ہوئے۔ اور انہوں نے طلحہ اور زبیر جیسے بلند پایہ صحابہ اور ام المومنین حضرت عائشہ کو اپنے ساتھ ملا کر کہنا شروع کر دیا کہ جن لوگوں نے حضرت عثمان کو شہید کیا ہے۔ انہیں ہمارے حوالے کر دیا جائے۔ لیکن حضرت عثمان کے قاتل ایک دو نہیں تھے کہ انہیں پکڑ کر حوالے کر دیتے، مصر، بصرہ اور کوفہ تینوں شہروں کے اکثر بڑے بڑے آدمی اس سازش میں شریک تھے۔ اور حضرت علیؓ خود بھی انہیں لوگوں سے گھرے ہوئے تھے، وہ ان سے بدلہ کیوں کر لے سکتے تھے۔؟۔

حضرت علیؓ چاہتے تھے کہ امن ہو جائے تو حضرت عثمانؓ کے خون کا بدلہ لیا جائے۔ حضرت عائشہ، طلحہ اور زبیر کو جب ان کے اس ارادے کی خبر پہنچی تو وہ صلح صفائی پر آمادہ ہو گئے، لیکن جن فسادیوں نے حضرت عثمانؓ کو شہید کیا تھا، وہ جانتے تھے کہ صلح

ہوگئی تو ہماری خیر نہیں۔ اس لئے انہوں نے ایسی چالیں چلیں کہ آپس میں صفائی نہ ہو سکی۔ بصرہ کے قریب دونوں فریقوں میں بڑی خون ریز لڑائی ہوئی، جس میں حضرت علیؓ نے فتح پائی۔ حضرت طلحہ اور ان کے بیٹے عبدالرحمٰن اس معرکے میں مارے گئے۔ حضرت زبیر نے مدینہ کا رخ کیا، لیکن ایک شریر نے پیچھا کرکے انہیں راستے میں قتل کرڈالا، لڑائی کے بعد حضرت عائشہ اور حضرت علیؓ میں صفائی ہوگئی۔ وہ کئی میل تک ان کے ساتھ مدینہ گئے۔ اور حضرت علیؓ کے فرزند حضرت امام حسنؓ اور امام حسینؓ ایک منزل تک ان کے ساتھ رہے۔

حضرت علیؓ بصرہ سے بڑھے، اور دریائے فرات سے پار اترے۔ تو امیر معاویہ نے آگے بڑھ کر انہیں روکا، عرصے تک دونوں لشکر آمنے سامنے پڑے رہے۔ اور سفیر آتے جاتے رہے، لیکن صلح نہ ہوسکی۔ آخر میانوں سے تلواریں نکل آئیں۔ حضرت علیؓ نے امیر معاویہ کو للکارا کہ مسلمانوں کو آپس میں لڑانے سے یہ بہتر ہے کہ ہم تم لڑ کر فیصلہ کریں۔ لیکن وہ میدان میں نہ نکلے۔ ہفتہ بھر چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر ایک دن دونوں لشکروں نے جم کر لڑائی کی لیکن کسی کو فتح نہ ہوئی۔ اتنے میں رات کا اندھیرا اترنے لگا، اور دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ واپس ہوئے، ابتدا میں امیر معاویہ کا پلہ بھاری نظر آتا تھا۔ لیکن حضرت علیؓ کی فوج کے ایک نامور سردار مالک اشتر کے جوش دلانے سے اکھڑے ہوئے قدم جم گئے۔ اور ایک ایسا حملہ ہوا کہ کچھ لوگ تلواریں مارتے امیر معاویہ تک پہنچ گئے۔ انہوں نے پہلے بھاگنے کا ارادہ کیا۔ لیکن پھر

پلٹ کھڑے ہوئے۔ گھمسان کا رن پڑا، ساری رات تلوار چلتی رہی۔ صبح کے وقت مالک اشتر زور دے کر شامی فوج کے دہنے بازو پر گرے اور انہیں دباتے ہوئے آگے بڑھے۔ اتنے میں امیر معاویہ کے سپاہی نیزوں پر قرآن اٹھا کر پکارے کہ قرآن ہمارے تمہارے درمیان ہے۔ حضرت علیؑ کی فوج نے قرآن دیکھ کر ہاتھ روکا اور لڑائی بند ہوگئی۔

اب امیر معاویہ کا پیغام آیا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس جھگڑے کا فیصلہ ہو جائے۔ ایک پنچ میں مقرر کرتا ہوں۔ ایک تم مقرر کرو۔ اور وہ دونوں قرآن کے مطابق فیصلہ کر دیں۔ حضرت علیؑ کی فوج میں عراق کے لوگ کثرت سے تھے۔ انہوں نے یک زبان ہو کر کہا کہ یہ طریقہ بہت اچھا ہے۔

غرض یہ صلاح ٹھہری کہ فیصلہ پنچوں پر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت علیؑ اپنی طرف سے عبداللہ بن عباس کو مقرر کرنا چاہتے تھے، لیکن کوفہ اور بصرہ کے سرداروں نے اصرار کر کے ابوموسیٰ اشعری کو جو کوفہ کے حاکم تھے، پنچ بنایا۔ ادھر امیر معاویہ کی طرف سے عمرو بن عاص پنچ مقرر ہوئے اور یہ قرار پایا کہ رمضان کے مہینہ میں فیصلہ سنا دیا جائے گا۔

امیر معاویہ فوج لے کر دمشق پلٹے، حضرت علیؑ نے کوفہ کا رخ کیا۔ لیکن ان کی فوج دو حصوں میں بٹ گئی، کچھ لوگ پنچوں کے فیصلے کے حامی تھے۔ اور کچھ کہتے تھے کہ قرآن کو چھوڑ کر انسانوں کو پنچ بنانا گناہ ہے۔ اور آپس میں لڑائیاں اور جھگڑے ہوتے

تھے، بات بات پر تلواریں نکل آتی تھیں۔ حضرت علیؓ بڑی مشکل سے انہیں لے کر کوفہ پہنچے، جو لوگ پنچوں سے فیصلہ کرانے کے خلاف تھے، وہ لوگ حضرت علیؓ کی فوج سے الگ ہو گئے۔ یہ لوگ خارجی کے لقب سے مشہور ہوئے، اور ان کی وجہ سے مسلمانوں میں ایک نیا فتنہ پیدا ہو گیا۔

اب پنچوں کے فیصلہ کی کیفیت سنو، عمرو بن عاص نے ابو موسیٰ اشعری کو سمجھا بجھا کے یہ فیصلہ کرنے پر رضامند کر لیا کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہ میں سے کسی کو خلیفہ مقرر نہ کیا جائے، اور مسلمان جسے چاہیں خلیفہ بنا لیں۔ چنانچہ مسلمان فیصلہ سننے جمع ہوئے۔ تو پہلے ابو موسیٰ کھڑے ہوئے اور کہا ہم دونوں کی رائے یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کو چھوڑ کر مسلمان جسے چاہیں اپنا خلیفہ مقرر کر لیں۔ ان کے بعد عمرو بن عاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ میں حضرت علیؓ کو علیحدہ کر کے امیر معایہ کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں۔ ابو موسیٰ نے انہیں روکا۔ اس پر ہر طرف شور مچ گیا، اور کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

اب پھر دونوں طرف سے لڑائی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ حضرت علیؓ فوج لے کر شام کی طرف بڑھنا چاہتے تھے۔ کہ خارجیوں نے فساد مچا دیا۔ اور لوگوں کو حضرت علیؓ کی فوج میں شامل ہونے سے روکنے لگے۔ اور کئی آدمیوں کو قتل کر ڈالا، آخر ان سے نہروان کے مقام پر لڑائی ہوئی اور ڈھائی ہزار خارجی لڑ بھڑ کر مارے گئے۔ ادھر امیر معاویہ نے مصر پر قبضہ کر لیا۔ مدینہ اور یمن پر بھی فوجیں بھیجیں اور ہر طرف فساد اٹھ کھڑے ہوئے۔

یہ حال دیکھ کر تین خارجیوں نے ارداہ کیا کہ حضرت علیؓ، امیر معاویہ اور عمرو بن عاص کو قتل کر ڈالا جائے۔تا کہ سارے جھگڑے مٹ جائیں۔ان میں سے ایک عمرو بن عاص کو قتل کرنے کے ارادے سے چلا، لیکن ان کے دھوکے میں ایک اور شخص مارا گیا۔دوسرے نے معاویہ پر حملہ کیا، لیکن وار اوچھا پڑا اور انہیں ہلکا سا زخم آیا۔جو چند دن میں اچھا ہو گیا، تیسرا خارجی عبد الرحمٰن ابن ملجم کوفہ پہنچا، حضرت علیؓ صبح کو نماز پڑھانے مسجد میں تشریف لے گئے۔تو اس نے گھات سے نکل کر تلوار ماری، زخم کاری تھا۔چنانچہ انہوں نے تیسرے دن ۲۱ رمضان چالیس ہجری کو چار سال نو مہینے خلافت کر کے انتقال فرمایا۔

حضرت علیؓ کی خوبیوں اور ان کے کارناموں کا حال تم پڑھ چکے ہو۔اس میں شک نہیں کہ وہ جس طرح تلوار کے دھنی تھے، اسی طرح عقل اور تدبیر میں بھی بے نظیر تھے۔لیکن شورشوں اور خانہ جنگیوں نے انہیں کچھ نہ کرنے دیا۔عراق کے لوگ جنہوں نے سب سے پہلے ان کی بیعت کی تھی۔ان کے قابو میں نہیں تھے اور ذرا ذرا سی بات پر بگڑ جاتے تھے۔ادھر شامیوں نے فساد مچایا۔ادھر خارجی اٹھ کھڑے ہوئے۔اور حضرت علیؓ کی خلافت کا سارا زمانہ انہیں جھگڑوں کو مٹانے میں گزر گیا۔

حضرت امام حسنؓ

وفات سے کچھ دیر پہلے لوگوں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کے بعد آپ کے بڑے صاحب زادے امام حسنؓ کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ انہوں نے فرمایا میں نہ تمہیں حکم دیتا ہوں۔ نہ اس سے روکتا ہوں، جو مناسب سمجھو کرو، چنانچہ عراق والوں نے حضرت امام حسنؓ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

انہیں خلیفہ مقرر ہوئے کچھ ہی دن گزرے تھے کہ امیر معاویہ نے چڑھائی کر دی۔ امام حسنؓ نے یہ دیکھ کر کہ میری وجہ سے مسلمانوں کا خون بہے گا، خلافت سے ہاتھ اٹھا لیا۔ اور امیر معاویہ سے صلح کر لی۔ امیر معاویہ نے ان کے اور دوسرے بنی ہاشم کے لوگوں کے لئے معقول وظیفے مقرر کیے اور وہ امن سے مدینہ میں زندگی بسر کرنے لگے۔

دسواں باب

خلافت کے تیس سال

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تیس سال تک اسلامی حکومت کی اصلی شان اور مذہبی آن بان قائم رہی۔ اس کے بعد جو زمانہ آیا۔ اس کا رنگ ڈھنگ اور تھا، خلافت خاندانی وراثت بنی، عربوں کی سادگی پر ایرانیوں اور رومیوں کے تکلفات کا رنگ چڑھا، اور مسلمانوں میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔

اس مبارک زمانے میں خلیفہ جو سارے مسلمانوں کا سردار تھا، لوگوں کی رائے سے چنا جاتا تھا۔ خلافت کسی ایک خاندان کی وراثت نہیں تھی، بلکہ جو شخص سرداری کا بوجھ سنبھالنے کے قابل نظر آتا، اسے خلیفہ مقرر کر دیا جاتا، وہ قرآن کی تعلیم کے مطابق جھگڑے چکاتا اور حکومت کا انتظام چلاتا تھا۔ ہر بات میں لوگوں سے مشورہ بھی کر لیتا، اس سے کوئی غلطی ہو جاتی تو لوگ فوراً اسے ٹوک دیتے تھے، اور وہ اپنی غلطی مان لیتا تھا۔ خلافت کا دربار مسجد میں لگتا تھا۔ وہاں تمام بڑے بڑے صحابی جمع ہوتے تھے، ہر قسم کے معاملات پیش ہوتے، اور باہمی مشورے سے ان کا فیصلہ کیا جاتا تھا۔ خلیفہ کو اپنی رائے اور مرضی سے کوئی فیصلہ کرنے کا حق نہیں تھا۔ وہ عام آدمیوں کی طرح

سڑکوں پر پیدل پھرتا تھا۔ ہر شخص اس سے برابری کے دعوے سے مل سکتا تھا۔ نہ اس کا کوئی محل تھا نہ چوب دار اور نہ ہی سنتری، نہ نقیب نہ محافظ۔

اس زمانے میں اسلامی حکومت نو صوبوں میں بٹی تھی۔ اہواز اور بحرین کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا گیا۔ طبرستان اور خراسان الگ الگ صوبے رہے۔ سیستان، مکران اور کرمان کو ملا کر ایک صوبہ بنا دیا گیا۔ جنوبی ایران بھی علیحدہ صوبہ بنا، عراق کے دو حصے کر دیئے گئے۔ ایک کا صدر مقام کوفہ تھا، دوسرے کا بصرہ، اسی طرح مصر اور شام کے بھی دو دو حصے کر دیئے گئے۔ ان صوبوں کے حاکم امیر کہلاتے تھے۔ جو علاقے کا انتظام کرنے کے علاوہ جمعہ کی نماز بھی پڑھاتے تھے۔ اور ہر کام میں قرآن کے احکام کی پیروی کرتے تھے۔ پہلے صوبے کا حاکم ہی مقدموں کے فیصلے کرتا تھا۔ لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے میں قاضی مقرر کیے گئے۔

آمدنی کی بڑی بڑی مدیں تین تھیں۔ ایک تو زمین کا لگان، دوسرے زکواۃ جس کا ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض کر دیا گیا۔ البتہ ۲۷ سال سے پچاس سال کی عمر تک کے لوگوں سے ایک چھوٹی سی رقم لی جاتی تھی۔ جس کا نام جزیہ تھا اور جو غیر مسلموں سے لیا جاتا تھا۔ جزیہ اپاہجوں اور بوڑھے آدمیوں سے نہیں لیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں زمین کی پیائش ہوئی اور زمین کا لگان مقرر کیا گیا۔ جگہ جگہ نہریں نکالی گئیں۔ دجلہ اور فرات کے بند تعمیر کیے گئے۔ دریائے نیل سے بحیرہ قلزم تک ایک نہر کھدوائی گئی، اور مصر کا غلہ کشتیوں کے ذریعے عرب میں پہنچنے لگا۔ راتوں کو پہرہ دینے کے

لئے پاسبان مقرر کیے گئے۔ لیکن پولیس کا محکمہ حضرت علیؓ کے زمانے میں قائم ہوا۔

حضرت عمرؓ نے جنگی کا محکمہ بھی قائم کیا تھا، ابتدا میں فوج کی نہ کوئی فہرست تھی نہ اسے کوئی تنخواہ دی جاتی تھی۔ بلکہ یہ لوگ لڑائیوں میں شامل ہوتے تھے، انہیں مال غنیمت میں سے حصہ دیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فوج کا علیحدہ دفتر بنایا، اور اس کے لئے تنخواہ مقرر کی، جو لوگ بدر کے معرکے میں شریک ہوئے تھے، انہیں سب سے زیادہ تنخواہ دی جاتی تھی۔ اس طرح سپاہیوں کے کئی درجے تھے، لیکن حضرت علیؓ کے زمانے میں سب کو یکساں تنخواہ ملنے لگی۔ سرحدوں پر آٹھ آٹھ بڑی بڑی چھاونیاں تھیں، جن میں بہت سے سپاہی اور چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ ہر سال تیس ہزار نئے سپاہی بھرتی ہوتے تھے۔ انہیں لڑنے بھیجا جاتا تھا، تو ان کے ساتھ قاضی اور طبیب بھی ہوتے تھے۔ فوج کے دو حصے ہوتے تھے، سوار اور پیدل، سواروں کی پشت پر ڈھالیں ہوتی تھیں، ہاتھ میں نیزے اور تلواریں پہلو سے لٹکتی تھیں۔ پیدل فوج کے پاس نیزے اور تلوار کے ساتھ تیر کمان بھی ہوتے تھے۔ لڑائیوں میں پیدل فوج کی صفیں اس طرح باندھی جاتی تھیں، کہ آگے برچھیت اور نیزے باز ہوتے تھے، ان کے پیچھے تیر انداز، سواروں کو اس فوج کے دونوں بازوؤں پر جمایا جاتا تھا۔ پہلے دونوں طرف سے ایک ایک یا دو دو بہادر نکل کر لڑتے تھے، پھر عام جنگ شروع ہو جاتی تھی۔

عربوں کو شعر و شاعری اور علم ہیئت کا بھی بڑا شوق تھا۔ سرحد پر جو عرب ریاستیں قائم تھیں۔ ان کے حکمران خود شاعر تھے اور شاعروں کی بڑی قدر کرتے تھے۔ ان کی

قدردانی سے شاعری کے علاوہ ہیئت اور تاریخ کو بھی بہت فروغ ہوا۔لیکن عربوں میں لکھنے کا فن بہت بعد میں آیا۔اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کے وقت بہت تھوڑے لوگ لکھنا جانتے تھے، بدر کی جنگ میں قریش کے جو لوگ مسلمانوں کے ہاتھ قید ہوئے۔ان میں سے بعض فدیہ نہیں دے سکتے تھے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ وہ فدیہ ادا کرنے کی بجائے دس دس مسلمانوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا تو مسلمانوں میں لکھنے پڑھنے کا فن اچھی خاصی ترقی کر چکا تھا۔چنانچہ حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں قرآن کی سورتیں جو مختلف تختیوں اور کھجور کے پتوں پر لکھی ہوئی تھیں۔کتاب کی صورت میں ایک جگہ جمع کی گئی تھیں۔حضرت عمرؓ نے اپنے زمانے میں لوگوں کو قرآن سکھانے کے لئے معلم مقرر کیے۔پھر جب حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے قرآن کی نقلیں کرا کر مختلف صوبوں میں بھیجیں، تاکہ لوگ زیر زبر کی غلطی سے بچے رہیں۔

اس زمانے میں عرب لوگوں کی معاشرت میں بھی کئی تبدیلیاں ہوئیں، پہلے کچے مکانوں کا رواج تھا،حضرت عمرؓ کی خلافت کے آخری زمانے میں جب روم اور ایران کی بادشاہتیں فتح ہوئیں تو پکے مکان بننے لگے، جس میں رومیوں اور ایرانیوں کے طرز تعمیر کی جھلک نظر آتی تھی۔حضرت عثمانؓ کے عہد میں بڑے بڑے شہروں میں سنگ مرمر کی عمارتیں بنیں۔جن میں بیش قیمت قالین اور غالیچے بچھائے جاتے تھے۔

صحرائے عرب کے لوگ ایک لمبا کرتا پہنتے تھے، جس میں ٹخنوں تک سارا جسم چھپا ہوتا تھا۔اس پر چمڑے کی ایک پیٹی باندھی لی جاتی تھی۔اور اس پر اونٹ کے بالوں کا ایک فرغل ہوتا تھا۔

البتہ جنگ کے وقت وہ چست پاجامے اور تنگ کرتے پہنتے تھے۔اور سر پر ایک رومال ہوتا تھا۔شہروں میں شلوار اور کرتا پہننے کا رواج تھا۔اس پر جبہ یا عبا پہنتے تھے۔ جو ایک فرغل سا ہوتا تھا۔ایران اور روم کے اثر سے قبا پہننے کا رواج ہوا۔ایک لمبی آستینوں کا کوٹ سا تھا،سر پر پگڑی ہوتی جسے عمامہ کہتے تھے۔

اس پر ایک رومال پڑا رہتا تھا۔جس کی وجہ سے گردن اور کندھے دھوپ سے بچے رہتے تھے،عورتیں ڈھیلی ڈھالی شلوار اور اس پر چست کرتا پہنتی تھیں۔اس پر ایک لمبا سا فرغل ہوتا تھا،سر پر رومال باندھا جاتا تھا،باہر نکلتی تھیں تو سارا جسم ایک لمبی چادر میں ڈھانپ لیا جاتا تھا۔

اختتام۔۔۔۔۔۔۔۔حصہ اول

جلد دوئم

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved
©2002-2006

خلافت بنی امیہ

www.IqbalCyberLibrary.Net
©2002-2006

پہلا باب

امیر معاویہؓ اور ان کے جانشین

امیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب کا چچیرا بھائی تھا' قریش کا ایک مشہور سردار گزرا ہے۔ اس کے دس بیٹے تھے۔ جن میں سے حرب اور ابولعاص بہت نامور ہیں۔ ابوسفیان جو ابوجہل کے بعد قریش کا سردار مقرر رہوا' اسی حرب کا بیٹا تھا۔

ابوسفیان فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوا۔ اس کے ساتھ اس کے بیٹے معاویہؓ اور یزید بھی ایمان لائے۔ جب مسلمانوں کی فوجیں شام پر بڑھنے لگیں تو حضرت ابوبکرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو ایک دستے کا سردار بنا دیا۔ کچھ دنوں کے بعد معاویہؓ کو ان کی مدد کے لیے بھیجا گیا۔ یہ بھائی کے ساتھ ساتھ رہے۔ اور اکثر لڑائیوں میں شریک ہوئے۔ دمشق فتح ہوا تو یزید کو وہاں کا حاکم مقرر کیا گیا اور معاویہؓ کو اردن کے ضلع کی سرداری ملی۔ عمواس کی وبا میں یزید کا انتقال ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے دمشق کی حکومت معاویہؓ کے سپرد کی۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں حمص اور فلسطین کے علاقوں کی حکومت بھی ان کو ملی

اور وہ سارا علاقہ ان کے قبضہ میں آ گیا۔ جس کے ایک طرف مصر ہے اور دوسری جانب فرات۔ انہوں نے اپنی تدبیروں سے رومیوں کو جو بار بار مسلمانوں پر چڑھ آئے تھے۔ دبایا۔ سرحد پر قلعے تعمیر کیے۔ جہاز بنائے۔ قیصر روم کی فوجوں کو سمندری لڑائیوں میں نیچا دکھایا۔ اور لگاتار شکستوں سے ان کے حوصلے پست کر دیے۔

حضرت عثمانؓ ان کے بھائی بندوں میں تھے۔ ان کی شہادت کے بعد انہوں نے اس کا خون کا دعویٰ کیا اور اپنے علاقے میں خود مختار ہو بیٹھے۔ آخر زمانے نے یہ ورق بھی الٹا۔ حضرت علیؓ شہید ہوئے۔ حضرت امام حسینؓ نے خلافت سے ہاتھ اٹھایا اور امیر معاویہؓ بے کھٹکے حکومت کرنے لگے۔

اسلام قبول کرنے سے پہلے عربوں کا جو رنگ ڈھنگ تھا کہ اس کا حال تم پڑھ چکے ہو۔ لوگ چھوٹے چھوٹے قبیلوں اور خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے۔ جن کی تلواریں ایک دوسرے کے خون کی پیاسی تھیں۔ میلوں ٹھیلوں اور بیاہ شادی کے جلسوں میں گھڑی دو گھڑی مل بیٹھے تو باپ دادا کی بڑائی کے قصے چھڑ جاتے۔

قبیلہ قبیلہ کے شاعر اپنے بزرگوں کی تعریف میں قصیدے پڑھتے۔ انہیں چرچوں میں تو تکار تک نوبت پہنچی۔ اور شاعروں کے گیت تلواروں کی جھنکار اور زخمیوں کی چیخوں میں کھو جاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عربوں کی ان پرانی چشمکوں اور عداوتوں کو مٹایا اور خاندان کی بڑائی کے گھمنڈ اور شرافت کے غرور کو اس طرح توڑا کہ اونچ نیچ کی تمیز اٹھ گئی۔ اور سارے مسلمان ایک بہت بڑے قبیلہ کے

فرزند اور آپس میں بھائی بھائی سمجھے جانے لگے۔

عرب کے لوگ دو بڑے گروہوں میں بٹے ہوئے تھے۔ جن میں صدیوں سے دشمنی چلی آتی تھی۔ ایک تو مضری جو حضرت اسماعیل کی اولاد تھے۔ اور حجاز میں رہتے تھے۔ دوسرے حمیری جن کے باپ دادا اصل وطن یمن تھا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں بہت سے مضری بصرہ میں آباد ہو گئے۔ کوفہ حمیری قبیلوں کا مرکز تھا۔ فلسطین اور دمشق کے علاقے میں بھی مضریوں کی کثرت تھی اور شام ک شمالی حصے میں حمیری پھیلے ہوئے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے تک تو مضری اور حمیری آپس میں بڑے میل ملاپ سے زندگی بسر کرتے رہے۔ لیکن حضرت عثمانؓ کی خلافت کے آخری سالوں میں جب دور دور تک کوئی مملکت ایسی نہ تھی جسے فتح کر کے مسلمان اپنے دل کے حوصلے نکالتے' ان پرانی دشمنیوں نے پھر سر اٹھایا۔ اور امیر معاویہؓ کے زمانے میں تو آپس کے یہ اختلافات ایسے بڑھے کہ عرب سے افریقہ کے ریگستانوں اور خراسان کے میدانوں تک جہاں جہاں مضری اور حمیری آباد تھے' نفاق کی آگ بھڑک اٹھی۔ ساتھ ہی خلافت کے جھگڑوں نے مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ کچھ لوگ خلافت کو بنی ہاشم کا حق سمجھتے تھے۔ کچھ بنی امیہ کے طرف دار تھے۔ ایک جماعت ان جھگڑوں سے ایسی بیزار ہوئی کہ اس نے حضرت عمرؓ کے بعد کسی کو خلیفہ ماننے سے ہی انکار کر دیا۔

امیر معاویہؓ کو عام مسلمانوں نے خلیفہ منتخب نہیں کیا تھا۔ بلکہ انہوں نے اپنی قوت اور طاقت کے بل پر خلافت حاصل کی تھی۔ شام پر وہ عرصے سے حکومت کر رہے

تھے۔اس لیے وہاں کے لوگ دل وجان سے ان کے ساتھ تھے۔عراق کے باشندے ان کے سخت دشمن تھے۔مصر کے لوگوں میں بھی اکثر خلافت کو حضرت علیؓ اور ان کی اولاد کا حق سمجھتے تھے۔امیر معاویہؓ نے تلوار کے زور سے دبایا۔یہ حالت دیکھ کر بڑے بڑے صحابی جنہیں امیر معاویہؓ کی خلافت میں بادشاہت کی جھلک نظر آتی تھی‘ سلطنت کے معاملات سے بے تعلق ہو کر گھروں میں جا بیٹھے۔

غرض امیر معاویہؓ نے ملک کا ایسا نظام کیا کہ کسی کو سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔ لیکن خارجی جنہوں نے حضرت علیؓ کو خلیفہ ماننے سے انکار کر دیا تھا آسانی سے دبنے والے نہیں تھے۔ انہوں نے جگہ جگہ شورش برپا کر دی۔ اور ان کے چھوٹے چھوٹے دستوں نے امیر معاویہؓ کی فوج کو ایسی ایسی شکستیں دیں کہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کی بہادری کی دھاک بیٹھ گئی۔امیر معاویہؓ نے ان کا زور توڑنے کے لیے بڑے جتن کیے۔خارجیوں میں جو تھڑ دلے اور لالچی لوگ مل گئے تھے‘ انہیں خلعت اور انعام دے کر توڑ ڈالا۔اور جن سرکشوں نے ضد نہ چھوڑی اور مرنے مارنے پر تل گئے‘ انہیں لڑ بھڑ کر دبایا۔بصرہ اور کوفہ میں بار بار شورشیں ہوتی تھیں۔ انہوں نے وہاں بڑے سخت گیر حاکم مقرر کیے۔جنہوں نے سینکڑوں کا خون بہایا اور ایسا بندوبست کیا کہ سرکشوں کو سر اٹھانے کی ہمت نہ ہوئی۔

خارجیوں نے جس شجاعت کے ساتھ امیر معاویہؓ کے لاؤ لشکر کا مقابلہ کیا۔اس کے حالات سنو تو رستم کی بہادری کی حکائتیں ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔ایک خارجی سردار

تین سو بہادروں کو لے کر تین ہزار کے لشکر سے جا ٹکرایا اور اسے شکستوں پر شکستیں دیں۔ ایک بہادر نے جب دیکھا کہ بصرہ کا حاکم کا ظلم حد سے بڑھ گیا تو چالیس جانبازوں کو لے کر اہواز کا رخ کیا۔ یہاں سے دو ہزار آزمودہ سپاہی انہیں گرفتار کرنے کو بھیجے گئے۔ لیکن ان چالیس قلوریوں نے دو ہزار کو مار بھگایا۔ آخر خارجیوں کا زور ٹوٹا اور وہ صحرائے عرب میں کھنڈ گئے۔

امیر معاویہؓ نے ان جھگڑوں سے فراغت پائی تو ملک کے انتظام کی طرف توجہ کی۔ دمشق میں جو ان کی حکومت کا پایہ تخت تھا' بڑے ٹھاٹھ سے دربار سجایا' جسے دیکھ کر رومیوں اور ایرانیوں کی شان شاہانہ کا نقشہ آنکھوں میں پھر جاتا تھا۔ محل اور قصر بنائے' باغ لگائے' سترہ سو جنگی کشتیاں بنوائیں' فوج کے دو حصے کیے۔ ایک جاڑے کے موسم میں جنگ پر بھیجا جاتا تھا' دوسرا گرمیوں میں جا کر لڑتا تھا۔ سارے ملک میں ڈاک کی چوکیاں بٹھائیں' جہاں تازہ دم گھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔

فتوحات

امیر معاویہؓ کے زمانے میں بھی بعض صوبوں میں بغاوتیں ہوئیں جنہیں مٹانے کے لیے لشکر بھیجنے پڑے۔ سندھ کی سرحد پر بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ ترکستان کے سردار جن سے حضرت عمرؓ کے زمانے میں کئی معرکے ہو چکے تھے' چڑھ آئے۔ لیکن شکست کھا کر بھاگے۔ ایک نامور سپہ سالار مہلب بن ابی صفرۃ ترکوں کو دبا کر

ہندوستان کی طرف بڑھے۔ اور سندھ سے اتر کر مشرقی افغانستان اور ملتان کے علاقے کو زیر و زبر کر کے واپس لوٹے۔ انہیں معرکوں کا ذکر ہے کہ ایک بار مہلب اپنی فوج سے بچھڑ کر کسی جنگل میں جا نکلے۔ اتفاقاً ادھر سے کچھ ترک سواروں کا گزر ہوا۔ انہوں نے انہیں دیکھ کر پہچانا اور تلوار سونت کر آ پڑے۔ مہلب اکیلے تھے اور ان کے مقابلے پر اٹھارہ سوار تھے۔ جو سر سے پاؤں تک او پچی بنے ہوئے تھے۔ لیکن انہوں نے آن کی آن میں ان سب کو کاٹ کر ڈال دیا۔ اور پھر گھوڑا اڑا کر اپنے لشکر میں آ ملے۔

اس زمانے میں قسطنطنیہ کے تخت پر یکے بعد دیگرے دو تین بادشاہ بیٹھے۔ جن کی مسلمانوں کے ساتھ دیر تک چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اس زمانے میں آرسینیا کی سرحد کے حاکم شاپور نے رومی سلطنت کے خلاف بغاوت کر دی اور امیر معاویہ کو لکھا کہ آپ کا قبضہ کرا دوں گا۔ ادھر سے ایک زبردست فوج بھیجی گئی۔ یہ لشکر رومیوں کی سرحد میں داخل ہوا تھا کہ شاپور کے مرنے کی خبر ملی۔ لیکن مسلمانوں نے قدم پیچھے نہ ہٹایا اور قلعہ پر قلعہ فتح کرتے چلے گئے۔ اس طرح وہ کئی میدان مار کر قسطنطنیہ پہنچے۔ جو رومیوں کی سلطنت کا پایہ تخت تھا۔ امیر معاویہؓ نے ان کی کمک کے لیے بڑی بھاری فوج بھیجی۔ کئی صحابی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں برسوں رہے تھے شہادت کے شوق میں اسلامی لشکر میں شامل ہو گئے تھے۔ لیکن قسطنطنیہ بڑا محفوظ مقام ہے۔ سنگلاخ چٹانوں اور سمندر نے اسے اس طرح گھیر رکھا ہے کہ کسی طرف

سے حملہ ہی نہیں کیا جا سکتا۔ مسلمان خشکی اور تری دونوں طرف سے بڑھے۔ لیکن مجبور ہو کر ہٹنا پڑا۔ انہیں معرکوں میں حضرت ابو ایوب انصاریؓ کا انتقال ہو گیا۔ انہیں شہر کی فصیل کے پاس ہی دفن کر دیا گیا۔ جب ترکوں نے اس شہر کو فتح کیا تو ان کے مزار کے پاس ایک مسجد تعمیر کی گئی۔ جس میں صدیوں تک ترک بادشاہوں کی تاجپوشی کی رسم ادا کی جاتی رہی۔

حضرت عثمانؓ کے زمانے میں افریقہ کا علاقہ برقہ تک فتح ہو چکا تھا۔ اس زمانے میں عرب کے لوگ صرف اس علاقہ کو افریقہ کہتے تھے۔ جو مصر سے بحیرہ اٹلانٹک تک پھیلا ہوا ہے یہاں سرکش بربری قبیلے آباد تھے۔ جن میں سے بعض اپنے خاندان کا سلسلہ عربوں سے ملاتے تھے۔ جن مصری لوگوں کے سروں میں آزادی کی ہوا سمائی ہوئی تھی جب موقع پاتے بغاوت کا علم کھڑا کر دیتے۔ اور ریگستانوں اور پہاڑوں کے وحشی جنگجوؤں کو سمیٹ مسلمانوں پر چڑھ آتے۔ امیر معاویہؓ نے عقبہ بن نافع کو فوج دے کر افریقہ بھیجا۔ انہوں نے یہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر فوجی چھاؤنی قائم کرنے کا ارادہ کیا۔ اور تونس سے جنوب کی طرف ہٹ کر قیروان کا شہر بسایا تاکہ وہاں بیٹھ کر بربری قبیلوں اور عیسائی فوجوں کا مقابلہ آسانی سے کیا جا سکے۔ اس جگہ بڑا گھنا جنگل تھا۔ جس میں ہر طرف سانپ' بچھو اور وحشی درندے بھرے پڑے تھے۔ مسلمانوں نے اس جنگل کو کاٹ کر زمین کو ہموار کیا۔ اور شہر کی داغ بیل ڈالی۔ ادھر سے خاطر جمع ہوئی تو مغرب کی طرف بڑھے۔ راستہ میں جتنے شہر اور قلعے آئے سب نے ایک ایک

کر کے ہتھیار ڈال دیے۔ تاہرت کے شہر پر بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ رومیوں کے ساتھ بربری قبیلوں کا ٹڈی دل تھا لیکن یہاں بھی خدا نے مسلمانوں کو فتح دی۔ اس طرح وہ بربری سرکشوں کو دباتے' رومیوں اور یونانیوں کو نیچا دکھاتے اور فتح کے نشان اڑاتے۔ بحیرہ اٹلانٹک کے کنارے پہنچے۔ آگے ہر طرف عالم آب تھا۔ سمندر کی موجیں اسلامی فوج کے قدموں پر لوٹتی تھیں۔ اور پھر اس طرح اٹھتیں گویا آسمان کی پیشانی کو چومنا چاہتی ہیں۔ عقبہ نے جوش میں آ کر پانی میں گھوڑا ڈال دیا اور دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کے کہا کہ "الٰہی اگر سمندر میرا راستہ نہ روک لیتا تو جہاں تک زمین ملتی میں تیری راہ میں جہاد کرتا چلا جاتا"۔

افریقہ کے ان معرکوں پر نظر ڈالو تو تعجب ہوتا ہے کہ مسلمانوں کی مٹھی بھر فوج نے کس طرح ان لڑائیوں کو سر کر لیا۔ دراصل افریقہ کی فتح ایران اور روم کی فتوحات سے زیادہ مشکل تھی۔ کیونکہ یہاں بربری قبیلوں سے مسلمانوں کا مقابلہ پڑا جو بڑے وحشی اور خونخوار تھے۔ اور ہمیشہ آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ دنیا کی کسی قوم نے ان وحشیوں کے مقابلے میں عربوں جیسی جرات نہیں دکھائی۔

افریقہ کی یہ لڑائیاں امیر معاویہؓ کے زمانے سے شروع ہو کر ان کے بیٹے یزید کے زمانے تک جاری رہیں۔ ۶۵ھ میں ایک بربری سردار جو پہلے مسلمان ہو گیا تھا رومیوں سے مل گیا اور اپنے ہم قوموں کی بہت بڑی فوج لے کر مسلمانوں پر چڑھ آیا۔ عقبہ نے ساری فوج چھوٹے چھوٹے دستوں میں تقسیم کر کے ملک کے مختلف

حصوں میں پھیلا دی۔ اوران کے ساتھ تھوڑے سے جانباز باقی رہ گئے تھے۔ کہ بربری اس ملک کے ریگستانوں اور پہاڑوں سے سمندر کی طرح اُمڈ پڑے اور عقبہ کو گھیر لیا۔ یہ دیکھ کر عقبہ نے تلوار کا نیام توڑ کر پھینک دیا۔ اور اپنے ساتھیوں کو لے کر بربریوں کے انبوہ میں گھس گئے۔ اوراس طرح لڑے کہ ایک مسلمان بھی جیتا نہ بچا۔ عقبہ کے شہید ہونے کے بعد قیروان بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور وہ ہٹ کر برقہ چلے آئے۔

یزید کی ولی عہدی

اب تک خلافت کسی ایک خاندان میں نہیں رہی تھی۔ اور بظاہر یہی معلوم ہوتا تھا کہ امیر معاویہؓ بھی حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے طریقے پر چلیں گے۔ اور اپنے خاندان کے کسی شخص کو خلیفہ نہیں بنائیں گے۔ لیکن انہوں نے بعض لوگوں کے کہنے سننے پر اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنانے کا ارادہ کرلیا۔ شامیوں کے دل پہلے ہی مٹھی میں تھے۔ اس لیے انہوں نے فوراً یہ تجویز منظور کر لی۔ عراق کے لوگ البتہ مخالف تھے۔ لیکن امیر معاویہؓ کے سرداروں نے ان میں سے بعض کو روپیہ کا لالچ دے کر توڑا اور بعض کو ڈرا دھمکا کر رضامند کرلیا۔ امیر معاویہؓ نے خود ایک ایک شہر میں جا کر لوگوں سے یزید کی ولی عہدی منوائی۔ پہلے وہ عراق گئے وہاں سے مدینہ کا رخ کیا عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن زبیرؓ عبداللہ بن عباسؓ اور امام حسینؓ جو اس تجویز کے مخالف تھے معاویہ

کے مدینہ پہنچنے سے پہلے پہلے مکہ معظمہ چلے گئے۔ امیر معاویہؓ مدینہ کے لوگوں کو رام کر کے مکہ پہنچے۔ اور ان چاروں کو بلوا کر بات چیت کی۔ انہوں نے بڑی دلیری اور بے باکی سے اس تجویز کی مخالفت کی۔ امیر معاویہ نے ان کی باتیں سنیں اور یہ کہہ کر اٹھ کھڑے ہوئے کہ آپ مانیں یا نہ مانیں۔ جو کچھ ہونے والا ہے ہو کر رہے گا۔

امیر معاویہ نے ۶۰ھ میں انتقال کیا۔ یزید باپ کی موت کے وقت دمشق میں موجود نہیں تھا۔ موت سے پہلے انہوں نے یزید کے لیے وصیت نامہ لکھوا دیا تھا جس میں سلطنت کے انتظام کے متعلق بڑی کارآمد اور مفید نصیحتیں کی گئی تھیں۔

امیر معاویہ بڑے عقل مند اور باتدبیر حکمران تھے زمانے کی نبض خوب پہچانتے تھے۔ کبھی تلوار سے دشمنوں کو دباتے۔ کبھی انعام و اکرام سے انہیں زیر کرتے۔ ان کے زمانے میں عربوں کی پرانی سادگی پر ایرانیوں اور رومیوں کے تکلفات کا رنگ چڑھا۔ اور خلافت نے بادشاہت کی شان اختیار کر لی۔ اب سارے ملک کی باگ ڈور میں ایک شخص کے ہاتھ میں تھی۔ وہ جو چاہتا تھا' کرتا کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔

امیر معاویہ نے دمشق میں محل بنوائے۔ باغ لگوائے محلوں میں پہرہ دار اور سنتری مقرر کیے۔ اور جاہ و حشم کے سامانوں سے حکومت نے رونق پائی۔ لیکن ان کے زمانہ میں آزادی اور مساوات کے اصول جن پر اسلام کی عمارت کی بنیاد پڑی تھی' مٹا دیے گئے اور خلافت میں وراثت کے دستور کا رواج ہوا۔ جو قرآن کی تعلیم سے بالکل خلاف تھا۔

یزید

یزید نے عیش وعشرت کی گود میں پرورش پائی تھی۔ شروع سے ماں باپ جان چھڑکتے تھے۔ باپ کی محبت کا تو یہ حال تھا کہ بیٹے کو جانشین بنانے کی خاطر اسلام کے ایک بڑے اصول کو توڑا اور سارے مسلمانوں کو ناراض کرلیا۔ اس لاڈ پیار نے یزید کی عادتیں بگاڑ دی تھیں۔ مصاحبوں میں بیٹھ کر خوش مستیاں کرنا۔ شعر پڑھتا اور سنتا یا سیر وشکار سے جی بہلاتا۔ خود شاعر تھا اور شاعروں کے لشکر کے ساتھ شکاری کتوں کی ایک پوری فوج اس کی فیاضی کے سایے میں پل رہی تھی۔ جس اس کی ولی عہدی کا چرچا ہوا تو کچھ دنوں کے لیے اس نے سیر وشکار کو ترک کر دیا۔ اور ملکی معاملات میں دلچسپی لینے لگا۔ لیکن حکومت قبضے میں آتے ہی پھر وہی رنگ اچھلنے لگا۔ خوشامدی مصاحب اور لطیفہ گو درباری جمع ہوتے۔ اور ایوان خلافت قہقہوں کی صداؤں سے گونج اٹھتا۔ باپ کے وقت کے جو جاں نثار اور خاندان کے بڑے بوڑھے موجود تھے' انہوں نے سلطنت کا انتظام سنبھالا۔ اور جن لوگوں نے ابھی تک اسے خلیفہ نہیں مانا تھا' ان سے بیعت لینے کی تدبیریں ہونے لگیں۔

کربلا کا حادثہ

یزید کی مسند نشینی کے وقت حضرت امام حسینؓ مدینہ میں تھے۔ وہاں سے وہ سیدھے مکہ پہنچے۔ ان کے آنے کی خبر سن کر لوگ جوق در جوق جمع ہوئے۔ جن کی باتوں سے معلوم ہوا کہ یزید کی خلافت کسی کو بھی پسند نہیں لیکن ڈر کے مارے چپ ہیں۔ ادھر کوفہ سے خبریں آئیں کہ یزدی کے خلیفہ بننے کی خبر سن کر وہاں کے لوگوں میں سخت جوش پھیلا ہوا ہے۔ کچھ دنوں کے بعد کوفہ سے حضرت امام حسینؓ کو پیغام پہنچے۔ کہ آپ ادھر تشریف لائیں۔ تو ہم سب آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں گے۔ انہوں نے پہلے ان پیغاموں پر اعتبار نہ کیا کیونکہ کوفہ کے لوگ عہد شکنی میں مشہور تھے۔ حضرت علیؓ نے بھی ان کے ہاتھوں سے بڑے دکھ اٹھائے تھے لیکن ادھر سے خطوں کا تانتا بندھ گیا۔ کوئی ڈیڑھ سو خط آئے۔ ہر خط میں یہی لکھا تھا کہ ہم آپ کی حمایت میں جانیں لڑا دیں گے۔ امام حسینؓ جانتے تھے کہ کوفہ کے لوگ بھروسے کے قابل نہیں۔ ان کی طبیعتوں کا رنگ بدلتے دیر نہیں لگتی۔ اس لیے اپنے چچیرے بھائی مسلم بن عقیل کو بھیجا کہ وہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر خبر دیں۔ وہ چپ چپاتے کوفہ پہنچے ان کے پہنچنے کی خبر مشہور رہوئی۔ تو ایک خلقت اُمڈ آئی۔ حضرت مسلمؓ نے حضرت امام حسینؓ کے پاس قاصد دوڑایا کہ کوفہ کے سارے لوگ آپ کے جاں نثار ہیں۔ بے کھٹکے تشریف لے آئیں۔

یہ خبریں یزید کو بھی پہنچیں۔ اس نے زیاد کے بیٹے عبید اللہ کو بصرہ اور کوفہ کا حاکم بنا کے بھیجا۔ مسلمؒ اس کے آنے کی خبر سن کر ایک شخص کے ہاں جس کا نام ہانی تھا چھپ گئے۔ عبید اللہ زیاد کو کسی طرح یہ خبر مل گئی اس نے ہانی کو پکڑ منگوایا۔

جب مسلم بن عقیلؒ نے یہ سنا تو ہانی کے گھر سے نکلے۔ چار ہزار آدمی آن کی آن میں ایک جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ لیکن ابن یادہ نے انہیں بہلا پھسلا کر توڑ لیا۔ یا تو مسلم کے پیچھے چار ہزار سپاہی تھے یا پلٹ کے دیکھا تو صرف تیس جان نثار نظر آئے۔ باقی سب ہوا ہو گئے۔ مسلم نے انہٰں ساتھ لے کر لڑنا بے سود سمجھا۔ اور ایک شخص کے گھر میں جا چھپے۔ لیکن ابن زیاد نے انہیں ڈھونڈ نکالا اور وہ اور ہانی موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

موت سے پہلے مسلم نے حضرت امام حسینؓ کو پیغام بھجوا دیا تھا کہ آپ ادھر نہ آئیں کوفہ کے لوگوں سے وفاداری کی امید نہیں۔ لیکن وہ ان کے پہلے خط کے بھروسے مدینہ سے چل چکے تھے۔ چلتے وقت دوستوں اور خیر خواہوں نے انہیں روکنا چاہا۔ لیکن وہ نہ رکے اور خدا پر بھروسہ کر کے کوفہ کا رخ کیا۔

راستہ میں اس زمانے کا مشہور شاعر فرزوق ملا جو کوفہ سے آ رہا تھا اس سے وہاں کی حالت پوچھی تو اس نے جواب دیا کہ کوفہ والوں کے دل تو آپ کے ساتھ ہیں لیکن ان کی تلواریں یزید کا ساتھ دیں گی۔ آگے بڑھے تو گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک شخص جو گرد میں اٹا ہوا تھا گھوڑا مار کر پاس پہنچا۔ یہ امام حسینؓ

کے پچیرے بھائی عبداللہ بن جعفر کا قاصد تھا۔ انہوں نے بڑی لجاجت سے لکھا تھا کہ خدا کے لیے پلٹ آیئے۔ کوفہ کے لوگوں پر اعتبار نہ کیجیے۔ لیکن امام حسینؓ نے واپس جانے سے انکار کر دیا۔

مسلم بن عقیلؓ نے موت سے پہلے ایک شخص سے کہہ دیا تھا کہ مجھ پر جو گزرے اس کی خبر امام حسینؓ کو دے دینا۔ اور میری طرف سے کہنا کہ آپ کوفہ میں نہ آیئے۔ امام حسینؓ عراق کی سرحد کے قریب پہنچے تو مسلم کا یہ پیغام ملا۔ ساتھ ہی کوفہ میں جو ماجرا گزرا تھا اس کی اطلاع بھی ملی۔ مسلم ایسے جاں نثار بھائی کی موت کی خبر سن کر امام حسینؓ سناٹے میں آ گئے۔ کچھ لوگوں کی صلاح تھی کہ یہیں سے پلٹ جائیں لیکن حضرت امام حسینؓ کو عراق کی مٹی اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ وہ برابر آگے بڑھتے چلے گئے۔ یہ دیکھ کر لوگ چپکے چپکے سرکنے لگے۔ اور تھوڑی دیر میں کنبہ کے لوگوں اور خاص خاص جان نثاروں کے سوا کوئی ساتھ نہ تھا۔

غرض یہ چھوٹا سا قافلہ جس میں کل ۷۲ آدمی تھے۔ جنگلوں اور بیابانوں کو طے کرتا کوفہ کی طرف بڑھا۔ راستہ بڑا کٹھن تھا۔ ہر طرف سنسان ویرانے پھیلے ہوئے تھے۔ زمین سے شعلے نکلتے تھے۔ آسمان سے آگ برس رہی تھی۔ اس پر پانی کی نایابی غضب ڈھاتی تھی۔ تھوڑی ہی دور گئے تھے کہ یزید کے ایک سردار نے جس کا نام حر تھا راستہ روکا۔ امام حسینؓ شمال کی طرف ہٹ کر کربلا پہنچے۔ جو دریائے فرات کے مغربی کنارے پر نینوا کی پرانی بستی کے پاس واقع ہے۔ اتنے میں گرد اڑی اور ایک لشکر

نظر آیا۔ اس کا سردار عمرو بن سعد تھا۔ جسے ابن زیاد نے حضرت امام حسینؓ سے مقابلہ کرنے کے لیے بھیجا تھا۔ کوفہ کے سارے راستے رکے ہوئے تھے۔ دیکھ کر امام حسینؓ نے یہیں ڈیرے ڈال دیے اور عمرو بن سعد کو پیغام بھیجا کہ میں بلایا ہوا آیا ہوں۔ تم لوگوں کو میرا آنا پسند نہیں تو واپس چلا جاتا ہوں۔ عمرو بن سعد نے ابن زیاد کو لکھ بھیجا کہ اس نے جواب دیا کہ یا تو انہیں یزید کی بیعت پر مجبور کرو نہیں تو پانی بند کر دو۔ ساتھ ہی شمر کی فوج دے کر کمک کے لیے بھیجا۔

عمرو بن سعد نے دریا پر پہرے بٹھا دیے۔ حضرت امام حسینؓ اور ان کے جاں نثاروں کے خیموں کو گھیر لیا۔ ادھر ہزاروں کا دل بادل تھا ادھر بہت جانباز تھے۔ حضرت امام حسینؓ کے بھتیجے بھانجے اور بھائی ساتھ کے کھیلے ہوئے رفیق اور ساتھی' ان کی آنکھوں کے سامنے ایک ایک کر کے تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔ تو وہ خود میدان میں آئے اور لاشے پہ لاشہ گراتے اس طرح بڑھے کہ دشمنوں کو حضرت علیؓ کی جنگ کا رنگ ڈھنگ اور ان کی تلوار کی کاٹ اور روانی یاد آ گئی۔ آخر انہوں نے بھی اس شجاعت کے ساتھ جس پر ہزار رستم و اسفندیار کے کارنامے قربان ہوں' لڑ بھڑ کر جان دی۔ اس معرکے میں صرف عورتیں اور بچے یا حضرت امام حسینؓ کے ایک فرزند علیؒ جو اس مانے میں بیمار تھے زندہ بچے۔ شمر نے انہیں کوفہ پہنچایا۔ وہاں سے حکم ہوا کہ انہیں دمشق لے جاؤ۔ غرض یہ لٹا ہوا قافلہ راستہ کی سختیاں اٹھاتا یزید کے دربار میں پہنچا۔ ان مصیبت زدوں کی فریادوں نے لوگوں کے جگر پانی کر دیے۔ یزید کے گھر کی عورتیں پرسا دینے

جمع ہوئیں۔ اور تین دن عرب کے دستور کے مطابق ماتم ہوتا رہا۔ کچھ دن بعد یزید نے انہیں مدینہ بھجوا دیا۔ حضرت امام حسینؓ کی شہادت کی خبر آگ کی طرح ہر جگہ پھیل گئی۔ مدینہ کے لوگ پہلے ہی یزید کو خلیفہ ماننے پر راضی نہیں تھے۔ اس خبر نے ان کے دلوں میں ناسور ڈال دیے۔ ان دنوں عبداللہ بن زبیر مکہ میں خلیفہ بننے کے منصوبے بنا رہے تھے۔ اور انہوں نے وہاں کے اکثر لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ مدینہ والوں نے یہ خبریں سنیں تو وہ بھی عبداللہ بن زبیر کو خلیفہ مان کر یزید کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ سب سے پہلے انہوں نے بنی امیہ یعنی یزید کے قبیلے کے لوگوں پر حملہ کیا۔ وہ سب بھاگ کر مروان کے مکان میں جو چھوٹا سا قلعہ تھا جمع ہوئے لوگوں نے مروان کو گھیر لیا۔

یزید کو خبریں پہنچیں تو اس نے مسلم بن عقبہ کو بارہ ہزار سپاہی دے کر بھیجا اور چلتے وقت اسے کہہ دیا کہ مدینہ کے لوگوں کو تین دفعہ سمجھانا وہ باز نہ آئیں تو ان سے جنگ چھیڑ دینا اور شہر کو فتح کرنے کے بعد تین دن تک برابر لوٹ مار کرتے رہنا۔

مسلم بن عقبہ کے آنے کی خبر سن کر مدینہ کے لوگوں نے مروان کا ے گھر کا محاصرہ اٹھا لیا۔ اور انہیں مدینہ سے چلے جانے کی اجازت دے دی۔ پھر ہتھیار سج کر مدینہ سے نکلے اور حرہ کے مقام پر شامی فوج کو روکا۔ تین دن دونوں طرف سے قاصد آتے جاتے رہے۔ چوتھے دن جنگ کا ہنگامہ گرم ہوا۔ مدینہ کے لوگ بڑی بہادری سے لڑے۔ لیکن شکست کھائی۔ مسلم نے شہر میں گھس کر قتل عام کا حکم دے دیا۔ تین دن برابر تلوار چلتی رہی۔ شامیوں نے مدینہ کو خوب لوٹا کھسوٹا۔ بڑی عمارتوں کو آگ لگا

دی۔ اکثر مہاجر اور انصار جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میں جانیں لڑائی تھیں ان کے ہاتھوں مارے گئے۔ تیسرے دن شام کے وقت شامیوں کی تلواروں نے دم لیا۔ تو شہر اینٹوں اور پتھروں کا ڈھیر بنا ہوا تھا۔ ہر طرح سے دھواں اٹھ رہا تھا۔ اور یتیموں اور بیواؤں کی فریاد سن کر پتھر کا جگر پانی ہوتا تھا۔

یہاں سے یہ لوگ عبداللہ بن زبیر کا مقابلہ کرنے مکہ کی طرف بڑھے۔ اور شہر کا محاصرہ کر کے اردگرد کی پہاڑیوں سے پتھر اور تیر برسانے لگے۔ ابھی لڑائی ہو رہی تھی کہ یزید کے مرنے کی خبر پہنچی۔ شامیوں نے یہ سن کر محاصرہ اٹھا لیا۔

یزید اپنے ظلم وستم کی وجہ سے بہت بدنام ہے۔ اس کے حکم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے حضرت امام حسینؓ شہید کیے گئے۔ پھر مدینہ اور مکہ جیسے مقدس شہروں پر چڑھائی ہوئی۔ اور بڑے بڑے نیک بزرگوں کا خون بہایا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ لوگ آج تک اسے برا کہتے ہیں۔

یزید کے بعد لوگوں نے اس کے بیٹے معاویہ کو خلیفہ بنانا چاہا۔ معاویہ کی عمر اس وقت اکیس سال کی تھی۔ لیکن خدا کی محبت نے اس کے دل کو گداز کر رکھا تھا۔ باپ کے ظلم وستم پر نظر ڈالتا تو خیال آتا تھا کہ انسان کو دنیا کے مال ودولت اور تخت وتاج کی خاطر کیسے کیسے گناہ کرنے پڑتے ہیں؟ ایسی ہی باتیں سوچ کر اس نے حکومت پر لات ماری اور امیروں اور وزیروں سے صاف کہہ دیا کہ جسے چاہو خلیفہ مقرر کر لو۔ مجھ میں یہ بوجھ اٹھانے کی ہمت نہیں۔ یہ کہہ کر وہ اپنے گھر جا بیٹھا اور تین مہینے کے بعد اس کا جنازہ نکلا۔

دوسرا باب

مروان اور اس کے جانشین

عبداللہ بن زبیر

یزید کے مرتے ہی لوگ عبداللہ بن زبیر کے جھنڈے تلے جمع ہونے لگے۔ حجاز تو پہلے ہی ان کے قبضہ میں آ چکا تھا۔ اب عراق کے لوگ بھی ان کی طرف جھکے۔ اور ادھر عبداللہ بن زیاد جو بصرہ کا حاکم تھا۔ یہ حالت دیکھ کر خود خلیفہ بننے کے منصوبے باندھنے لگا۔ لیکن جب عراقیوں کی طبیعتوں کا رجحان عبداللہ بن زبیر کی طرف دیکھا تو بھاگ کر شام پہنچا۔ تھوڑے دنوں میں عراقیوں نے بھی اپنے ہاں کے چند معزز لوگوں کو عبداللہ بن زبیر کے پاس بھیج کر ان کی بیعت کر لی۔ عراق کے بعد مصر اور خراسان ان کے ہاتھ آئے۔ اور شام کے سوا سارے اسلامی علاقوں نے انہیں خلیفہ مان لیا۔

ادھر شام میں بنی امیہ کے بڑے بوڑھے اس سوچ میں پڑے تھے کہ معاویہ کی جگہ کسے خلیفہ بنایا جائے۔ کچھ لوگ معاویہ کے چھوٹے بھائی خالد کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔

لیکن وہ ابھی کم عمر تھا' اس لیے لوگوں اک اس پر دل نہ جما۔ اور یہ قرار پایا کہ خاندان کے کسی پختہ کار آدمی کو مسند خلافت پر بٹھایا جائے۔ سب کی نظریں رہ رہ کر مروان کی طرف اٹھتی تھیں۔ کیونکہ وہ خاندان بھر میں سب سے زیادہ دولت مند اور تجربہ کار تھا۔

لیکن وہ عبداللہ بن زبیر کے اقتدار کی خبریں سن سن کر خود ان کی بیعت کرنے کا ارادہ کر رہا تھا۔ ابن زیاد نے دمشق پہنچ کر اس کی ہمت بڑھائی اور کہا کہ اگر آپ خلیفہ بننے کا ارادہ کریں تو آہستہ آہستہ سارا ملک آپ کے قبضہ میں آ جائے گا۔ یہ سن کر اس نے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ دمشق کے حاکم ضحاک بن قیس نے جو عبداللہ بن زبیر کے حامی تھے' مروان پر چڑھائی کر دی۔ دمشق سے شمال کی طرف ہٹ کر دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے۔ بیس دن تک لڑائی ہوتی رہی۔ آخر ضحاک مارے گئے۔ اور مروان فتح کا پرچم لہراتا دمشق پہنچا۔ کچھ دنوں میں شام اور فلسطین کا علاقہ مروان کے قبضہ میں آ گیا۔ اور آس پاس کے علاقوں کے اکثر سردار عبداللہ بن زبیر سے ٹوٹ کر مروان سے آ ملے۔ مصر کے لوگ ابھی تک عبداللہ بن زبیر کی اطاعت کا دم بھر رہے تھے۔ لیکن جب زمانے کا رنگ بدلا ہوا دیکھا تو انہوں نے بھی مروان کو خلیفہ مان لیا۔

مروان کا ذکر اس سے پہلے بھی آ چکا ہے۔ وہ ابوالعاص کا پوتا اور امیہ کا پڑوتا تھا۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں اسے بڑا عروج حاصل ہوا۔ اور اس کی وجہ سے مسلمانوں میں بڑے بڑے فتنے پیدا ہوئے۔ لیکن اس وقت کسی کو سان گمان نہیں تھا کہ مصر اور عراق کے لوگ جس شخص کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں وہی ایک دن

مسند حکومت پر بیٹھ کر تلوار کے زور سے شام اور مصر کو فتح کرے گا۔ لیکن قدرت کو یہی منظور تھا کہ حکومت مروان کے خاندان کے ہاتھ میں چلی جائے اور اس کی نسل سے بڑے بڑے بلند اقبال فرماں روا پیدا ہوں۔ مروان صرف چند مہینے حکومت کرنے پایا تھا کہ موت کا پیغام آ گیا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالملک خلیفہ ہوا۔

یہ زمانہ بڑی ہل چل اور شورش کا زمانہ تھا۔ حجاز میں عبداللہ بن زبیر حکمران تھے عراق کے اکثر لوگ ان کے حامی تھے۔ کچھ لوگ اس کوشش میں تھے کہ بنی ہاشم میں سے کسی شخص کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ ادھر خارجی بھی سر اٹھا رہے تھے۔ لیکن عبدالملک نے جو بڑا عالم فاضل اور عقل مند شخص تھا تدبیر اور دانائی سے ان سب کا زور توڑا۔ اور جگہ جگہ اپنی حکومت قائم کر لی۔

یہ ذکر پہلے آ چکا ہے کہ عراق کے لوگوں نے پرچے پیغام دوڑا کر حضرت امام حسینؓ کو بلایا تھا۔ لیکن جب وہ آئے تو یہ سب اپنے قول سے پھر گئے۔ اب انہیں اپنی بے وفائی یاد آئی۔ بہت پچھتائے اور خدا سے رو رو کر اپنے گناہوں کی معافی مانگنے لگے۔ ان میں سے چھ ہزار آدمی سر سے کفن باندھ کر سپیار سنبھال یہ ارادہ لے کر نکلے کہ جب تک امام حسینؓ کے قاتلوں سے بدلہ نہیں لیں گے دنیا کو منہ نہیں دکھائیں گے۔ یہ اس زور شور سے چلے کہ ہر طرف کھلبلی پڑ گئی۔ ادھر سے ابن زیاد بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ بڑھا چلا آتا تھا۔ ان سے مقابلہ پڑ گیا۔ ابن زیاد کو فتح ہوئی۔ ان میں سے اکثر لوگ مارے گئے۔ جو باقی بچے وہ بھاگ کر کوفہ پہنچے۔ یہاں ایک شخص نے جس کا نام مختار تھا

انہیں سنبھالا اور امام حسینؓ کا انتقام لینے کی تدبیریں ہونے لگیں۔

یہ مختار قبیلہ بنی ثقیف کے سردار ابوعبیدہ کا بیٹا تھا۔ جو پل کی لڑائی میں ایرانیوں سے لڑ کر شہید ہوئے تھے۔ وہ بڑے جوڑ توڑ کا آدمی تھا۔ کوفہ پہنچ کر اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی کہ حضرت علیؓ کی اولاد میں سے کوئی شخص خلافت کا بوجھ سنبھالنے کے قابل نظر آئے تو اسے خلیفہ بنایا جائے۔ حضرت علیؓ کی اولاد میں سے علی بن حسینؓ اور محمد بن حنیفہ کے سوا کوئی شخص زندہ موجود نہ تھا۔ علی بن حسینؓ ان جھگڑوں سے بالکل الگ تھلگ رہ کر اپنا سارا وقت عبادت میں گزار دیتے تھے۔ چنانچہ مختار نے محمد بن حنیفہ کا نام لے کر لوگوں کو ابھارا۔ اور کچھ دنوں میں اچھی خاصی فوج جمع کر لی۔ پھر مالک اشتر کے بیٹے ابراہیم کو جسے شجاعت ورثہ میں ملی تھی، اپنے ساتھ ملا کر کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ عمرو بن سعد کو جو کربلا کے معرکہ میں یزید کی فوج کا سردار تھا کوفہ میں ہی رہتا تھا مختار نے پہلے اسے قتل کیا اور اس کا مکان کھدوا کے پھینک دیا۔ پھر کوفہ کے دوسرے لوگوں کو جو کربلا میں عمرو بن سعد کے ساتھ تھے تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ ابن زیاد فوج لے کر مقابلہ پر آیا۔ ادھر سے ابراہیم بڑھا۔ ابن زیاد کو شکست ہوئی اور وہ بھی لڑ بھڑ کر زندگی کے بوجھ سے سبکدوش ہوا۔

عبداللہ بن زبیر کو مختار کی زبردستیوں کی خبر پہنچی تو انہوں نے اپنے بھائی مصعب کو فوج دے کر بھیجا۔ مختار نے لڑ کر شکست کھائی۔ اور بھاگ کھڑا ہوا۔ لیکن مارا گیا۔ اب سارا عراق عبداللہ بن زبیر کے قبضہ میں تھا۔ لیکن عبدالملک نے جو اچھی طرح جانتا تھا

کہ عراق کے لوگ بھروسہ کے قابل نہیں۔ پرچے پیغام دوڑائے۔ اور انعام واکرام کا لالچ دے کر عراق کے سرداروں کو توڑلیا۔ جب یقین ہوگیا کہ اہل عراق مصعب کا ساتھ نہیں دیں گے تو خود بڑے لاؤلشکر کے ساتھ کوفہ کی طرف بڑھا۔ ادھر سے مصعب چلے۔ لیکن میدان میں پہنچے تو دیکھا کہ ساتھیوں کے چہروں پر اداسی برس رہی ہے لڑائی شروع ہوئی تو ان کی جمعیت ٹوٹنے لگی۔ اور بہت سے لوگ ان سے کٹ کر عبدالملک سے جا ملے۔ یہ دیکھ کر مصعب نے تلوار سونتی اور بڑی بے جگری سے لڑ کر مارے گئے۔

عبدالملک کوفہ پہنچا۔ اور وہاں کے شاہی محل میں جا کر بڑے ٹھاٹھ سے دربار لگایا۔ شامی فوج کے افسر اور عراق کے رئیس اور سردار اپنی اپنی جگہ کھڑے تھے اور خلعت و انعام تقسیم ہو رہے تھے۔ کہ اتنے میں مصعب بن زبیر کا سر پیش ہوا۔ ایک شخص نے کہا کہ امیر المومنین اس محل میں ہماری آنکھوں نے جو رنگا رنگ تماشے دیکھے ہیں ان پر غور کیا جائے تو حیرت ہوتی ہے۔ ابھی زیادہ دن نہیں گزرے کہ یہاں ابن زیاد کے سامنے امام حسینؑ کا سر کٹ کر آیا تھا۔ پھر یہیں ہم نے تماشا یہ بھی دیکھا کہ مختار فرمانروائی کی مسند پر بیٹھا ہے۔ اور ابن زیاد کا سر کٹ کر اس کے سامنے پڑا ہے۔ زمانے نے یہ ورق بھی الٹا دیا۔ مصعب بن زبیر نے کوفہ پر قبضہ کیا۔ اسی محل میں دربار لگا۔ اور مختار کا سر ان کے سامنے پیش ہوا۔۔ اور آج ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ مصعب کی جگہ بیٹھے ہیں اور ان کا سر مختار کے سر کی جگہ پڑا ہے۔ یہ عبرتناک داستان سن کر

عبدالملک کانپ اٹھا اور حکم دیا کہ اس منحوس محل کو اسی وقت گرا دیا جائے۔

مکہ کا محاصرہ

عبداللہ بن زبیر کے قبضے میں صرف حجاز رہ گیا تھا۔ عبدالملک نے عراق کے انتظام سے فارغ ہو کر اپنے مشہور سردار حجاج بن یوسف کو فوج دے کر بھیجا۔ اس نے جاتے ہی مکہ گھیر لیا۔ اور شہر پر پتھر اور تیر برسنے لگے۔ ابن زبیر بڑی مردانگی سے مقابلہ کرتے رہے۔ لیکن حجاج نے سارے راستے روک رکھے تھے۔ باہر سے کھانے پینے کی کوئی چیز مکہ میں پہنچنے نہیں پاتی تھی۔ لوگ بھوک کے مارے بلبلا اٹھے اور عبداللہ بن زبیر کا ساتھ چھوڑ کر حجاج سے آ ملے۔ جب عزیزوں اور رشتہ داروں نے بھی آنکھیں پھیر لیں اور چند پرانے جان نثاروں کے سوا کوئی ساتھ نہ رہا تو عبداللہ بن زبیر اپنی والدہ حضرت اسماء کے پاس جو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھیں رائے لینے گئے اور ان سے پوچھا کہ میں لڑ بھڑ کر جان دے دوں یا دشمن کی اطاعت قبول کر لوں۔ انہوں نے جواب دیا کہ بیٹا! اگر تجھے یقین ہے تو سچائی پر ہے تو اپنے ساتھیوں کی طرح لڑ بھڑ کر جان دے دے۔ لیکن اگر تیرا خیال ہے کہ تو نے ناحق خون خرابا کیا تو تجھے اختیار ہے۔ عبداللہ بن زبیر کہنے لگے مجھے ڈر ہے کہ شامی لشکر میرے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا۔ وہ بولیں کہ موت کے بعد جسم کو کوئی دکھ نہیں پہنچتا۔ بکری ذبح ہو گئی تو اسے کھال کھینچنے سے کیا تکلیف ہو سکتی ہے۔ یہ سن کر عبداللہ بن زبیر نے اپنی والدہ کی

پیشانی پر بوسہ دیا اور ان سے رخصت ہو کر مٹھی بھر جان نثاروں سمیت باگیں اٹھائے شہر سے نکلے اور جان دے کر سرخروئی حاصل کی۔ ان کی موت کو بیس دن ہوئے تھے کہ حضرت اسما بھی ان سے جا ملیں۔

عبداللہ بن زبیر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص صحابی حضرت زبیر بن العوام کے فرزند اور حضرت ابو بکرؓ کے نواسے تھے۔ نو سال تک خلیفہ رہے اور بڑے عدل وانصاف سے حکومت کی۔

پرہیز گاری اور شجاعت میں بھی ان کا پایہ بہت اونچا تھا۔ اگر وہ اپنی خلافت کے ابتدائی زمانے میں حجاز سے نکل کر شام پر قبضہ کر لیتے تو بنی امیہ کے ہاتھ حکومت نہ آتی۔ لیکن انہوں نے مکہ سے قدم باہر نہ نکالا اور مروان کو شام پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا۔

اب عبدالملک سارے عالم اسلام کا خلیفہ تھا۔ مشہور سپہ سالار مہلب بن ابی صرہ نے عبداللہ بن زبیر کی جانب سے جنوبی ایران کا حاکم تھا' جب دیکھا کہ ادھر کی دنیا ادھر ہوگئی تو عبدالملک کی اطاعت قبول کر لی۔ کوفہ اور بصرہ کے لوگ بڑے سرکش تھے۔ وار ہمیشہ فساد اٹھاتے رہتے تھے۔ عبدالملک نے حجاج کو بھیجا۔ اس نے تلوار کے زور سے ان فتنہ انگیزوں کو دبایا۔ سیستان کے حاکم رتبیل نے بغاوت کا جھنڈا ابلند کیا۔ ادھر سے حجاج کے ایک نامی سردار کو بھیجا۔ وہ وہاں پہنچ کر بگڑ بیٹھا۔ حجاج خوش لشکر لے کر چلا۔ اور اسے شکست دی۔ وہ بھاگ کر رتبیل کے پاس پہنچا۔ جب دیکھا کہ حجاج

بھی پہنچا چاہتا ہے تو خودکشی کرلی۔

عبدالملک نے ان ہنگاموں سے فرصت ہی پائی تھی کہ خارجی پرست گھٹا کی طرح بصرہ سے ہواز تک چھا گئے۔ ان کی شجاعت کے جھنڈے سارے **ملک** میں گڑے ہوئے تھے۔ ایک ایک خارجی بیسیوں سپاہیوں پر بھاری تھا۔ اس لیے ادھر سے جو سرداران کے مقابلے کے لیے بڑھا تو جان پر کھیل گیا یا شکست کھا کر بھاگا۔ آخر مہلب کو جو بڑا سپاہی اور باتدبیر جرنیل تھا اس مہم پر مقرر کیا گیا۔

وہ اور اس کے ساتوں بیٹے جن میں سے ہر ایک اپنے وقت کا رستم تھا' بڑی بہادری سے لڑے۔ لیکن ان کی رستمی کام نہ آئی۔ اور خارجی برابر قدم جمائے کھڑے رہے۔ انہیں دنوں اتفاق سے ان میں پھوٹ پڑ گئی اور انہوں نے آپس میں لڑنا شروع کر دیا۔ جب تک وہ لڑتے رہے مہلب بیٹھا دیکھتا رہا۔ جب دونوں فریق لڑتے لڑتے تھک گئے تو مہلب نے جنگ چھیڑی اور لگاتار حملے کرکے انہیں تہس نہس کر ڈالا۔ اکثر خارجی مارے گئے۔ جو بچے وہ صحرائے عرب میں پھیل گئے۔

فتوحات

عبدالملک کے زمانے میں آپس کے لڑائی جھگڑوں سے اتنی فرصت ہی نہ ملی کہ دوسرے ملکوں پر چڑھائی کی جاتی۔ پھر بھی مہلب خارجیوں کو مٹا کر ترکستان میں جا گھسا۔ اور اس علاقے کو تسخیر کر کے لوٹا تو رومیوں نے مسلمانوں کو خانہ جنگی

میں مشغول دیکھ کر قدم بڑھایا' لیکن عبدالملک نے انہیں مار بھگایا۔ اوران کے بہت سے قلعے چھین لیے۔

افریقہ کی جنگوں کے سلسلے میں تم پڑھ چکے ہو کہ وہاں بربریوں نے عقبہ بن نافع کو شہید کر کے مسلمانوں سے قیروان بھی چھین لیا تھا۔ ایک مسلمان سردار زہیر بن قیس نے برقہ میں بیٹھ کر پھر جمعیت پیدا کی اور آس پاس کے علاقے کو فتح کرنے کے لیے فوجیں بھیجیں۔ لیکن رومیوں اور بربریوں کا ایک بہت بڑا لشکر پیچھے سے ان پر آپڑا۔ اور وہ بھی شہید ہو گئے۔

اسی زمانے میں بربری قبیلوں نے ایک بوڑھی عورت کو جس کا نام دہیا تھا سردار بنا لیا۔ بربر کے لوگ اس عورت کو جادوگرنی سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ ہونے والی تباہی پہلے بتا دیتی ہے۔ اس کی شہرت دنوں کے اندر بربر کی ہر بستی میں پھیل گئی اور سارے وحشی قبیلے اس کے جھنڈے کے تلے جمع ہو گئے۔ عبدالملک کو جب یہ خبر پہنچی کہ افریقہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل گیا ہے تو اس نے ایک بہادر سردار حسان بن نعمان کو فوج دے کر بھیجا۔ انہوں نے آتے ہی قیروان اور کارتھج کو فتح کر لیا۔ اور برقہ سے بحیرہ اٹلانٹک تک سارے علاقے میں اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ ادھر سے دہیا بھی ایک بڑا بھاری لشکر لے کر بڑھی وہ جدھر سے گزرتی تھی وحشی قبیلے اس کی فوج میں شامل ہوتے جاتے تھے۔ یہ لشکر جس کا کوئی حدوشمار نہیں تھا اس طرح مسلمانوں پر آ گرا کہ ان کے قدم اکھڑ گئے قیروان ہاتھ سے نکل گیا۔ اور حسان ہٹ کر برقہ چلے آئے۔

اس معرکہ میں بہت سے مسلمان گرفتار ہوئے اور ان میں ایک نوجوان خالد بن یزید نامی بھی تھا جو بڑی بہادری سے لڑ کر قید ہوا تھا۔ بربری ملکہ نے اس کی بہادری سے خوش ہو کر اسے اپنے درباریوں میں شامل کرلیا۔ ادھر حسان برقہ میں بچی کھچی فوج کے لیے پانچ سال پڑے رہے۔ آخر عبدالملک کی بھیجی ہوئی کمک آ پہنچی۔ حسان نے خالد کو پیغام دیا کہ دہیا کے لشکر کی حالت دیکھو۔ اس نے جواب دیا کہ رعایا ملکہ کے ظلم وستم سے تنگ آ گئی ہے۔ آپ جس قدر ہو سکے چلے آیئے۔ حسان نے کوچ کی تیاری کی۔ دہیا نے آگے ہی ملک میں آفت مچا رکھی تھی۔ عربوں کے آنے کی خبر سن کر حکم دیا کہ مکان گرا دیے جائیں فصلوں اور کھیتوں کو اجاڑ کر دیا جائے۔ عرب ملک کو ویران پائیں گے تو لڑے بھڑے بغیر لوٹ جائیں گے۔ حکم کی دیر تھی اس کے سپاہی جگہ جگہ پھیل گئے اور آن کی آن میں آباد شہروں کو برباد اور پر بہار باغوں اور لہلہاتے کھیتوں کو ویران کر ڈالا۔ قلعے گرا دیے گئے۔ اور رعایا کے گھر لوٹ کر ان کی ساری دولت شاہی خزانے میں داخل کر دی گئی۔ یہ حال دیکھ کر ہر طرف کہرام مچ گیا۔ حسان تھوڑی دور گئے تھے کہ بربر کے لوگ جو اپنی ملکہ کے ظلم سے تنگ آ گئے تھے دہائی دیتے ہوئے آئے۔ ملکہ کو خبر پہنچی تو اپنے دونوں بیٹوں کو بلا کر خالد کے حوالے کیا۔ پھر اس نے کہا کہ انہیں مسلمانوں کے لشکر میں لے جاؤ تا کہ ان کی جانیں بچ جائیں۔ انہیں رخصت کر کے لشکر جمع کیا۔ اور مسلمانوں کے مقابلہ پر چلی۔ کوہ اطلس کے دامن میں بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی بربریوں نے شکست کھائی اور خود ملکہ بھی میدان میں کام آئی۔

چونکہ بربری ہمیشہ بغاوت کرتے رہتے تھے۔اس لیے حسان نے بربریوں میں سے پچیس ہزار سپاہیوں کا ایک لشکر قیروان میں مقرر کیا تا کہ وہ جب سرکشی کریں یہی لشکر ان کے مقابلے پر بھیجا جائے۔اس تدبیر سے بربر میں امن قائم ہوگیا۔

عبدالملک کی وفات

عبدالملک نے ۸۶ھ مطابق ۷۰۵ء میں اکیس سال خلیفہ رہ کر وفات پائی۔ انتقال کے وقت اس کی عمر ساٹھ سال کی تھی۔وہ بڑا عالم فاضل اور شاعروں کا قدردان تھا۔جب اس نے خلافت کی مسند پر قدم رکھا تو بڑی شورش اور ہل چل کا زمانہ تھا۔اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بنی امیہ کی فرماں روائی کو کوئی دن کی مہمان ہے۔لیکن اس نے سارے فتنوں کو تلوار کے زور سے مٹا کر ملک میں امن و امان قائم کیا۔عبدالملک کو سلطنت حاصل کرنے کے لیے لاکھوں انسانوں کا خون بہانا پڑا۔حجاج جو اس شہر کا مشہور سردار تھا آج تک خونخواری کے لیے مشہور ہے۔اور لوگ اسے قصائی کے نام سے یاد کرتے ہیں۔اس نے کوی ڈیڑھ لاکھ بندگان خدا کو قتل کر ڈالا۔اور ہزاروں اس کی قید میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے۔

عبدالملک کے زمانے میں دربار خلافت کا رنگ دیکھ کر ایران اور روم کے بادشاہوں کے درباروں کے نقشے آنکھوں تلے پھر جاتے تھے۔

عبدالملک کے زمانے میں ٹکسال قائم ہوئی اور اس میں سونے چاندی کے سکے

ڈھلنے لگے۔ اس زمانے تک دفتروں کی زبان فارسی اور یونانی تھی۔ مالگزاری اور زکوۃ جزیہ اور خراج اور تنخواہوں کا حساب کتاب انہیں زبانوں میں رکھا جاتا تھا۔ اور ایرانی اور رومی سرکاری دفتروں پر چھائے ہوئے تھے۔ عبدالملک کے عہد مین عربی نے دفتروں پر قبضہ کیا اور فارسی اور یونانی کا چلن نہ رہا۔

جن عرب سرداروں کے بازوؤں کی قوت سے عبدالملک کی حکومت کی بنیادیں مضبوط ہوئیں ان میں حجاج اور مہلب بہت مشہور ہیں۔ حجاج کے ظلم کا حال تم پڑھ چکے ہو۔ اس نے جس قدر خون بہایا اس کے چھینٹوں سے عبدالملک کی نیک نامی کا دامن بھی داغدار نظر آتا ہے۔ لیکن اس خونریزی نے ملک میں امن ضرور قائم کر دیا اور جو لوگ دل سے بنی امیہ کی حکومت نہیں چاہتے تھے انہیں حجاج کی تلوار کے سامنے سر جھکا دینا پڑا۔ مہلب بن ابی صفرہ نے خارجیوں کا زور توڑا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اس مہم کا بوجھ اٹھانا اسی بہادر سپہ سالار کا کام تھا۔ اس کے ست بیٹے تھے۔ اور ستوں اپنے باپ کی طرح بہادری میں بےنظیر تھے۔ مہلب کا انتقال ہوا تو عبدالملک کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ لیکن حجاج اس کے بیٹے ولید کے زمانے تک زندہ رہا۔ ولید کے زمانے میں اس نے جو کارگزاریاں کیں ان کا حال آگے آئے گا۔

ولید بن عبد الملک

عبدالملک اپنی زندگی میں اپنے بڑے بیٹے ولید کو اپنا ولی عہد مقرر کر گیا تھا۔ چنانچہ اس کے بعد خلیفہ ہوا۔

ولید کا زمانہ بڑے امن و امان کا زمانہ ہے۔ خارجیوں کا جتھا ٹوٹ چکا تھا۔ شیعہ بھی دبے ہوئے تھے۔ اس نے ان جھگڑوں سے مطمئن ہو کر ملک کے انتظام کی طرف توجہ کی۔ جگہ جگہ سڑکیں نکالیں۔ پل اور کنوئیں بنوائے گئے۔ جن علاقوں میں ڈاکوؤں نے فساد مچا رکھا تھا وہاں فوجی چوکیاں قائم کی گئیں۔ کاروان بے کھٹکے سفر کرنے لگے۔ اور لوگوں کو چوری چکاری اور لوٹ مار کا کوئی خطرہ نہ رہا۔

یہ زمانہ فتوحات کے لیے بہت مشہور ہے۔ اس عہد میں بڑے نامور سپہ سالار پیدا ہوئے جنہوں نے چین اور ترکستان سے لے کر ہسپانیہ تک سارے علاقے کو زیر و زبر کر ڈالا۔

سندھ کی فتح

ہندوستان اور عرب کا تعلق بڑا پرانا ہے۔ ظہور اسلام سے پہلے بھی عرب سوداگر ہندوستان آتے جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک مرتبہ مسلمانوں کی فوج سیستان اور مکران کو فتح کر کے سندھ تک پہنچی تو سارا ہندوستان زیر قدم نظر آیا۔ لیکن

حضرت عمرؓ سلطنت کو بڑھانا نہیں چاہتے تھے۔اس لیے مسلمان یہیں سے پلٹ گئے۔ بہر حال اس حملہ کی بدولت ہندوستان اور عرب کے تجارتی تعلقات بہت بڑھ گئے۔ بہت سے عرب سوداگر آئے اور بحیرہ ہند کے جزیروں اور سندھ اور ملتان کے علاقے میں آباد ہو گئے۔ اتفاقاً ایک جزرہ میں بہت سے عرب سوداگروں کا انتقال ہو گیا۔ وہاں کے راجہ نے ان کے بیوی بچوں کو جہازوں میں بٹھا کر حجاج بن یوسف کے پاس بھیج دیا۔اس زمانے میں سندھ پر راجہ داہر حکومت کرتا تھا۔ دیبل جسے آج کل گوادر کہتے ہیں اس علاقے کی مشہور بندرگاہ تھی۔عرب اور عراق سے اسی بندرگار ے ذریعے تجارت ہوتی تھی۔ یہ جہاز دیبل پہنچے تو راجہ داہر کے سپاہیوں نے انہیں لوٹ لیا۔اور بچوں اور عورتوں کو گرفتار کرلیا۔حجاج کو پل پل کی خبریں پہنچتی تھیں اسے معلوم ہوا تو اس نے راجہ داہر کو لکھا کہ ہمارے آدمیوں کو ہمارے پاس بھیج دو۔داہر نے سوچا کہ سیکڑوں کوسوں کا معاملہ ہے۔حجاج میرا کیا کرلے گا جواب دیا کہ تم مین ہمت ہے تو خود آکے چھڑالو۔

یہ سن کر حجاج نے سندھ پر چڑھائی کردی۔پہلے چھ ہزار سپاہیوں کا ایک دستہ بھیجا۔راجہ داہر کے سامنے اس لشکر کی کیا بساط تھی۔سردار اور بہت سے جانباز میدان میں کام آئے۔پھر اس نے شکست کھائی۔یہ دیکھکر حجاج نے اپنے بھتیجے محمد بن قاسم کو جس کی عمر ابھی سترہ سال کی تھی چھ ہزار آزمودہ اور من چلے بہادروں کے ساتھ روانہکیا اس نے پہلے مکران پر جسے مسلمان حضرت عمرؓ کے زمانے میں پامال کر چکے

تھے۔ فتح کا پرچم لہرایا۔ یہ خبر سن کر مسلمان سپاہی جو راجہ داہر سے شکست کھا کر ادھر ادھر بکھر گئے تھے اسلامی فوج سے آ کے ملنے لگے۔ محمد بن قاسم مکران کا انتظام کر کے سندھ کی طرف بڑھا۔ اور دیبل پر جا چڑھا۔ کئی معرکوں کے بعد دیبل بھی فتح ہوا۔ اور اسلامی فوجوں نے شمال کا رخ کیا راستے میں کئی شہر اور قلعے فتح ہوئے۔ سندھ کے رئیس نذریں لے لے کر حاضر ہوئے سہوان سے آگے بڑھے تو معلوم ہوا کہ داہر خود فوج لیے بڑھا چلا آتا ہے۔ مسلمان رکے۔ اتنے میں داہر کی فوجیں بھی آ کے اتریں۔ اسنے دہنے بائیں ہاتھیوں کی صفیں جمائیں۔ ان کی عماریوں میں نامی تیر انداز اور سورما سپاہی بٹھائے۔ بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ راجپوتوں نے بڑا ساکھا کای اور مسلمانوں کو بار بار پیچھے ہٹا دیا۔ بڑی مصیبت یہ تھی کہ مسلمانوں کے گھوڑے ہاتھیوں سے بدکتے اور رانوں سے نکل جاتے تھے۔ یہ حال دیکھ کر محمد بن قاسم گھوڑا مار کر آگے بڑھا۔ اور ساتھیوں کو للکارا کہ آگے بڑھو۔ پھر اس طرح جی توڑ کر حملہ کیا کہ راجپوتوں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ برہمن آباد میں پھر ہندوؤں نے جماؤ کیا اور بڑی بہادری سے لڑے۔ لیکن پھر شکست کھائی۔ محمد بن قاسم اس طرح راجپوتوں کو ہٹاتا فوجوں کو دباتا اور گردن کشوں کو نیچا دکھاتا دریائے سندھ سے پار اترا اور ملتان کو گھیر لیا۔ تھوڑے دنوں میں یہ شہر بھی ہاتھ آیا۔ یہاں بیٹھ کر اس نے آس پاس کے علاقوں پر فوجیں بھیجیں اور کچھ عرصہ میں سارے سندھ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

ترکستان اور چین کی لڑائیاں

جس زمانے میں ادھر محمد بن قاسم دریائے سندھ کے پار فتح کا نشان اڑا رہا تھا۔ ادھر خراسان کا حاکم قتیبہ بن مسلم باہلی جو بڑا بہادر سپاہی تھا۔ دریائے جیحون کو عبور کر کے ترکستان پر جا چڑھا۔ اور کاشغر تک سارے وسط ایشیا کو زیر و زبر کر ڈالا۔ ترکستان کے سرداروں وک مہلب اس سے بہت پہلے زیر کر چکا تھا جب تک مہلب کا بیٹا یزید خراسان کا حاکم رہا ترکستان کے لوگ جن پر مہلب اور اس کے بیٹوں کی بہادری کا سکہ بیٹھا ہوا تھا دبے رہے۔ لیکن یزید کی جگہ قتیبہ حاکم مقرر ہوا تو انہوں نے فساد مچایا' اور جو مسلمان افسر ان کے علاقے میں خراج وصول کرنے کے لیے مقرر تھے انہیں نکال دیا۔ وہ قتیبہ کے پاس فریاد لے کر گئے اور قاس طرح پھر ترکستان کے لوگوں سے جنگ چھڑ گئی۔ دس سال تک لڑائیاں ہوتی رہیں۔ اور مسلمانوں نے ایک ایک کر کے اس سارے علاقے کے سارے شہروں اور قلعوں کو فتح کر ڈالا۔ بخارا پر بڑے معرکے ہوئے۔ یہ شہر کسی طرح فتح ہونے میں نہ آتا تھا۔ مسلمان دیر تک اسے گھیرے پڑے رہے۔ اور بخارا کے حاکم نے ترک اور سعدی سرداروں کے پاس پرچے پیغام دوڑائے۔ وہ ایک بہت بڑی فوج لے کر مسلمانوں کے مقابلے پر آیا۔ ادھر سے بخارا کا حاکم بھی قلعہ سے نکلا۔ اور مسلمان گھر گئے۔ دشمنوں نے دونوں طرف سے زور دیا اور مسلمان ہٹتے ہوئے اس جگہ پہنچے جہاں عورتوں کے خیمے تھے

عورتوں نے بھاگنے والوں کو روکا اور غیرت دلائی ان کے طعنے سن کر لوگ پھر پلٹے قبیلہ تمیم کے دو سردار گھوڑے اڑاتے بڑھے آٹھ سو آدمیوں نے ان کا ساتھ دیا۔ وہ دریا سے اتر کر بخارا پر پیچھے سے آ گرے اور اسے بھگا کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ یہاں سے بڑھ کر قتیبہ نے سمرقند اور کاشغر کو فتح کیا۔ پھر چین کے بادشاہ کے پاس سفیر بھیجے۔ اس نے بہت سے تحفے بھیج کر مسلمانوں کی دلجوئی کی اور قتیبہ یہیں سے پلٹ کر خراسان چلا آیا۔

ہسپانیہ کی فتح

ولید کے زمانے میں موسیٰ بن نصیر کو افریقہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ بربریوں نے پھر سر اٹھایا لیکن موسیٰ نے تلوار کے زور سے اس فتنہ کو دبایا۔ اور محبت اور ملنساری سے ان وحشیوں کو ایسا رام کیا کہ وہ سب اس کا دم بھرنے لگے۔ پھر انہیں اسلام کی تعلیم دینے کے لیے جگہ جگہ معلم مقرر کیے اور یہ لوگ اپنے باپ اور دادا کے طور طریقوں اور صدیوں کی رسموں ریتوں کو چھوڑ کر سچے مسلمان ہو گئے۔

ان دنوں بحیرہ روم کے جزیروں میں جو افریقہ کے ساحل کے پاس واقع تھے عیسائیوں کی حکومت تھی۔ وہ جب موقع پاتے افریقہ کے ساحل پر پہنچ کر بربریوں کو مسلمانوں کے خلاف ابھار دیتے۔ موسیٰ نے اب ان فتنہ انگیزیوں کی طرف توجہ دی اور بحیرہ روم کے جزیروں کو ایک ایک کر کے فتح کر ڈالا۔ صرف سیوٹا کا جزیرہ جس کا

حاکم کونٹ جولین بحیرہ روم کے مغربی جزیروں کا حکمرون تھا مقابلہ پر ڈٹا رہا۔ اس جزیرے کے پاس ہسپانیہ کا سرسبز و شاداب ملک پھیلا ہوا تھا جہاں اس زمانے میں گاتھ قوم کی حکومت تھی۔ ہسپانیہ کا انتظام بہت خراب تھا۔ بڑے بڑے جاگیردار عیش و عشرت میں ڈوبے ہوئے کسانوں سے غلاموں کا سا سلوک کیا جاتا تھا۔ اور انہیں یہ اختیار نہیں تھا کہ کھیتی باڑی چھوڑ کر کوئی دوسرا کام شرور کردیں۔ غلاموں سے بھی کھیتی باڑی کا کام لیا جاتا تھا۔ اوران پر سخت ظلم کیے جاتے تھے۔ حکومت نے تاجروں اور کاریگروں پر بھاری محصول لگا رکھے تھے۔ جن کی وجہ سے صنعت و حرفت کی ترقی بالکل رک گئی تھی اور اتجارت کا بازار سرد پڑ گیا تھا۔ یہودی سب سے زیادہ مظلوم تھے۔ شاہی امیر اور درباری پادری اور راہب جاگیردار اور زمیندار سب ان پر ظلم کرتے تھے۔ اور انہیں غلاموں سے بدتر جانتے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے تنگ آ کر بغاوت کر دی لیکن شکست کھائی۔ بہت سے یہودی مارے گئے۔ جو زندہ بچے انہیں لونڈی غلام بنالیا گیا۔ اوران کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں۔

ان میں سے بعض لوگوں نے تنگ آ کر باپ دادا کے وطن کو چھوڑا۔ اور سمندر پار چل کر قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا۔ افریقہ کے ساحل پر اتر کر چاروں طرف نظر دوڑائی۔ تو مسلمانوں کی حکوتم کے سوا کہیں سر چھپانے کی جگہ نظر نہ آئی۔ چنانچہ عرصہ تک شمالی افریقہ میں ہسپانیہ کے پناہ گزینوں کا تانتا بندھا رہا۔ موسیٰ بن نصیر کو ان لوگوں کی زبانی ہسپانیہ کے حالات معلوم ہوئے۔ بعض پناہ گزینوں نے اس سے یہ بھی

کہا کہ اگر آپ ادھر کا قصد کریں تو آسانی سے سارے ملک پر آپ کا قبضہ ہو جائے گا۔ لیکن موسیٰ کو اس بات کا بڑا خیال تھا کہ پرایا ملک ہے۔ بیچ میں سمندر حائل ہے کالے کوسوں کی منزلیں۔ اگر اس مہم میں مسلمانوں کی جانیں ضائع ہو گئیں تو خدا کا کیا جواب دوں گا؟ وہ ابھی نہیں خیالوں میں تھا کہ قدرت نے ہسپانیہ کی فتح کے نئے سامان پیدا کر دیے۔

اس زمانے میں راڈرک ہسپانیہ کا فرمانروا تھا۔ جو وہاں کے پہلے بادشاہ وٹزیا کو تخت سے اتار کر خود بادشاہ بن بیٹھا تھا۔ کونٹ جولین جو سیوٹا کا حاکم تھا اور اس وقت مسلمانوں کے حملوں کو روکتا رہا تھا۔ راڈرک کا خراج گزار تھا۔ اس زمانے میں یہ رسم تھی کہ بڑے بڑے سردار اور امیر اپنی اولاد کو دربار کے آداب سکھانے کے لیے شاہی دربار بھیج دیا کرتے تھے۔ کونٹ جولین نے بھی پرانے دستور کے مطابق اپنی لڑکی فلورنڈا کو ہسپانیہ کے دربار میں بھیجا۔ لیکن وہاں اس سے اچھا سلوک نہ کیا گیا۔ اس نے اپنے باپ کو راڈرک کی بدسلوکی کا سارا حال لکھ بھیجا۔ کونٹ جولین کا دل پہلے ہی راڈرک کی طرف سے صاف نہیں تھا۔ کیونکہ اس کی بیوی ہسپانیہ کے پہلے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ اب جو فلورنڈا سے شاہی دربار کے حالات سنے تو بڑا غصہ آیا۔ اور اس نے راڈرک سے بدلہ لینے کا ارادہ کر لیا۔ کچھ دن کے بعد خود راڈرک کے دربار میں پہنچا۔ بڑے آؤ بھگت سے اس کا استقبال کیا گیا۔ اور بادشاہ نے اسے بڑے اعزاز و احترام کے ساتھ شاہی محل میں اتارا۔ اور جب وہ اپنی بیٹی کو ساتھ لے کر چلنے لگا تو اس سے

فرمائش کی کہ میرے لیے سیوٹا سے چند شکاری عقاب بھجوا دینا۔ کونٹ جولین نے جواب دیا کہ جہاں پناہ میں ایسے عقاب بھجواؤں گا کہ جو حضور نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھے ہوں گے۔ عقاب سے اس کی مراد عربوں سے تھی جو افریقہ کے ساحل پر بیٹھے ہسپانیہ پر جھپٹ پڑنے کے منتظر تھے۔

کونٹ جولین واپس آ کر موسیٰ بن نصیر سے ملا۔ اسے ہسپانیہ کے زرخیزی اور شادابی کی کہانیاں سنائیں۔ وہاں کے دریاؤں اور مرغزاروں شہروں اور محلوں کا ذکر کیا اور کہا کہ ہسپانیہ ایسی سرزمین ہے جہاں دودھ کی نہریں بہتی ہیں موسیٰ بڑا محتاط سردار تھا۔ اس نے پہلے اپنے غلام طریف کو پانچ سو سپاہیوں کے ساتھ ہسپانیہ کے ساحل پر چھاپا مارنے کے لیے بھیجا۔ طریف اور اس کے جانباز ساتھ کونٹ جولین کے جہازوں میں بیٹھ کر اندلس کے ساحل پر اترے۔ جس مقام پر ان کے جہازوں نے لنگر ڈالے وہ آج تک طریفہ کے نام سے مشہور ہے۔ انہوں نے آس پاس کے علاقے پر حملے کیے۔ اور یہاں کے حالات معلوم کر کے واپس قیروان پہنچے اگلے سال موسیٰ نے ایک بہادر سردار طارق بن زیاد کو جو بربر کی لڑائیوں میں اپنی شجاعت اور تدبر کے جوہر دکھا چکا تھا سات ہزار کار آزمودہ سپاہیوں کے ساتھ جن میں زیادہ تر بربری جاں نثار تھے ہسپانیہ پر حملہ کرنے بھیجا۔ طارق نے ساحل پر اتر کر جس چٹان کو قدم گاہ بنایا۔ وہ آج تک جبل الطارق یعنی طارق کی چٹان کے نام سے مشہور ہے۔ یورپ والوں نے اسے بگاڑ کر جبرالٹر بنا لیا ہے یہاں سے اس نے ہسپانیہ کے اندرونی حصے کی طرف قدم

بڑھایا۔لیکن تھوڑی ہی دور گیا تھا کہ عیسائیوں کے ایک بڑے لشکر نے جس کی تعداد ایک لاکھ سے کچھ اوپر ہی ہوگی آروکا اس فوج کا سردار خود راڈرک تھا۔

عیسائیوں نے اس لڑائی کے متعلق گیت اور قصے جوڑ رکھے ہیں۔ ہسپانیہ میں یہ روایت عرصے تک مشہور رہی ہے کہ راڈرک جن دنوں تخت سلطنت پر بیٹھا اسی زمانے سے اس یہ معلوم ہو گیا تھا کہ اس کا تخت وتاج عربوں کے ہاتھوں سے چھن جائے گا۔ کہتے ہیں کہ راڈرک ایک دن طلیطلہ[1] کے شاہی ایوان میں امیروں اور وزیروں کے جھرمٹ میں بیٹھا تھا کہ دو سپید ریش بوڑھے جو لمبی سفید عبائیں پہنے ہوئے تھے دربار میں حاضر ہوئے۔ان کا لباس پرانی وضع کا تھا۔اوراس پر ستاروں کی شکلیں بنی ہوئی تھیں۔کمر میں پٹکے تھے۔اوراس میں چابیوں کے گچھے لٹک رہے تھے۔انہوں نے آتے ہی کہا اے بادشاہ جان لے کہ جب یونان کا بہادر پہلوان ہرقل چارکوٹ میں اپنی بہادری کا سکہ بٹھا کے طلیطلہ میں پہنچا تو اس نے شہر سے کچھ دور ہٹ کر ایک برج تعمیر کیا اوراس میں ایک ایسا طلسم رکھ دیا جس کا حال کسی کو معلوم نہیں۔

---

[1] طلیطلہ یا ٹولیڈو راڈرک کے زمانے میں ہسپانیہ کا پایہ تخت تھا۔

اس برج کے فولادی پھاٹک پر بڑے بڑے قفل پڑے ہوئے تھے۔اور ہرقل نے حکم دے رکھا ہے کہ ہسپانیہ کے تخت پر جو بادشاہ بیٹھے وہ اس پھاٹک میں ایک قفل ڈال دے۔ہم اور ہمارے باپ دادا سینکڑوں سالوں سے اس برج کی دربانی کر رہے ہیں۔اوراب تیرے پاس آئے ہیں کہ تو اس پرانی رسم کے مطابق اس برج کے

پھاٹک میں ایک قفل ڈال دے۔ لیکن یہ سن لے کہ بہت سے فرمانرواؤں نے اس بھید کی ٹوہ لگانی چاہی اور وہ تباہ ہو گئے۔ آج تک کوئی شخص اس برج کی دہلیز پر قدم نہیں رکھ سکا۔ یہ کہہ کر وہ دونوں بوڑھے چلے گئے لیکن راڈرک کے دل میں یہ اشتیاق چٹکیاں لینے لگا کہ کسی نہ کسی طرح اس برج کا راز معلوم کرنا چاہیے۔ درباریوں اور پادریوں نے اسے بہتیرا روکا۔ اور کہا ہم بھی یہی سنتے ہیں کہ گاتھ خاندان کے آخری بادشاہ کے سوا کسی پر یہ راز نہیں کھل سکے گا۔ لیکن راڈرک نے نہ مانا اور ایک دن اپنے مصاحبوں کو لے کر اس جگہ پہنچا جہاں پر یہ برج کھڑا تھا۔

وہاں پہنچ کے کیا دیکھتا ہے کہ ناہموار پتھروں اور بلند چٹانوں پر سنگ مرمر کی ایک عمارت کھڑی جگمگ جگمگ کر رہی ہے۔ پتھروں کو کاٹ کر اندر جانے کا راستہ بنایا گیا ہے۔ جس میں فولاد کے کواڑ لگے ہیں۔ اور اس پھاٹک کے دونوں طرف وہی دونوں بڈھے پتھر کی مورتوں کی طرح بے حس و حرکت کھڑے ہیں۔ جب بادشاہ نے پھاٹک کو کھولنے کا ارادہ کیا تو انہوں نے روکا لیکن راڈرک نے ایک نہ سنی۔ آخر انہوں ں ے پھاٹک کھولنے شروع کر دیے۔ پھاٹک میں سینکڑوں تالے پڑے تھے جنہیں کھولتے کھولتے شام ہو گئی۔ جب ادھر سورج نے مغرب کی خواب گاہ کی دہلیز پر قدم رکھا تو ادھر برج کا پھاٹک کھلا۔ اور بادشاہ اندر داخل ہوا۔ انر قدم رکھتے ہی ایک وسیع کمرہ نظر آیا۔ جس کے سرے پر ایک دروازہ تھا۔ اس دروازے کے سامنے ایک ہیبت ناک برنجی مورت کھڑی ایک فولادی گرز کو زور زور سے گھما رہی تھی۔

راڈرک پہلے تو یہ دیکھ کر ٹھٹک گیا۔لیکن پھر حوصلہ کر کے آگے بڑھا۔اور اس مورت کے قریب جا کر کہنے لگا کہ مجھے گزر جانے دو کیونکہ میں صرف یہاں کا راز معلوم کرنا چاہتا ہوں۔یہ الفاظ سنتے ہی وہ مورت بے حس و حرکت ہو گئی۔اس کا گرز جہاں تھا وہیں رہ گیا اور راڈرک اور اس کے ساتھ دروازے سے گزر کر دوسرے کمرے میں داخل ہو گئے۔

یہ کمرہ بڑا خوبصورت تھا اور اس کی دیواروں اور چھت میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔کمرے کے بیچوں بیچ سونے کی ایک میز تھی۔اس پر ایک صندوقچی پڑی تھی جس پر لکھا تھا کہ اس برج کا راز اس صندوقچی میں محفوظ ہے۔راڈرک نے اسے جلد جلد کھولا اس میں کاغذ کی چند وصلیاں ملیں جو تانبے کے دو پتروں میں لپٹی ہوئی تھیں۔ انہیں کھولا تو ان پر چند تصویریں دکھائی دیں۔یہ جنگجو سپاہیوں کی تصویریں تھیں۔ان کے چہرے خوفناک تھے اور ان کی آنکھوں سے شعلے نکلتے تھے۔وہ کمانیں حمائل کیے پشت پر ترکش ڈالے اور ہاتھوں میں تلواریں اور نیزے لیے گھوڑوں پر سوار تھے اور ان تصویروں پر یہ الفاظ لکھے تھے دیکھ یہ وہ لوگ ہیں جو تجھے تخت سے گرا دیں گے اور تیرے ملک کو فتح کر لیں گے۔

یہ الفاظ پڑھ کر راڈرک اور اس کے ساتھی ان تصویروں کو غور سے دیکھنے لگے۔ یکا یک تصویروں سے لکیریں ابھریں اور ایسا معلوم ہونے لگا جیسے ان میں جان پڑ گئی ہے۔ساتھ ہی گھوڑوں کے ہنہنانے اور تلواروں کے ٹکرانے کی آوازیں سنائی دیں۔

اب جو دیکھتے ہیں تو نہ وہ مکان ہے نہ وہ تصویریں۔ سامنے جنگ کا میدان ہے۔ ہزاروں نقارے بج رہے ہیں۔ قرنائیں پھونکی جا رہی ہیں۔ مسلمانوں اور عیسائی کو آپس میں ٹکراتے دیکھا۔ تیر سنسناتے ہوئے پاس سے گزرتے جا رہے تھے ارو لاشے پہ لاشہ گر رہا تھا۔ اچانک مسلمان داہنے بائیں زور دے کر گرے۔ اور عیسائیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ عیسائیوں کا پرچم جس پر صلیب کا نشان بنا ہوا تھا زمین پر آ رہا۔ اور فتح مند عربوں کے نعروں سے وادیاں کانپ اٹھیں۔ اس حالت میں اس نے عیسائی بہادروں کے جھرمٹ میں ایک شہسوار کو دیکھا جس کے سر پر تاج تھا۔ وہ اس کا چہرہ تو نہ دیکھ سکا کیونکہ اس کا منہ دوسری طرف تھا لیکن اس کے سپاہی ہتھیار راڈرک کے ہتھیاروں جیسے تھے اور وہ راڈرک کے خاص گھوڑے اوریلیا پر سوار تھا۔ پھر خدا جانے وہ سپاہی کہاں غائب ہو گیا اور یلیا اپنے سوار کے بغیر میدان جنگ میں دوڑتا نظر آیا۔

اب راڈرک اور اس کے ساتھیوں میں ضبط کی طاقت نہ رہی اور وہ سراسیمہ ہو کر اس طلسمی برج سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ باہر نکل کر دیکھا تو وہ مورت غائب تھی اور بڈھے دربان پھاٹک پر مرے پڑے ہیں۔ پھر ایک ایسی ہیبت ناک آواز آئی جیسے ہزاروں بندوقیں یکبارگی سر کی گئی ہوں۔ برج کو آگ اور شعلوں نے گھیر لیا اور آن کی آن میں جلا کر راکھ کر ڈالا اور جہاں جہاں یہ راکھ گری خون کے قطرے نمودار ہو گئے۔

دونوں لشکر وادی بکہ میں آمنے سامنے ہوئے۔ طارق کے ساتھ ابتدا میں صرف سات ہزار سپاہی تھے۔ انہیں دنوں افریقہ سے پانچ ہزار بربری اور آ پہنچے لیکن مقابلے میں آٹھ گنا لشکر تھا۔ اس فوج کے بیچوں بیچ خود راڈرک زرہ بکتر کھڑا تھا۔ اس فوج اور سازوسامان کو دیکھ کر ہمتیں پست ہوئی جاتی تھیں۔ طارق نے ی حال دیکھ کر پہلے تو ان کشتیوں کو جن پر مسلمان سوار ہو کر آئے تھے۔ جلانے کا حکم دیا پھر دہنا بایاں بھروسے کے سرداروں کا بانٹ گھوڑا بڑھایا۔ اور دہنے سے بائیں اور بائیں سے دہنے تک ایک چکر لگایا۔ اور لشکر کے سامنے کھڑے ہو کر کہا مسلمانو تمہارے سامنے دشمن ہے اور پیچھے سمندر کی لہریں۔ پیچھے ہٹے تو بھاگ کر کہاں جاؤ گے اس لیے خدا کا نام لے کر ہمت کا قدم بڑھاؤ۔ اور جانیں دے کر دنیا اور عقبیٰ کی سرخروئی حاصل کرلو۔ اس تقریر کا ہمتیں بندھ گئیں اور ہر طرف سے آوازیں آئیں کہ اے سردار ہم تیرے ساتھ ہیں۔ پھر سب نے گھوڑوں کی باگیں اٹھائیں اور اس جی توڑ کر حملے کیے کہ ایک دھاوے میں ہزاروں کا کھیت پڑ گیا۔ سات دن یونہی جنگ ہوتی رہی آٹھویں دن مسلمان اس کڑک دمک سے گرے کہ عیسائیوں کے جی چھوٹ گئے اور وہ سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے۔ راڈرک کا کوئی پتہ نہ چلا۔ البتہ اس کے کپڑے اور ہتھیار گوادی لیت کے دریا کے کنارے ملے۔ معلوم ہوتا ہے کہ دریا میں غرق ہو گیا۔ لیکن عیسائیوں کے تخیل نے اس واقعہ پر حاشیے چڑھایے اور یہ روایت مشہور ہو گئی کہ راڈرک ایک جزیرے میں جا چھپا ہے۔ جہاں سے وہ ایک دن فوج لے کر نکلے گا۔ اور مسلمانوں کا

نام ونشان مٹادے گا۔

اب شہر پر شہر فتح ہونے لگے۔ مغیث رومی جو طارق کی فوج کا ایک بہادر سردار تھا۔ سات سو سواروں کے ساتھ قرطبہ کی طرف بڑھا۔ یہ لوگ رات کے وقت شہر کے قریب پہنچے۔ آسمان پر بادل چھائے ہوئے تھے بلا کی تاریکی تھی۔ شہر پناہ کے پاس انیر کا ایک درخت تھا۔ ایک سپاہی اس پر جا چڑھا۔ اور عمامہ کے سہارے دوسروں کو بھی اوپر کھینچ لیا۔ پہرہ کے سپاہی غافل سو رہے تھے کہ مسلمان اچانک جا پہنچے انہیں مار کر شہر کے پھاٹک کھول دیے اور ساری فوج اندر داخل ہوگئی عیسائیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ مسلمانوں نے قرطبہ کو یہودیوں کے حوالے کیا اور خود آگے بڑھے۔ آرچی ڈونا' ملاغہ اور الویرا تو آسانی سے ہاتھ آ گئے البتہ مرشیا کا کوہستانی شہر جس کا حاکم تدمیر ایک نامور سپاہی تھا' کچھ دنوں مقابلے پر اڑا رہا۔ آخر عیسائیوں کو یہاں بھی شکست ہوئی۔ اور ان کی ساری فوج کٹ گئی۔ تدمیر صرف ایک خدمت گار کے ساتھ جان بچا کے بھاگا۔ اور شہر اوری ہیلا میں جا کر پناہ گزین ہوا۔ مسلمان بھی پیچھے پیچھے پہنچے۔ اوری ہیلا کے شہر میں جتنے نوجوان تھے سب مرشیا کے معرکوں میں کام آ چکے تھے۔ صرف عورتیں اور بچے اور بوڑھے باقی رہ گئے تھے۔ تدمیر ن عورتوں کو جمعکر کے مردانہ کپڑے پہنائے اور اسلحہ سے آراستہ کر کے فصیل پر کھڑا کر دیا مسلمان جب شہر کے قریب پہنچے تو شام کا دھندلکا چھا چکا تھا۔ دور سے انہیں ایسا معلوم ہوا کہ شہر پناہ کی حفاظت کے لیے اچھی خاصی فوج موجود ہے۔ وہ یہ دیکھ کر رک گئے اور سوچنے لگے کہ

کس طرف سے حملہ کیا جائے۔

ابھی وہ انہیں خیالوں میں تھے کہ شہر کا پھاٹک کھلا اور سپید جھنڈا ہوا میں لہراتا ہوا نظر آیا۔ آگے پیچھے دو سوار گھوڑے مارے آرہے تھے یہ عیسائیوں کا ایلچی تھا۔ جو صلح کی شرطیں طے کرنے آیا تھا۔ اس نے آتے ہی کہا کہ مجھے اوری ہیلا کے حاکم نے بھیجا ہے۔ ہمارے پاس کافی فوج ہے آپ نے اگر محاصرہ کا ارادہ کیا تو مہینوں میں شہر فتح ہوگا۔ سینکڑوں جانیں ضائع ہوں گی۔ لیکن اگر آپ شہر والوں کو مال و اسباب سمیت شہر چھوڑ کر چلے جانے کی اجازت دے دیں تو کل صبح تک شہر کی چابیاں آپ کے حوالے کر دی جائیں گی۔ نہیں تو جب تک ایک سپاہی بھی زندہ ہے ہم سب لڑتے رہیں گے۔

اسلامی فوج کا سردار صلح پر آمادہ ہو گیا۔ وہیں عہد نامہ لکھا گیا۔ جب عہد نامہ پر مہر لگائی جا چکی تو تدمیر نے دستخط کے لیے قلم ہاتھ میں لیا اور کہنے لگا کہ میں مرشیا کا حاکم تدمیر ہوں۔

دوسرے دن صبح سویرے شہر کا پھاٹک کھلے تو مسلمان کیا دیکھتے ہیں کہ آگے آگے تدمیر اور اس کا خدمتگار پیچھے پیچھے بچوں بوڑھوں اور عورتوں کا انبوہ۔ اسلامی سپہ سالار نے تدمیر سے پوچھا وہ رات والے سپاہی کہاں ہیں؟ تدمیر نے جواب دیا وہ تو ایک سپاہیانہ چال تھی۔ میں نے ان عورتوں کو مردانہ کپڑے پہنا کر شہر پناہ پر کھڑا کر دیا تھا اسلامی سردار کو بہادری اور دانائی کی یہ ادا بہت بھائی۔ اور اسے مرشیا کا حاکم مقرر کر

دیا۔ یہ قصہ بہت مشہور ہے۔ اور عرب مدت تک اس علاقے کو تدمیر کی سرزمین کے نام سے پکارتے رہے۔ مسلمانوں کی یہی فیاضیاں تھیں جنھوں نے دشمنوں کو رام کرلیا اور پرائے اپنے ہوگئے۔

اب طارق طلیطلیہ پہنچا۔ گاتھ سردار مسلمانوں کے آنے کی خبر سن کر آسٹریاس کے پہاڑوں میں جا چھپے تھے۔ شہر خالی پڑا تھا۔ طارق نے شہر پر قبضہ کرلیا ادھر موسیٰ بن نصیر کو جب طارق کی فتح مندیوں کی خبریں پہنچیں تو اٹھارہ ہزار سپاہی جن میں یمن کے اونچے گھرانوں کے لوگ اور صحابہ کے پوتے اور پڑپوتے شامل تھے لے کر چلا۔ اس نے مشرق کی طرف رخ کیا اور اشبیلیہ اور مریدہ کو فتح کر کے طیطلہ میں طارق سے جا ملا۔ یہاں سے اراگون سارا گوسہ اور شمال کے دوسرے شہروں پر چڑھائی کی اور دو سال کے عرصے میں کوہستان پرنیز تک سارا **ملک** فتح کر ڈالا۔ پرتگال کا علاقہ جسے اہل عرب الغرب کہتے تھے بعد میں فتح ہوا اور اسے ایک علیحدہ صوبہ قرار دیا گیا۔

گلیشیا کا علاقہ ابھی تک مسلمانوں کے قبضہ میں نہیں آیا تھا۔ موسیٰ بن نصیر نے طارق کو اس کی فتح پر مامور کیا۔ اور خود پرنیز اسے اتر کر جنوبی فرانس کے اس علاقے کو زیروزبر کیا جو مدت سے شاہان گاتھ کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب موسیٰ نے کوہ پیرینیز پر کھڑے ہو کر چاروں طرف نظر رد وڑائی تو لہلہاتی کھیتیاں مرغزار راور پر بہار گلزار نظر آئے۔ جن میں دریا سپید سانپ کی طرح لہراتے چلے جاتے تھے۔ یہ عالم دیکھ کر طبیعت لہرائی کہ سارے یورپ کو فتح کر کے لوٹوں لیکن ابھی

وہ جنوبی فرانس میں تھا کہ دمشق سے طلبی کا حکم پہنچا۔ ناچار ان فتوحات کو ادھورا چھوڑ کر چل پڑا۔ اگر موسیٰ کو یورپ کے میدانوں اور پہاڑوں میں خدا کا نام بلند کرنے کا موقع مل جاتا تو آج دنیا کا نقشہ اور ہوتا۔

موسیٰ فرانس سے لوٹا تو گلیشیا بھی فتح ہو چکا تھا۔ لیکن چند گاتھ سردار ابھی تک آسٹریاس کے پہاڑوں میں اڑے بیٹھے تھے۔ موسیٰ نے ان پہاڑوں کی گھاٹیاں ایک ایک کر کے فتح کر لیں صرف ایک بہادر مٹھی بھر جانثاروں سمیت بچ گیا وہ بھی ہتھیار ڈالنے کو تھا کہ اتنے میں دمشق سے پروانہ آیا کہ طارق کو ساتھ لے کر فوراً چلے آؤ۔ اس کے جاتے ہی سردار نے آس پاس کے علاقوں سے کچھ لوگ سمیٹے اور ردجمعی کے ساتھ اپنی طاقت بڑھانے کی تدبیریں کرنے لگا۔ اس ننھی سی چنگاری سے وہ آگ بھڑکی جس نے آخر ہسپانیہ کی اسلامی سلطنت کو بھسم کر ڈالا۔

موسیٰ نے چلتے وقت اشبیلیہ کو حکومت کا صدر مقام مقرر کیا اور اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ہسپانیہ کا حاکم مقرر کیا۔ دوسرے بیٹے عبداللہ کو بربر کا علاقہ سونپا اور سب سے چھوٹے عبدالمالک کے حوالے مراکش کا صوبہ کیا جو اس زمانے میں مغرب اقصیٰ کہلاتا تھا۔ ساتھ ہی ایک نامور سردار کو ساحلی علاقہ کا حکمران مقرر کر کے طنجہ کو اس کا صدر مقام قرار دیا اور بہت سے جنگی جہاز اور کشتیاں اس کی ماتحتی میں چھوڑ کر دمشق کا رخ کیا

گاتھ خاندان کے بادشاہوں اور سرداروں کے ظلم وستم نے ہسپانیہ کے انتظام کا

شیرازہ پراگندہ کر رکھا تھا۔ مسلمانوں نے عدل و انصاف پر حکومت کی نبیاد رکھی اور ایسے آئین باندھے کہ اپنے بیگانے سب آسودہ حال ہو گئے۔ حجاز یمن مصر شام اور ایران سے بہت سے قبیلے ہسپانیہ آئے انہوں نے تجارت اور صنعت و حرفت کے ساتھ مختلف علوم وفنون کو بہت ترقی دی جس کا حال آگے چل کر آئے گا۔

ولید کا انتقال

ولید بن عبدالملک نے ۹۶ء میں انتقال کیا۔ وہ بڑا عقل مند اور با اقبال حکمران تھا۔ اس کے حکم سے ملک میں جگہ جگہ سڑکیں نکالی گئیں کنوئیں کھدے۔ شفاخانے اور مدرسے کھلے۔ اپاجوں اور اندھوں کے لیے محتاج خانے بنے۔ اسے عمارتوں کا بھی بڑا شوق تھا۔ دمشق میں ایک عظیم الشان مسجد بنوائی۔ جس میں کئی ملکوں کا خراج اور سیکڑوں ہنرمندوں کی کاریگری اور حکمت صرف ہوئی۔ یہ مسجد تعمیر ہو چکی تو بہت بڑا جشن ہوا اور گھر گھر خوشیاں منائی گئیں مسجد نبوی کی عمارت میں بھی اس نے اضافہ کیا۔ ولید کے چچیرے بھائی عمر بن عبدالعزیز جو بڑے دیندار بزرگ تھے اس زمانے میں مدینہ کے حاکم تھے۔ مسجد نبوی کی تعمیر کا سارا کام ان کی نگرانی مین ہوا۔ اس کی تعمیر کے لیے روم سے کاریگر آئے اور دور دور سے قیمتی پتھر منگوائے گئے۔ اس کے علاوہ مدینہ میں پانی باہر سے لایا جاتا تھا ولید کے حکم سے ایک نہر کاٹ کرلائی گئی جس سے پانی کی کمی کی شکایت جاتی رہی۔

سلیمان بن عبدالملک

عبدالملک وصیت کر گیا تھا کہ ولید کے بعد سلیمان خلیفہ ہو گا لیکن حکومت قبضے میں آئی تو ولید کی نیت ڈانواں ڈول ہو گئی۔ بھائی کو سلطنت سے محروم کر کے بیٹے کو ولی عہد بنانے کی تدبیریں کرنے لگا۔ سرداروں سے مشورہ کیا تو قتیبہ اور حجاج کے سوا کسی نے اس کام کا بیڑا اٹھانے کی حامی نہ بھری۔ ابھی وہ انہیں خیالوں میں تھا کہ حجاج کے انتقال نے کمر توڑ دی۔ اس صدمے سے ابھی سنبھلنے نہ پایا تھا کہ خود اسے موت کا بلاوا آ گیا۔ اور سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ اس کے بعد عبدالملک کی وصیت کے مطابق سلیمان خلیفہ ہوا۔ اس نے خلافت ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلا کام یہ کیا کہ قید خانوں کے دروازے کھول دیے اور ہزاروں لاکھوں آدمی جنہیں حجاج نے قید کر رکھا تھا خلیفہ کو دعائیں دیتے نکلے ساتھ ہی اس نے حجاج کے مقرر کیے ہوئے عہدہ داروں کو الگ کر کے ان کی جگہ بھروسہ کے آدمی مقرر کیے یہاں تک تو خیر تھی لیکن سلیمان سے اصلاح کے جوش میں بڑی بڑی غلطیاں بھی ہوئیں۔ چنانچہ اس نے مضریوں کو گھٹایا اور ان کے دشمنوں یمنی حمیریوں کو بڑھایا۔ جن سرداروں نے ولید کے زمانے میں شجاعت اور تدبیر کے زور سے سلطنت کو ترقی دی اور اس کا ڈانڈا ایک طرف فرانس اور دوسری طرف شمالی ہند سے جا ملایا تھا وہ نظروں سے گرا دیے گئے۔ یزید بن مہلب عراق کا حاکم مقرر ہوا۔ اس نے حجاج کے ظلم کا انتقام اس کے رشتہ

داروں سے لیا۔ محمد بن قاسم جس نے عقل وتدبیر سے ہندوؤں کو رام کر لیا تھا برطرف ہوا۔ اور اس کی جگہ مہلب کا ایک بیٹا سندھ کا گورنر مقرر رہوا۔ محمد بن قاسم کو حجاج کے ایک پرانے دشمن کے حوالے کر دیا گیا جس نے اسے دکھ دے کر مار ڈالا۔

موسیٰ بن نصیر کو پہلے قید کیا گیا۔ قید سے رہائی پائی تو اس پر بھاری تاوان لگایا گیا جسے اس نے بڑی مشکل سے ادا کیا۔ اس لیے اس کی آخری عمر محتاجی اور افلاس میں بسر ہوئی۔ طارق کا بھی یہی انجام ہوا۔ قتیبہ نے یہ خبریں سنیں تو سمجھ گیا کہ اب میری بھی خیر نہیں۔ پھر خیال آیا کہ ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے تو اچھا ہے کہ ہمت کے بازوؤں میں جتنی قوت ہے سب خرچ کر دی جائے۔ یہ سوچ کر اس نے اپنی فوج کو سمیٹ کر سرکشی کا علم بلند کرنا چاہا۔ لیکن اس کے بعض ماتحت سردار سلیمان کے حامی تھے۔ اس لیے آپس میں پھوٹ پڑ گئی۔ اور اس ہنگامہ میں قتیبہ مارا گیا۔

ولید کے زمانے میں اس کے بھائی مسلمہ نے رومیوں سے لڑ بھڑ کر ان کے کئی قلعے چھین لیے تھے سلیمان کے عہد حکومت میں ایک عیسائی شہزادہ لیو جو ایشیائے کوچک کی رومی فوجوں کا افسر تھا۔ مسلمانوں کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اگر آپ میرے ہمراہ کچھ فوج بھیج دیں تو میں آسانی سے قسطنطنیہ آپ کے قبضہ میں کرا دوں۔ سلیمان نے مسلمہ کو فوج دے کر بھیجا۔ اس نے جاتے ہی قسطنطنیہ کو گھیر لیا مسلمانوں نے محاصرہ کی طرح ہی ایسی ڈالی تھی کہ عیسائی تھوڑے ہی عرصے میں ہمت ہار بیٹھے۔ ناچار ہو کر پیغام بھیجا کہ محاصرہ اٹھا لیجیے۔ تو ہم نذرانہ پیش کرنے پر آمادہ ہیں لیکن مسلمہ نہ مانا۔ انہیں دنوں

قسطنطنیہ کا بادشاہ کا انتقال ہو گیا۔قلعہ والوں نے لیو کو پیغام بھیجا کہ تم مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دو تخت و تاج حاضر ہے۔اس نے یہ پیغام سن کر راتوں رات قلعہ میں پہنچ کر تخت پر قبضہ کرلیا۔ چونکہ وہ اتنے دنوں مسلمانوں کے ساتھ رہ کر ان کے لشکر کی تعداد ساز و سامان لڑائی کے ڈھنگ اور جنگی چالوں سے واقف ہو چکا تھا اس لیے اس کے مقابلے میں بڑی دقت پیش آئی۔ ساتھ ہی رسد ختم ہو گئی۔ دمشق سے کمک بھی وقت پر نہ پہنچی۔لیکن مسلمہ اور اس کے ساتھی مقابلہ پر اڑے رہیاور عہد کرلیا کہ جب تک دمشق سے کوئی حکم نہیں آتا قدم پیچھے نہیں ہٹے گا۔سلیمان نے بہت عرصہ تک مسلمہ کی خبر نہ لی آخر جب ادھر سے بار بار قاصد آئے تو خود فوج لے کر اس کی مدد کو چلا۔لیکن دیبک کے مقام پر جہاں اس سے لیو کی ملاقات ہوئی تھی پہنچا تو طبیعت بگڑ گئی اور چند روز بیمار رہ کر ۲۰ صفر ۹۹ ہجری کو انتقال کر گیا

☆☆☆

تیسرا باب

عمر بن عبدالعزیز سے مروان تک

سلیمان موت سے پہلے ایک سر بمہر فرمان چھوڑ گیا تھا اور وزیروں اور امیروں کو ہدایت کر دی تھی کہ اس فرمان میں میں نے جس شخص کا نام لکھ دیا ہے میرے بعد اسی کو خلیفہ بنانا۔ اس کے انتقال کے بعد سارے سردار جمع ہوئے اموی خاندان کے لوگ بڑی بے چینی سے اس گھڑی کا انتظار کر رہے تھے۔ ان میں سے ہر شخص کو خیال تھا کہ شاید سلیمان مجھے اپنا جانشین مقرر کر گیا ہو لیکن جب یہ فرمان کھولا گیا تو حضرت عمر بن عبدالعزیز کا نام نکلا۔ جنہیں حکومت حاصل کنرے کی بالکل خواہش نہیں تھی۔ چنانچہ جب لوگوں نے انہیں منبر پر بٹھایا تو انہیں اس خیال نے بے چین کر رکھا تھا کہ میں خلافت کا بوجھ کیونکر اٹھاؤں گا اور ادھر ان کے بھائی ہشام کے دل پر چھریاں چل رہی تھیں کہ حکومت مجھے کیوں نہ ملی۔

عمر بن عبدالعزیز کی والدہ حضرت عمرؓ کی پوتی تھیں۔ ان پر ننھیال کا بڑا اثر تھا۔ اپنے کنبے ک لوگوں سے الگ رہتے اور لوگوں کی خدمت میں وقت بسر کرتے تھے۔ انہوں نے بچپن مدینہ میں گزارا تھا۔ وہیں تعلیم پائی اور لکھ پڑھ کر بڑے بڑے عالموں

کا مقابلہ کرنے لگے پھر ولید کے زمانے میں حجاز کے حاکم مقرر ہوئے۔ انہوں نے مکہ اور مدینہ میں کئی عمارتیں بنوائیں۔ جن مکانوں کو حجاج کے حملہ کی وجہ سے نقصان پہنچا تھا ان کی مرمت کروائی۔ سڑکیں نکلوائیں کنوئیں کھدوائے۔ انہوں نے مدینہ میں بڑے بڑے عالموں اور عقلمند لوگوں کا ایک مجلس قائم کر رکھی تھی۔ جن کے مشورے سے حکومت کے تمام کام طے پاتے تھے۔ اس زمانے میں حجاج عراق کا حاکم تھا۔ اکثر لوگ اس کے ظلم سے تنگ آ کر بھاگے۔ اور حجاز میں پناہ گزین ہوئے۔ یہ خبریں حجاز میں پہنچیں تو اس نے ولید سے شکایت کی اور لکھا کہ اگر یہ حال رہا تو عراق ویران ہو جائے گا۔ چنانچہ ولید نے عمر بن عبدالعزیز کو علیحدہ کر دیا جس دن وہ مدینہ سے رخصت ہوئے سب چھوٹے بڑے عورتیں مرد سوگوار تھے۔

عمر بن عبدالعزیز خلیفہ مقرر ہوئے تو شاہی سواری انہیں محل میں لے جانے آئی لیکن انہوں نے اس شان و شوکت سے باہر نکلنے سے انکار کر دیا۔ اور اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر گھر گئے۔ خلیفہ مقرر ہونے کے بعد انہوں نے سب سے پہلے یہ کام کیا کہ پہلے خلیفوں کے زمانے میں جن لوگوں کی حق تلفی ہوئی تھی انہیں ان کے حقوق واپس دلوا دیئے۔ ان کے خاندان کے لوگوں نے دوسروں کی جاگیریں اور مکان قبضے میں کر رکھے تھے۔ وہ ان سے لے کر اصل حق داروں کو دے گیے انہیں اپنے گزارے کے لیے جو جاگیریں ولید کے زمانے میں ملی تھیں اس سے بھی دست بردار ہو گئے۔ ان کے غلام نے پوچھا کہ بال بچوں کا کیا ہو گا تو جواب دیا کہ انہیں خدا کے حوالے کرتا

ہوں۔عزیزوں رشتہ داروں نے بہتیرا سمجھایا۔لیکن انہوں نے کسی کی بات نہ مانی کسی شخص نے ان کے بیٹے عبدالملک سے جن کی عمر کوئی سولہ سترہ سال کی تھی جا کے کہا تمہارے وادا اپنی جاگیر سے دست بردار ہو رہے ہیں۔انہیں روکو۔وہ بھی باپ کی طرح اللہ والے تھے عمر بن عبدالعزیز کے پاس پہنچ کر کہنے لگے کہ میں نے سنا ہے آپ اپنی جاگیر سے ہاتھ اٹھا رہے ہیں۔انہوں نے جواب دیا ہاں آج شام تک یہ کام ہو جائے گا۔عبدالملک کہنے لگے کہ پھر یہ معاملہ ابھی طے کر ڈالیے کیا عجب کہ صبح تک آپ کی نیت ڈانواں ڈول ہو جائے۔عمر بیٹے کی سعادت مندی پر بہت خوش ہوئے اور ان کے دل سے بے اختیار دعائیں نکلنے لگیں۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ مقرر ہوتے ہی نہایت سادگی کی زندگی اختیار کر لی۔بیت المال سے صرف دو درہم روزانہ لیتے تھے۔انہیں اس گھر کا سارا خرچ چلتا تھا۔ان کی بیوی فاطمہ عبدالملک کی بیٹی تھیں۔باپ کے گھر میں بڑے لاڈ پیار سے پرورش پائی تھی۔لیک شوہر کے گھر آ کر میکے کا عیش و آرام خواب وخیال ہو گیا۔عمر بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو بیوی کو حکم دیا کہ تمہیں اپنے باپ بھائیوں سے جو زیور ملا ہے وہ سب بیت المال میں جمع کرا دو۔ان نیک بی بی نے یہ سنتے ہی سارا زیور اتار کر دے دیا اور اپنے اپس ایک چھلا تک نہ رکھا۔عمر بن عبدالعزیز کے انتقال کے بعد جب فاطمہ کا بھائی یزید خلیفہ ہوا تو اس نے بہن کو بلوا کر یہ زیور ان کے حوالے کرنا چاہا لیکن انہوں نے یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اپنے شوہر کی زندگی میں مجھے بہنے پانے کا شوق

نہیں ہوا تو اب ان کی موت کے بعد ان چیزوں کا کیا کروں گی؟

عمر بن عبدالعزیز کو اپنی زمہ داریوں کا بڑا خیال رہتا تھا۔ ایک رات نماز پڑھ کر دعا مانگنے کو ہاتھ اٹھائے تو جی بھر آیا۔ اور بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ بیوی نے رونے کی وجہ پوچھی تو کہنے لگے فاطمہ میری حکومت میں بہتیرے ایسے لوگ ہیں جنہیں پیٹ بھرنے کو روٹی اور تن ڈھانکنے کو کپڑا میسر نہیں۔ کوئی بے کس بستر پر پڑا کراہ رہا ہے۔ کوئی بے وطن قید خانے میں بیٹھا اپنے بیوی بچوں کو یاد کر رہا ہے۔ کوئی سپید ریش بوڑھا اس خیال سے بے کل ہے کہ دنیا میں اس کا کوئی سہارا نہیں۔ قیامت کے دن خدا جب مجھ سے سوال کرے گا کہ تم نے ان لوگوں کی مدد کیوں نہ کی تو میں کیا جواب دوں گا۔

ان کے عدل وانصاف کی شہرت سن کر بہتیرے مظلوم لوگ جو حاکموں کے ڈر سے خاموش تھے فریادیں لے کر آنے لگے۔ اگلے خلیفوں کے زمانے میں بعض سرداروں نے ذمیوں کی زمینیں چھین لی تھیں۔ حضرت عمر کو معلوم ہوا تو انہوں نے یہ زمینیں واپس اصل مالکوں کے حوالے کر دیں۔ بعض نادان مسلمانوں نے عیسائیوں کے گرجے چھین لیے تھے۔ وہ عیسائیوں کو واپس دے دیے گئے۔ اگلے خلیفوں کے زمانے میں دستور تھا کہ حضرت علیؓ کو نماز جمعہ کے خطبے میں برا بھلا کہا جاتا تھا یہ رسم بھی مٹا دی گئی۔

یزید بن مہلب کا حال پہلے آچکا ہے۔ سلیمان کے زمانے میں وہ خراسان کا حاکم

تھا۔اس نے ایک مرتبہ لکھا کہ میں نے دو کروڑ درہم وصول کیے ہیں۔حضرت عمر بن عبدالعزیز خلیفہ مقرر ہوئے تو یزید کو بلوا بھیجا اور کہا کہ جو روپیہ تم نے خراسان کے لوگوں سے لیا ہے وہ بیت المال میں داخل کر دو۔اس نے جواب دیا کہ میں نے یہ بات صرف اس لیے کہی تھی کہ لوگوں میں میری شہرت ہو۔کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ سلیمان مجھ سے حساب نہیں مانگے گا۔عمر بن عبدالعزیز نے اسے حلب کے قلعے میں قید کر دیا۔

غرض اس زمانے میں ظلم کا بازار سرد ہو گیا۔عدل نے رواج پایا اور لوگ بڑے اطمینان اور فراغت سے زندگی بسر کرنے لگے۔خوشحالی کا یہ عالم تھا کہ ملک بھر میں کوئی محتاج نظر نہیں آتا تھا۔اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ حضرت عمر فاروقؓ کا مبارک زمانہ پھر لوٹ آیا ہے۔عمر بن عبدالعزیز نے ملک کو فتح کرنے اور اپنی سلطنت بڑھانے کا بالکل شوق نہ تھا۔چنانچہ انہوں نے مسلمہ بن عبدالملک کو جو رومیوں سے لڑ رہا تھا واپس بلا لیا۔ان کے زمانے میں آذربائیجان کے لوگوں نے ایکا کر کے مسلمانوں کو لوٹ لیا۔اس ہنگامے میں بہت س مسلمان مارے گئے۔عمر بن عبدالعزیز نے فوج بھیجی جس نے باغیوں کو سزا دے کر پھر امن قائم کر دیا انہی دنوں ہسپانیہ کے مسلمانوں نے فرانس کی طرف قدم بڑھایا۔اور قلعہ پر قلعہ اور شہر پر شہر فتح کرتے طولوس تک چلے گئے۔لیکن یہاں فرانس کے عیسائیوں کا جماؤ تھا مسلمانوں کو مجبوراً ہٹ کر آنا پڑا۔

خارجی کسی خلیفہ کو نہیں مانتے تھے۔اور جب موقع پاتے تھے چھاپے مارنا شروع کر

دیتے تھے۔ لیکن عمر بن عبدالعزیز کی خلافت کا رنگ دیکھ کر وہ بھی خاموش ہو گئے۔ صرف عراق میں خارجیوں کے ایک سردار نے سر اٹھایا۔ عمر بن عبدالعزیز نے اسے لکھا کہ مجھ سے آ کر ملو۔ اگر تم سچے ہو تو میں تمہاری بات مان لوں گا۔ ورنہ تم میری بات مان لینا۔ اس نے اپنی طرف سے دو عالم بھیجے عمر نے ان سے باتیں کر کے ایسا قائل کیا کہ عراق کے خارجیوں نے سرکشی کا علم بلند کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

عمر بن عبدالعزیز نے ڈھائی سال خلیفہ رہ کر ۲۵ رجب ۱۰۱ ہجری کو انتقال کیا۔ وفات کے وقت ان کی عمر ۳۹ سال کی تھی۔ مرنے کے بعد ان کے گھر سے صرف اکیس دینار نکلے۔ ان میں سے دس دینار تو کفن دفن میں خرچ کیے باقی گیارہ دینار ان کے گیارہ بیٹوں میں تقسیم کر دیے گئے۔

یزید بن عبدالملک

سلیمان وصیت کر گیا تھا کہ میرے بعد عمر بن عبدالعزیز اور ان کے بعد یزید بن عبدالملک کو خلیفہ مقرر ہو گا۔ چنانچہ اس وصیت کے مطابق خلافت یزید کے ہاتھ میں آئی۔ اس نے مسند حکومت پر قدم رکھتے ہی پہلا کام یہ کیا کہ عمر بن عبدالعزیز نے جو قاعدے اور قانون مقرر کیے تھے انہیں منسوخ کر کے پرانے طریقوں کو پھر رواج دیا اور پھر اسی طرح بڑے ٹھاٹھ سے دربار آراستہ ہونے لگے اور محل موسیقی کی صداؤں سے گونجنے لگا۔

اس خلیفہ کے زمانے کا سب سے مشہور واقعہ مہلب کے خاندان کی تباہی ہے۔ یزید مہلب نے حجاج بن یوسف کے خاندان کے لوگوں پر بڑے بڑے ظلم کیے تھے۔ یزید بن عبدالملک کی بیوی حجاج کی بھتیجی تھی۔ ابن مہلب نے اس سے بھی ساری دولت چھین لی تھی۔ یزید بن عبدالملک اس وقت اور تو کچھ نہ کر سکا لیکن یہ پکار کر کہہ دیا کہ میرے ہاتھ میں سلطنت آئی تو میں مہلب کے بیٹے کو تکا بوٹی کر ڈالوں گا۔ ابن مہلب نے یہ سنا تو کہا اگر یزید خلیفہ ہو گیا تو میں اس کے مقابلے میں ایک لاکھ برچھیت لے کر آؤں گا۔

ابن مہلب حلب میں قید تھا کہ عمر بن عبدالعزیز کی بیماری کی خبر پہنچی۔ اس نے رہائی کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیے۔ آخر پہرے کے سپاہیوں کو روپیہ پیسہ دے کر توڑا۔ رات کی تاریکی میں بھیس بدل کر قلعہ سے بھاگ کھڑا ہوا۔ باہر جاں نثار منتظر بیٹھے تھے۔ وہ اسے لے اڑے اور بصرہ پہنچے۔ یہاں پہلے ہی سے اس کے بہتیرے رفیق جو بڑے بڑے معرکوں میں جانیں لڑا چکے تھے۔ موجود تھے۔ کچھ سپاہی جو اس کے قید ہونے کے بعد بکھر گئے تھے اس کی رہائی کی خبر سن کر بصرہ پہنچے۔ ان لوگوں نے بصرہ کے حاکم کو نکال کر اپنا قبضہ جمایا۔ یزید کا بھائی حبیب بھی کچھ فوج لے کر آ پہنچا اور دونوں بھائیوں نے مل کر فارس تک سارا علاقہ اپنے قبضہ میں کر لیا۔ مہلب کے بیٹوں کی بہادری کے قصے گھر گھر میں مشہور تھے۔ لوگ ان پر جانیں نثار کرتے تھے۔ اس لیے خلیفہ کا دربار ٹوٹنے لگا۔ اور لوگ جوق در جوق یزید بن مہلب

کے لشکر میں شامل ہونے لگے۔ خلیفہ نے جب یہ رنگ دیکھا تو اپنے بھائی مسلمہ اور اپنے بھتیجے عباس بن ولید کو جو اموی خاندان میں سب سے زیادہ شجاع سپاہی سمجھے جاتے تھے بڑا لاؤ لشکر دے کر اس کے مقابلے میں بھیجا۔ دریائے فرات کے دہنے کنارے عکر کے میدان میں دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں۔ مہلب کے بیٹے پوتے اس خوبصورتی سے لڑے کہ حریفوں کے جی چھوٹ چھوٹ گئے۔ لیکن ایک تو مسلمہ نے لشکر کو بڑے بندوبست سے ٹھہرایا۔ دوسرے کوفہ اور بصرہ کے لوگوں نے جب حریف کا پلہ بھاری دیکھا تو ٹوٹ کر اس سے جا ملے۔ یزید اور حبیب دونوں لڑ بھڑ کر مارے گئے۔ ان کے بھائی بھتیجے بھاگ کر مان پہنچے۔ مسلمہ نے ایک سردار کو ان کا پیچھا کرنے بھیجا۔ چنانچہ وہ بھی مارے گئے صرف یزید کے دو کمسن بھتیجے بچے۔

مہلب کا خاندان تباہ ہو گیا تو لوگوں پر اس واقعہ کا بڑا برا اثر پڑا۔ جگہ جگہ فتنے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خارجی جو عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ پھر اپنے قلعوں سے نکلے اور عراق میں جگہ جگہ چھاپے مارنے لگے۔ ترکوں اور آرمینیوں سے بھی لڑائیاں ہوئیں۔ اور مسلمانوں نے بڑی مشکل سے ان پر فتح پائی۔

یزید کا زمانہ بڑی ہل چل کا زمانہ ہے۔ لوگ اس کی حکومت سے ایسے تنگ آئے کہ جا بجا اس کے خلاف سازشیں ہونے لگیں۔ حضرت علیؓ کے خاندان کے حامیوں نے جواب تک دبے ہوئے تھے سر اٹھایا اور کہنا شروع کیا کہ خلافت اصل میں خاندان نبوت کا حق ہے۔ لیکن حضرت علیؓ کی اولاد میں سے جو بزرگ اس زمانے میں موجود

تھے وہ خلافت اور سلطنت کے جھگڑوں میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ اس لیے یہ تحریک فروغ نہ پا سکی۔ یہ دیکھ کر کچھ لوگوں نے جن میں زیادہ تر ایرانی تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ کے پوتے علی بن عبداللہ تو ان جھمیلوں سے الگ رہے لیکن ان کے بیٹے محمد پر لوگوں کا جادو چل گیا۔ اور وہ ان منصوبوں اور سازشوں میں شامل ہونے لگے۔

یزید نے چار سال تک حکومت کر کے ۱۰۵ ہجری میں انتقال کیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی ہشام بن عبدالملک خلیفہ مقرر ہوا۔

ہشام بن عبدالملک

ہشام کا عہد حکومت بڑی شورش اور فساد کا زمانہ ہے۔ حضرت عباسؓ کی اولاد نے یزید کے زمانے ہی میں خلافت کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیے تھے۔ ہشام کے عہد میں ان کے حمایتی ملکوں ملکوں پھیل گئے اور لوگوں کو امویوں کے خلاف ابھارنے لگے۔ یہ لوگ تاجروں کے لباس میں شہر شہر پھرتے اور جہاں موقع پاتے امویوں کے ظلم و ستم کے قصے چھیڑ دیتے تھے۔ ساتھ ہی مضری اور ضمیری قبیلوں کے جھگڑوں نے سر ابھارا۔ بات بات پر تلواریں میانوں سے نکلنے لگیں۔ خارجیوں نے بھی موقع پا کر پھر چھاپے مارنے شروع کر دیے۔ ہشام نے یمن کے سرداروں کو بلایا اور انہیں بڑے بڑے عہدے دیے۔ خالد بن عبداللہ کو جو حمیری سرداروں میں بڑا

نامور تھا عراق کا فرمانروا مقرر کر کے بھیجا۔ اور اس کا بھائی اسد بن عبداللہ خراسان کا حاکم مقرر ہوا۔

اسد بن عبداللہ بڑا بہادر سپاہی تھا۔ مدتوں ہرات اور غور کے پہاڑوں میں ترکوں سے ٹکراتا اور اس طرف کے گردن کشوں کا نیچا دکھاتا رہا۔ بلخ کے شہر کی بنیاد بھی اسی سردار نے ڈالی تھی۔ لیکن اس نے مضریوں پر بڑی سختیاں کیں۔ جن کی وجہ سے لوگوں میں سخت بے دلی پھیل گئی۔ آخر ہشام نے اس کی جگہ ایک اور سردار کو خراسان کا حاکم مقرر کر کے بھیجا۔ لیکن اس زمانے میں ایک اور فتنہ اٹھ کھڑا ہوا۔ خراسان کے بعض نادان سرداروں نے نومسلموں سے جزیہ وصول کرنا شروع کر دیا۔ ان کی یہ حرکت اسلامی احکام کے بالکل خلاف تھی۔ اس پر بڑا شور مچا۔ اور لوگوں نے بغاوت کر دی ترکستان کا جو بادشاہ خاقان کے لقب سے مشہور تھا اس موقع کو غنیمت جان سمجھ کر ترکوں پر بہت بڑا لشکر لے کر خراسان پر چڑھ آیا۔ کئی معرکے ہوئے جن میں کبھی مسلمانوں کا پلہ بھاری رہتا تھا اور کبھی ترک غالب ہوتے تھے۔ آخر ہشام نے پھر اسد بن عبداللہ کو بھیجا۔ اس نے ترکوں کو کئی شکستیں دیں۔ ایک دفعہ خاقان ترک اور تاتاری وحشیوں کا ٹڈی دل لے کر چڑھ آیا اور بڑی تباہی مچائی۔ لیکن اسد نے ناکے روک کر دشمن کو گھیر لیا۔ خاقان کی ساری فوج کٹ مری اور وہ تنہا جان بچا کر بھاگ نکلا تھوڑی دیر بعد خاقان کا انتقال ہو گیا۔ اور ترکوں کو پھر سر اٹھانے کی کبھی ہمت نہ ہوئی۔

اب نومسلموں کا جزیہ معاف کر دیا گیا۔ جو لوگ بھاگ کر خاقان کی پناہ میں چلے

گئے تھے انہیں واپس بلا کران کا گھر باران کے سپرد کر دیا گیا۔اور خراسان اور ترکستان میں پھر امن قائم ہو گیا۔

جن دنوں ادھر وسط ایشیا میں یہ ہنگامے ہو رہے تھے ادھر بحیرہ خزر کے آس پاس کے قبیلے اٹھے اور آرمینیا سے موصل تک چھا گئے۔آرمینیا میں مسلمانوں کی تھوڑی سی فوج تھی۔اس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا لیکن دشمن سیلاب کی طرح اُمڈا چلا آتا تھا۔آخر شکست کھائی ان وحشی قبیلوں نے شہروں اور بستیوں کو خوب لوٹا کھسوٹا جو سامنے آیا اسے کاٹ کے ڈال دیا۔آخر ہشام نے سعید حوش جو بڑا باتدبیر سردار تھا ان کے مقابلے پر بھیجا۔اس نے دشمن کو مار بھگایا۔کچھ عرصہ کے بعد مروان بن محمد کو جو خلیفہ کا چچیرا بھائی تھا ایک لاکھ بیس ہزار سپاہی دے کر بھیجا گیا اس نے بحیرہ خزر کے کنارے تک سارے علاقے کو فتح کر لیا۔

افریقہ کی شورش

ہشام کی حکومت کے آغاز میں افریقہ اور ہسپانیہ میں امن رہا اور مسلمانوں نے جزیرہ سارڈینیا اور آس پاس کے بعض علاقوں پر قبضہ کرلیا۔اور فرانس کا ایک حصہ بھی ہاتھ آیا۔لیکن کچھ عرصہ کے بعد شمالی افریقہ میں خارجیوں نے سر اٹھایا افریقہ کے حاکم س لوگوں کو بہت سی شکایتیں تھیں۔ چنانچہ کچھ لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔بربریوں نے جو لوٹ مارے موقعوں کی تلاش میں رہتے تھے ان کا ساتھ دیا۔

اور طنجہ کے حاکم کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کر لیا۔ پھر وہاں سے قیروان کی طرف بڑھے۔ ان دنوں مسلمانوں نے سسلی پر چڑھائی کر دیا۔ قیروان کے حاکم نے سسلی کے اسلامی سپہ سالار کے پاس قاصد دوڑایا۔ اس نے اپنے بیٹے کو فوج دے کر بھیجا۔ راستے میں اس لشکر کا مقابلہ باغیوں سے ہوا۔ باغی بے حد و حساب تھے۔ عرب سرداروں نے تلواروں کے میان توڑ کر پھینک دیے۔ اور بری بہادری سے لڑے۔ لیکن شکست کھائی اور ان میں سے ایک بھی جیتا نہ بچا۔ اس شکست سے ہسپانیہ پر بھی برا اثر پڑا اور وہاں شورش برپا ہو گئی۔ ہشام نے ایک اور سردار کو افریقہ بھیجا اور اس نے لڑ بھڑ کر باغیوں کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد حنظلہ بن صفوان کو جو بڑا شجاع اور عقل مند سردار تھا افریقہ کا حاکم مقرر کیا گیا۔ اس نے جاتے ہی قیروان کی فصیل کی مرمت کرائی مورچے باندھے' رسد کا انتظام کیا اور دشمن کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو بیٹھا۔ اتنے میں تین لاکھ بربری آ پڑے۔ انہوں نے سارے ناکے روک کر شہر کو گھیر لیا۔ حنظلہ نے مسلمانوں کو قیروان کی جامع مسجد میں جمع کیا۔ اور ایسی پر جوش تقریر کی کہ لوگوں کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں بندھ گئیں۔ مسلمانوں پر یہ نازک وقت دیکھ کر عورتیں بے چین ہو کر گھروں سے نکل آئیں اور ہتھیار سج کر فوج میں آ شامل ہوئیں۔ حنظلہ نے عورتوں کو شہر کی حفاظت پر چھوڑ اور مردوں کو سمیٹ کر غنیم پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا۔ ساری رات جنگ کی تیاریاں ہوتی رہیں۔ ادھر اجالے اندھیرے کا چھاپا مارا۔ ادھر شہر کے پھاٹک کھلے۔ اور مسلمان پھریرے لہراتے نکلے

اور اس زور سے بربریوں پر گرے کہ ان کے ہوش اڑ گئے۔ دن بھر تلوار چلتی رہی۔ دشمن کی فوج بے شمار تھی۔ لیکن مسلمان اس طرح جی توڑ توڑ کر لڑے کہ شام ہوتے ہوئے بربریوں کے قدم اکھڑ گئے۔ اس فتح نے بربریوں پر مسلمانوں کی ایسی دھاک بٹھا دی کہ پ ھر انہیں سر اٹھانے کی جرات نہ ہوئی۔

ہسپانیہ اور فرانس

ہشام کے زمانے میں ہسپانیہ کا انتظام بھی اچھا نہیں تھا۔ دراصل ہسپانیہ جو اسلامی فوج مقرر تھی اس میں نو مسلم بربری سپاہی کثرت سے تھے۔ اگرچہ اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے بہت سی بری عادتیں چھوڑ دی تھیں۔ پھر بھی ان کی تند خوئی پوری طرح دور نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ بھی کبھی کبھی لوگوں پر ظلم کر بیٹھتے تھے اس زمانے میں یکے بعد دیگرے کئی سردار ہسپانیہ کے حاکم مقرر ہوئے۔ وہ سب کے سب بہادر سپاہی تو ضرور تھے اور فوج کو لڑانا بھی جانتے تھے لیکن انہیں ملک کے انتظام کا سلیقہ نہ تھا۔ چنانچہ ان سب میں سے ایک سردار فرانس پر چڑھ دوڑا۔ اور بہت سے شہر اور قلعے فتح کر ڈالے۔ آخر ۱۲۳ ہجری میں عبدالرحمٰن الغافقی ہسپانیہ کا والی مقرر ہوا۔ یہ وہی سردار ہے جو ایک مرتبہ مسلمانوں کی فوج کو فرانس کے عیسائیوں کے نرغے سے نکال لایا تھا۔ عبدالرحمٰن جیسا سپاہی تھا ویسا ہی منتظم بھی تھا اس نے حکومت کی باگ ڈور ہاتھ میں لیتے ہی سارے ملک کا دورہ کیا جن جن افسروں کے خلاف لوگوں کو شکایتیں تھیں

انہیں علیحدہ کر کے ان کی جگہ منصف مزاج افسر مقرر کیے۔ بعض ظالم امیروں نے لوگوں کی جائدادیں اپنے قبضہ میں کر رکھی تھیں۔ عبدالرحمٰن نے وہ انہیں واپس دلوا دیں۔ اور ایسا انتظام کیا کہ عیسائی یہودی اور مسلمان سب خوش ہو گئے۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر اس نے ملک کی شمالی سرحد کو مضبوط کرنے کا ارادہ کیا۔ جگہ جگہ فوجی چوکیاں قائم کیں اور فرانس پر حملہ کی تیاریاں کرنے لگا۔ انہیں دنوں مسلمان سردار نے جو کوہ پیرنیز کے آس پاس کے علاقے کا حاکم تھا' ایک عیسائی نواب کی لڑکی سے بیاہ کر لیا۔ اور خسر کے بہکانے سے علم بغاوت بلند کر بیٹھا۔ عبدالرحمٰن نے اس کی سرکوبی کے لیے فوجیں بھیجیں۔ باغی پہاڑوں میں جا چھپا اور مدتوں بھاگا بھاگا پھرا آخر مارا گیا۔

عبدالرحمٰن فرانس پر حملہ کرنے کے لیے پوری طرح تیار نہ تھا لیکن اب عیسائی سرداروں سے لڑائی چھڑ چکی تھی۔ جن لوگوں کی سازش سے یہ بغاوت ہوئی تھی انہیں سزا دینے میں پس و پیش کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس لیے وہ فوج لے کر تیر کی طرح اڑا اور فرانس پر جا پڑا۔ ایک ایک کر کے کئی شہر اور قلعے فتح ہو گئے۔ مسلمان بورڈو کے مشہور شہر کو فتح کر کے آگے بڑھے تو ایکوٹیین کے نواب نے بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ آ گا روکا۔ لیکن شکست کھائی۔ مسلمانوں نے ہزاروں سپاہیوں کو مولی گاجر کی طرح کاٹ کے ڈال دیا۔ یہاں سے آگے بڑھ کر مسلمانوں نے برگنڈی کے پورے صوبے کو فتح کر لیا۔ پھر اس پر قبضہ کر کے فرانس کے دارالسلطنت کی طرف قدم بڑھایا۔

عبدالرحمٰن نے جن شہروں کو فتح کیا ان کی حفاظت کے لیے اس نے فوج مقرر

کرنی پڑی۔ اس طرح مسلمان جوں جوں آگے بڑھتے گئے۔ ان کی طاقت گھٹتی گئی۔ ادھر عیسائی سرداروں نے چارلس مارٹل کو جو فرانسیسیوں کا مشہور سردار تھا پے در پے پیغام بھیج کر بلوا بھیجا۔ وہ دریائے ڈینیوب کے آس پاس کی وحشی قوموں کو لے کر آندھی کی طرح اڑا۔ اور دریائے لوائر کے پاس پہنچ کر دور دور اپنی فوجیں پھیلا دیں۔ عبدالرحمٰن کو معلوم ہوا تو اس نے پیچھے ہٹ کر لشکر کا پڑاؤ ڈالا۔ اور مقابلہ کی تیاریاں کرنے لگا۔

دشمن کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ پھر ان کے بہت بددلی بھی پھیلی ہوئی تھی۔ بربری اور عرب بات بات پر جھگڑتے اور تلواریں سونت لیتے تھے۔ پچھلی جنگوں میں انہیں لوٹ کا بہت مال ہاتھ آیا تھا جسے سنبھالنا بہت مشکل معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے سب کا دل یہی چاہتا تھا کہ کسی طرح یہ سارا مال لے کر وطن پہنچیں۔ عبدالرحمٰن اس خیال سے ان پر سختی نہیں کرتا تھا کہ یہ لوگ بگڑ بیٹھے تو ہسپانیہ کی سرحد کر کبھی قدم نہ رکھ سکیں گے۔ اتنے میں چالس مارٹل نے دریائے نوائر سے اتر کر اپنی فوج جمائی۔ اٹھ دن چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں جن میں مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا۔ نویں دن دونوں لشکر مل گئے اور دن بھر لڑتے رہے۔ آخر رات نے آ کر اندھیرے کی سپر بیچ میں رکھ دی۔ اور دونوں فوجیں ہٹ کر اپنی اپنی جگہ آ گئیں۔ دوسرے دن پھر جنگ چھڑ۔ مسلمانوں نے دو تین حملے اس زور سے کیے کہ عیسائیوں کے قدم ڈگمگانے لگے اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی دم عیسائیوں کی فوجیں بھاگ کھڑی ہوں گی۔ اتنے میں کسی نے پکار کر کہا کہ عیسائیوں نے عقب سے حملہ کر کے لوٹ کے مال پر

قبضہ کر لیا۔ یہ سنتے ہی بربری سپاہی جنہیں مال جان سے زیادہ عزیز تھا پلٹے عبدالرحمٰن نے بہتیرا روکا۔لیکن کون سنتا تھا۔اس سراسیمگی کے عالم میں ایک برچھا لگا اور اس نے گھوڑے سے گر کر دم توڑ دیا۔سردار کے مرتے ہی مسلمانوں میں کھلبلی مچ گئی۔اب رات کا اندھیرا اترنا شروع ہو گیا تھا مسلمان اگرچہ نیم جان ہو چکے تھے لیکن عیسائیوں کو پھر بھی آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی اور دونوں فوجیں ہٹ کر اپنے اپنے پڑاؤ میں پہنچ گئیں۔

اب ایک اور آفت آئی۔یعنی مسلمان سرداروں میں پھوٹ پڑ گئی۔اور بعض عقلمند سرداروں نے یہ کیفیت دیکھ کر مناسب سمجھا کہ فوج کو میدان جنگ سے نکال کر لے جائیں۔چنانچہ وہ راتوں رات لشکر لے کر ہسپانیہ کی سرحد کی طرف چل پڑے ادھر صبح کو جب اسلامی کیمپ بالکل سنسان نظر آیا تو عیسائی جن کے دلوں میں مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ چکی تھی جی ہی جی میں ڈر رہے تھے کہ کہیں مسلمان گھات میں نہ لگے ہوں وہ دھڑکتے دلوں کے ساتھ اسلامی کیمپ کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ہر طرف سناٹا چھایا ہوا ہے۔البتہ کبھی کبھی کسی زخمی کے کراہنے کی آواز سنائی دے جاتی ہے۔یہ دیکھ کر ان کے حوصلے بڑھ گئے سب کے چہروں پر خوشی کی سرخی جھلکنے لگی۔کیمپ میں کچھ زخمی پڑے تھے جن کے بچنے کی کوئی امید نہ تھی۔عیسائیوں نے انہیں ذبح کر ڈالا عیسائیوں اور ہسپانیہ کے مسلمانوں میں اکثر لڑائیاں ہوتی رہی تھیں۔لیکن بنی امیہ کی طاقت آہستہ آہستہ کمزور ہوتی رہی تھی۔خلیفہ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ ہسپانیہ اور افریقہ کا انتظام

سنبھال سکے۔ اور وہاں برابر کمکی فوجیں بھیجتا رہے۔ اس لیے فرانس میں مسلمانوں کو زیادہ کامیابی نہ ہوئی۔

زید بن علی

ہشام نے ایک شخص یوسف بن عمر کو عراق کا حاکم مقرر کر رکھا تھا یہ شخص بڑا ظالم اور بے وقوف تھا۔ اس نے بنی ہاشم پر بڑے ظلم توڑے۔ امام حسینؓ کے پوتے زید سے اپنے خاندان کے لوگوں کی مظلومی دیکھی نہ گئی اور انہوں نے دمشق پہنچ کر خلیفہ کو سارا حال سنایا۔ لیکن اس نے کوئی پرواہ نہ کی۔ اور انہیں اپنے دربار سے نکال دیا۔ زید دمشق سے کوفہ پہنچے اور یہاں کے کچھ لوگوں کو ساتھ ملا کر مرنے مارنے پر تل گئے۔ اگرچہ ان کے ساتھ بہت بڑی فوج نہیں تھی۔ اور جن لوگوں نے ان کا ساتھ دیا تھا وہ بھی بھروسہ کے قابل نہ تھے پھر بھی انہوں نے میدان سے قدم پیچھے نہ ہٹایا۔ اور بڑی بہادری سے لڑ کر مارے گئے۔ لوگ پہلے ہی بنی امیہ کی حکومت سے بددل ہو رہے تھے۔ اس واقعہ نے ان کی بددلی بڑھ گئی۔ ادھر بنی عباس کے حامیوں کو فساد کی آگ بھڑکانے اور لوگوں کو بنی امیہ کے خلاف اکسانے کا بڑا اچھا موقع ہاتھ آ گیا تھا۔ ملک میں یہی رنگ اچھل رہا تھا کہ ہشام نے انتقال کی اور ہر طرف ابتری پھیل گئی۔

ولید ثانی

ہشام کے بعد اس کا بھتیجا ولید ثانی خلیفہ مقرر ہوا۔لیکن اس میں نہ ہشام جیسی جرات تھی نہ ملک کے انتظام کا سلیقہ' عیش وعشرت کے سامان اور برے بوڑھوں کے لاڈ پیار اور بچپن ہی میں مزاج بگاڑ رکھا تھا۔ہوش سنبھالا تو منہ چڑھے مصاحبوں نے آوارگی کی راہ پر ڈال دیا۔ ہشام نے بہتیرا سمجھایا لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔آخر تنگ آ کر اردن میں بھیج دیا کہ دمشق والوں کی بری صحبت سے بچا رہے۔ہشام کی وفات کی خبر مشہور ہوئی تو ولید اردن سے اڑا اور سیدھا دمشق پہنچ کر چچا کے بیوی بچوں کو محل سے نکال کر اس پر قبضہ کر لیا۔خوشامدی مصاحب جو بڑی بے تابی سے دن گن رہے تھے حاضر ہوئے راگ رنگ کی مجلسیں سجیں اور رنگ رلیاں منائی جانے لگیں۔

ولید نے اپنے پچیرے بھائیوں پر بڑے ظلم کیے۔اس بات نے رعایا کو اس کا دشمن بنا دیا۔ولید نے لوگوں کے تیور بدلے دیکھ کر سپاہیوں کی تنخواہیں بڑھا دیں۔ محتاجوں اور لنگڑے لوگوں کو خزانہ سے جو وظیفے ملتے تھے ان میں بھی اضافہ کیا۔لیکن اس کے ظلم وستم نے لوگوں کے دلوں میں گھاؤ ڈال رکھے تھے۔۔ چنانچہ جگہ جگہ شورشیں ہونے لگیں۔ بڑا ستم ہوا کہ خود اس کے خاندان کے لوگ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ اور اس کے پچیرے بھائی یزید نے جو ولید بن عبدالملک کا بیٹا تھا بغاوت کا پرچم لہرا دیا۔ دمشق کے لوگ بھی یزید کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے ولید ایک قلعہ میں جا

چھپا۔ لوگوں نے پھاٹک کو توڑ کر ولید کا قتل کر ڈالا۔ اور یزید اس کی جگہ خلیفہ مقرر ہوا۔

یزید بن ولید

ولید نے اپنے زمانے میں سپاہیوں کی تنخواہیں بہت بڑھا دی تھیں۔ یزید نے خلافت کی مسند پر قدم رکھتے ہی ان کی تنخواہیں گھٹائیں۔ پھر سرحدوں کو مضبوط کرنے کا ارادہ کیا۔ حمص اور فلسطین میں شورشیں ہوئیں جنہیں تلوار کے زور سے دبایا گیا۔ یزید اگر زندہ رہتا تو بہت اچھا حکمران ثابت ہوتا لیکن اسے خلیفہ مقرر ہوئے چھ مہینے ہوئے تھے کہ اس کا انتقال ہو گیا۔

مروان

یزید کے بعد اس کا بھائی ابراہیم خلیفہ مقرر ہوا۔ لیکن اس کی خلافت صرف شہر دمشق کے اندر تھی۔ عبدالملک کے پوتے مروان نے جو آرمینیا کا حاکم تھا۔ یزید کی موت کی خبر سنی تو فوج لے کر دمشق کی طرف بڑھا۔ ابراہیم بھاگ نکلا اور مروان نے شہر پر قبضہ کر لیا۔

مروان بڑا بہادر اور جیالا فرماں روا تھا۔ اس کی ساری عمر رومیوں سے لڑنے بھڑنے میں گزر گئی تھی۔ جب اس نے خلافت کی باگ ڈور سنبھالی تو اس کے چہرے

پر بڑھاپے کا نور جگمگا رہا تھا لیکن ہمت ابھی جوان تھی۔ لڑائی کے میدان میں معمولی سپاہیوں کی طرح زندگی بسر کرتا تھا اور ان کے ساتھ ساتھ جنگ کی مصیبتیں بھی جھیلتا اور دکھ اٹھاتا۔ لیکن بنی امیہ کی سلطنت اتنی دور دور پھیلی ہوئی تھی کہ اسے سنبھالنے کے لیے بہادری کے علاوہ عقل مندی کی بھی ضرورت تھی۔ مروان سے ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ مضریوں اور یمنیوں میں جو پرانی دشمنیاں چلی آتی تھیں۔ انہیں مٹانے کے بجائے ان نے مضریوں کو بڑھایا۔ اور یمنیوں کو گھٹایا۔ اور اس طرح فساد کی آگ کو اور بھڑکا دیا۔ تم پڑھ چکے ہو کہ اسلام کے ظہور سے پہلے عرب کے شاعر کس طرح مختلف قبیلوں کو آپس میں لڑ دیتے تھے۔ اس زمانے میں بھی دونوں طرف کے شاعروں نے بڑا فساد مچایا۔ اور شعروں میں اپنے اپنے قبیلے کی بہادری اور شرافت کا ذکر اس طرح کرنے لگے کہ مضریوں اور یمنیوں میں ٹھن گئی اور جگہ جگہ فساد ہونے لگے۔

ادھر خارجیوں نے موقع پا کر سر ابھارا۔ اور چھاپے مارنے لگے۔ ادھر ابو مسلم خراسانی نے جو بنو امی کا زور توڑ کر بنو عباس کو خلافت کی مسند پر بٹھانا چاہتا تھا خراسان میں فساد برپا کر دیا۔ خراسان کے باشندوں میں زیادہ تر ایرانی نومسلم تھے۔ جو حضرت علی کے خاندان کے طرف دار تھے۔ انہیں ابو مسلم نے بڑی آسانی سے اپنے ساتھ ملا لیا۔ اتفاق سے انہیں دنوں خراسان میں یمنیوں اور مضریوں کا جھگڑا ہوا نصر بن سیار مضری تھا۔ اور یمنیوں سے اس کا سلوک اچھا نہیں تھا۔ آخر یمنیوں نے تنگ آ کر اس کے خلاف بغاوت کر دی۔ نصر بن سیار اس شورش کو فرو کرنے چلا۔ ادھر ابو مسلم نے

اس موقع کو غنیمت سمجھ کر بغاوت کا نشان لہرایا۔ اور خراسان کے لوگ جو بنی ہاشم کو بنی امیہ سے زیادہ خلافت کا حق دار سمجھتے تھے۔ اس کی فوج میں آ آ کر شامل ہونے لگے۔ نصر یمنیوں کو شکست دے کر پلٹا تو معلوم ہوا کہ ابو مسلم نے ہر طرف فوجیں پھیلا دی ہیں گھبرا کر مروان کو خط لکھا۔ وہ اس زمانے میں خارجیوں سے لڑ رہا تھا۔ خود تو اس کی مدد کو نہ جا سکا البتہ عراق کے حاکم کو لکھا کہ جس قدر جلد ہو سکے نصر کی مدد کو فوجیں بھیجو۔ جب یہ فوجیں پہنچیں تو ابو مسلم نے نصر کو شکست دے کر پیچھے ہٹا دیا۔ وہ فارس کی طرف بھاگا لیکن راستے ہی میں موت نے آ لیا۔

مروان کو جب یہ خبریں پہنچیں تو اسے فکر ہوئی کہ جس شخص کو خلافت کی مسند پر بٹھانے کے لیے ابو مسلم نے اتنا بکھیڑا کیا ہے کسی طرح اسے تلاش کرنا چاہیے۔ حضرت عباس کی اولاد میں سے ایک شخص ابراہیم امام فلسطین کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتا تھا۔ مروان کو جاسوسوں نے خبر پہنچائی کہ ابراہیم امام خلافت کا دعوے دار ہے۔ مروان نے اسے قید کر لیا۔ لیکن ابو مسلم کی فوجیں برابر بڑھتی چلی آتی تھیں۔ مروان نے انہیں روکنے کے لے لشکر بھیجا۔ نہاوند میں گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ مروان کی فوج نے شکست کھائی۔ دریائے فرات کے کنارے کربلا کے میدان میں ایک اور معرکہ ہوا۔ یہاں ابو مسلم کی فوج نے فتح پائی اور حملہ آوروں نے کوفہ پر قبضہ کر لیا۔ مروان نے غصہ میں آ کر ابراہیم امام کو قتل کر ڈالا۔ لیکن وہ موت سے پہلے اپنے بھائی ابو العباس عبداللہ کو اپنا جانشین مقرر کر گیا۔

خراسان کے لوگ اس خیال سے اٹھے تھے کہ حضرت علی کی اولاد کو خلافت کی مسند پر بٹھایا جائے۔ لیکن ابو مسلم خراسانی نے ان سب کو آہستہ آہستہ بنی عباس کا حامی بنا لیا۔ اصل میں اس وقت حضرت علی کے خاندان میں سے جو لوگ موجود تھے انہیں خلافت حاصل کرنے کی بالکل پروا نہ تھی۔ بعض لوگوں نے حضرت امام جعفر صادقؒ کے پاس جو حضرت علیؓ کی اولاد میں سے سب سے زیادہ ممتاز تھے قاصد بھیجے کہ آپ خلافت قبول کر لیجیے لیکن انہوں نے کوئی جواب نہ دیا۔ ابو مسلمہ نے جو ابو مسلم کے ساتھیوں میں سے ایک مشہور سردار تھے امام جعفر صادق کو خط لکھا انہوں نے اسے پڑھے بغیر جلا دیا۔ پھر ان کے کنبہ کے دوسرے لوگوں کے پاس قاصد بھیجے لیکن امام جعفر صادق نے انہیں بھی یہ کہہ کر روک دیا کہ ہمیں ان جھگڑوں میں نہیں پڑنا چاہیے۔

اب بنی عباس کے لیے میدان صاف تھا۔ ان کی فوجیں خراسان اور عراق کو فتح کر کے حجاز اور شام پر بڑھ رہی تھیں۔ چنانچہ کوفہ کی جامع مسجد میں ابراہیم امام کا بھائی ابو العباس خلیفہ مقرر ہوا۔ اور بے شمار لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کی۔ مروان نے ایک لاکھ بیس ہزار فوج لے کر مقابلہ کا ارادہ کیا لیکن شکست کھا کر بھاگا اور راستے میں مارا گیا۔ فتح مندوں نے دشمنوں کا خون بہانے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ اور اموی خاندان کے لوگ چن چن کر قتل کیے گئے۔

خدا کی قدرت کا تماشا دیکھو کہ بنی امیہ کی حکومت جو پورب سے پچھم تک پھیلی ہوئی تھی کس طرح آن کی آن میں مٹ گئی۔ دراصل ان کے زوال کا سبب مضری اور

جمزی قبیلوں کی خانہ جنگی تھی۔اس کے علاوہ حجاج بن یوسف اور بعض دوسرے سرداروں کے ظلم نے لوگوں کو بنی امیہ سے بہت ناراض کر دیا تھا۔اور آخری خلیفہ کے زمانے میں تو یہ حال تھا کہ خود اموی خاندان کے لوگ بھی خلیفہ سے بیزار ہو گئے تھے۔

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

چوتھا باب

بنی امیہ کی خلافت پر ایک نظر

بنی امیہ نے کوئی بانوے سال خلافت کی لیکن انہوں نے اپنے زمانے میں حکومت کے اکثر پرانے طریقے بدل دیے تھے۔ پہلے یہ طریقہ تھا کہ خلیفہ لوگوں کی مرضی سے چنا جاتا تھا۔ لیکن امیر معاویہ اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے ان کے بعد اسی طریقے نے رواج پکڑا۔ ہر خلیفہ اپنی زندگی ہی میں اپنا جانشین مقرر کر جاتا تھا۔ اور بڑے بڑے افسروں اور صوبوں کے حاکموں سے وعدہ لیا جاتا تھا کہ وہ اس کی اطاعت کریں گے۔ تم پڑھ چکے ہو کہ ایک زمانے میں خلیفہ کا نہ کوئی دربان ہوتا تھا نہ محافظ وہ عام آدمیوں کی طرح بازاروں میں پھرتا تھا۔ اور لوگ اس سے برابری کے دعوے سے ملتے تھے۔ لیکن بنی امیہ کے زمانے میں یہ حال ہو گیا کہ خلیفہ نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں الگ جگہ بنائی گئی۔ جب وہ نماز پڑھتا تو دہنے بائیں سپاہی ننگی تلواریں لیے کھڑے رہتے تھے۔

پہلے سارے مسلمان بیت المال کے مالک سمجھے جاتے تھے۔ اور سب کو اس میں سے حصہ ملتا تھا۔ لڑائیوں میں سے جو مال ہاتھ آتا تھا۔ وہ سب مسلمانوں میں بانٹ

دیا جاتا۔خلیفہ صرف بیت المال کا محافظ سمجھا جاتا تھا۔بنی امیہ کا خلیفہ مالک سمجھا جانے لگا۔وہ جہاں چاہتا بیت المال کا روپیہ خرچ کرتا تھا کسی کو دم مارنے کی مجال نہ تھی۔

سلطنت کا انتظام

بنی امیہ کی سلطنت سات بڑے بڑے صوبوں میں بٹی ہوئی تھی۔خلیفہ ان صوبوں کے حاکم مقرر کرتا تھا۔یہ حاکم اپنے علاقے کے سیاہ وسپید کے مالک ہوتے تھے۔اور جسے چاہتے مختلف علاقوں میں اپنی اپنی طرف سے حاکم مقرر کر بھیجتے تھے۔ایک تو حجاز کا صوبہ تھا جس میں مکہ مدینہ طائف اور یمن شامل تھے۔دوسرا صوبہ عراق کا تھا جس میں عراق کے علاوہ عمان بحرین سیستان' کابل' خراسان' سندھ اور ملتان شامل تھے۔اس صوبے کا صدر مقام کوفہ تھا۔تیسرا صوبہ آرمینیا تھا یہ موصل سے آذربائیجان تک پھیلا ہوا تھا۔چوتھا شام جس میں اردن حمص اور دمشق اور قنسرین شامل تھے۔پانچواں صوبہ مصر تھا۔اور چھٹا شمالی افریقہ۔جنوبی فرانس سسلی اور سارڈینیا بھی اسی صوبے کے ماتحت تھے۔قیروان اس صوبے کا صدر مقام تھا۔ہسپانیہ کبھی تو اس صوبے میں شامل سمجھا جاتا تھا اور کبھی وہاں ایک علیحدہ حاکم مقرر کیا جاتا تھا۔اس طرح ہسپانیہ کو بنی امیہ کی سلطنت کا ساتواں صوبہ سمجھنا چاہیے۔

خلیفہ کی طرف سے ہر صوبہ میں مالگزاری جمع کرنے کے لیے ایک علیحدہ افسر مقرر کیا جاتا تھا۔جو صوبے کے حاکم کے ماتحت نہیں سمجھا جاتا تھا۔بڑے بڑے شہروں

میں مقدموں کا فیصلہ کرنے کے لیے جج مقرر تھے۔

دوسرے مذہب والوں کے جھگڑے چکانے کا کام انہی مذہبی پیشواؤں کے سپرد تھا۔ ہر صوبے میں پولیس کا ایک اعلیٰ افسر مقرر ہوتا تھا جسے صوبے کا حاکم مقرر کرتا تھا۔ ہر صوبے میں تین الگ الگ دفتر ہوتے تھے ایک تو فوج کا دفتر جس کی زبان عربی تھی۔ دوسرا حکم احکام کا دفتر جہاں سے افسروں کے نام حکم بھیجے جاتے تھے۔ یہ بھی عرب میں تھا۔ تیسرا مالیہ کے حساب کتاب وغیرہ کا دفتر یہ مختلف صوبوں کی زبان میں تھا۔ ایران میں مالیہ کا حساب فارسی میں رکھا جاتا تھا۔ شام میں سریانی زبان کا رواج عام تھا۔ اور مصر میں وہاں پرانی زبانی میں مالگزاری کا سارا حساب و کتاب ہوتا تھا۔ لیکن کچھ عرصہ کے بعد مالیہ کا حساب بھی عربی میں رکھا جانے لگا۔

سکے ڈھالنے کا رواج حضرت عمرؓ کے زمانے ہی سے شروع ہو چکا تھا۔ پہلے حضرت عمرؓ نے ایرانی سکوں کی طرح کے سکے ڈھلوائے پھر حضرت عثمانؓ نے امیر معاویہ نے اپنے زمانے میں سونے کے سکہ پر جو دینار کہلاتا تھا تصویر بنوائی۔ لیکن اس وقت تک ہر صوبے میں الگ الگ ٹکسالیں قائم تھیں۔ سکوں کا کوئی وزن مقرر نہیں تھا۔ بہتیرے لوگ جعلی سکے ڈھالنے شروع کر دیے تھے۔ عبدالملک نے اپنی حکومت کے زمانے میں سکوں کا وزن مقرر کیا۔ دمشق میں ٹکسال قائم ہوئی جو سکے وہاں ڈھلتے تھے ان کے سوا کسی سکے کا چلن نہ رہا۔ جو شخص جعلی سکے بنانے کے جرم میں پکڑا جاتا تھا اسے سخت سزا دی جاتی تھی۔

فوج

بنی امیہ کے زمانے میں فوج کا انتظام بہت اچھا تھا۔ ہر عرب کے لیے فوج کی ملازمت ضروری تھی۔ امن کے زمانے میں بھی لوگ جنگی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ جب انہیں جنگ پر بھیجا جاتا تھا تو ان کی تنخواہیں بڑھا دی جاتی تھیں۔ اس زمانے میں پیادوں کو ایک ہزار درہم سالانہ تنخواہ ملتی تھی جو ہندوستان کے حساب کے مطابق کوئی ساڑھے پانچ سو روپے کے برابر ہوتی ہے۔ سواروں کو اس سے دگنی تنخواہ دی جاتی تھی یہ تنخواہ گھٹتی بڑھتی رہتی تھی۔ یہ فوج جب کوئی معرکہ سر کرنے روانہ ہوتی تھی تو اس کے آگے سوار تلواریں باندھے پشت پر ڈھالیں اور ہاتھوں میں برچھے لیے اڑے چلے جاتے تھے۔ ان کے دونوں بازوؤں پر تیر انداز ڈھال تلوار لگائے پشت پر ترکش اور گلے میں کمانیں ڈالے گھوڑوں کے ساتھ ساتھ قدم مارتے جاتے تھے۔ ان کے پیچھے پیدل فوج پھریرے اڑتی بڑھتی چلی جاتی تھی۔ ان کے ساتھ اونٹوں کی قطاریں خیمے ہتھیار اور کھانے پینے کے سامان اٹھائے ہوئے ہوتی تھیں۔ پیچھے خچروں اور گھوڑوں پر سامان لدا ہوا آتا تھا۔ جب کبھی خلیفہ خود فوج کی کمان کرتا تھا تو فوج کی اور ہی شان ہوتی تھی فوج کے بیچوں بیچ خلیفہ کا محافظ دستہ زرق برق وردی پہنے سنہری نشان کے سایے میں گھوڑے پر سوار دکھائی دیتا امیر وزیر اور شاہزادے اسے گھیرے ہوتے تھے۔

بنی امیہ کے زمانے میں جنگ کے طریقے میں بھی اچھی خاصی ترقی ہوئی تھی فوج جہاں پڑاؤ ڈالتی خندقیں کھود لیتی تھی۔ خیمے اس طرح گاڑے جاتے تھے کہ کیمپ شہر کی طرح دکھائی دیتا تھا۔ ویسے ہی کوچے ار بازار ہوتے تھے۔ اسی طرح دوکانیں لگتی تھیں۔ جنگ کے وقت سپہ سالار کسی ٹیل پر کھڑے ہوکر احکام دیتا تھا۔ اس کے پاس تازہ دم گھوڑے ہوتے تھے۔ جب فوج کے سرداروں کو کوئی حکم پہنچانا ہوتا تو ایلچی ان گھوڑوں پر بیٹھ کر آن کی آن میں فوج کی صفوں میں سے گزر جاتے تھے۔ جب دشمن حملہ کرتا تھا تو پیدل فوج ایک مربع سا بنا لیتی تھی۔ اور لمبے نیزوں پر حملہ آوروں کو روکتی تھی۔ کبھی وہ ہاتھوں میں ڈھالیں لیے گھٹنے ٹیک کر دشمن کا مقابلہ کرتے تھے۔ تیر انداز پیدل فوج کی پشت پر ہوتے تھے۔ ان کے دونوں بازوؤں اور پشت پر سوار جمائے جاتے تھے۔ دشمن حملہ کرتا تو پیدل فوج اپنی جگہ جمی رہتی اور نیزوں سے اس کا مقابلہ کرتی تھی۔ تیر انداز و تیروزن کا مینہ برساتے تھے۔ اور سوار فوج کی صفوں سے آگے بڑھ کر دشمن کا آگا روکتے تھے۔ جب دشمن پیچھے ہٹتا تو ساری فوج مل کر زور ڈالتی تھی۔ دشمن بھاگ کھڑا ہوتا تو سوار اور گھڑ سوار تیر انداز اس کا پیچھا کرتے تھے لیکن مسلمانوں نے زیادہ تر اپنی پھرتی اور چستی کی وجہ سے دوسری قوموں پر فتح حاصل کی۔ وہ بجلی کی طرح اپنے دشمنوں پر جا پڑتے اور انہیں دم نہ لینے دیتے تھے۔

اسی فوج کے ساتھ بنی امیہ نے اپنی حکومت کو مشرق میں چینی ترکستان تک اور مغرب میں فرانس تک پھیلا دیا۔ شمال میں یہ سلطنت آرمینیا تک پھیلی ہوئی تھی جنوب

میں اس کا ڈانڈا افریقہ کے صحرائے اعظم سے ملتا تھا۔ اس زمانے میں بڑے بڑے نامور سپہ سالار پیدا ہوئے جن کی بہادری اور تدبیر نے افریقہ' ہسپانیہ آرمینیا' سندھ ملتان اور اسلامی پرچم لہرایا۔ انہوں نے رومیوں کو ملک میں تلواریں ماریں اور بحیرہ خزر کے ساحل کی قوموں کو اپنا فرماں بردار بنایا۔ مہلب بن ابی صفرہ' موسیٰ' طارق' عقبہ کا حال تم پڑھ چکے ہو۔ عبدالملک کا ایک بیٹا مسلمہ بھی بڑا بہادر سپاہی تھا۔ ایک دفعہ قسطنطنیہ پر چڑھ گیا اور روم کے اکثر حصوں کو زیروزبر کر ڈالا۔ عبداللہ بطال ایک جانباز شخص تھا۔ روم کی لڑائیوں میں اس نے بڑی شجاعت دکھائی۔ اس کے حالات اکثر کتابوں میں ملتے ہیں۔ بہتیرے لوگوں نے اس کی تعریف میں گیت اور قصے جوڑے ہیں۔ جنہیں اب تک لوگ شوق سے پڑھتے ہیں۔

بنی امیہ کے زمانے میں سمندر میں بھی کئی لڑائیاں لڑی گئیں۔ امیر معاویہ نے اپنے زمانے میں سترہ سو کشتیاں تیار کرائی تھیں۔ اور دوسرے ملکوں سے بہت ملاحوں اور جہازرانوں کو اپنے ہاں لا کر رکھا تھا۔ پھر شام اور مصر کے بہت سے ملاح بحری فوج میں بھرتی کیے گئے۔ رومیوں سے کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں مسلمانوں نے فتح پائی۔ آہستہ آہستہ شام اور مصر کی بندرگاہوں میں جہاز بھی بننے لگے۔ ہر بندرگاہ میں جنگی جہازوں کے علاوہ بہت سے تجارتی جہاز بھی موجود رہتے تھے۔

تعلیم

بنی امیہ کی حکومت کا سارا زمانہ لڑائیوں بھڑائیوں میں گزرا۔ اس لیے انہیں تعلیم کی طرف توجہ کرنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ لیکن اس زمانے میں بہتیرے ایسے عالم تھے جن کے پاس دور دور سے لوگ علم کی پیاس بجھانے آتے تھے۔ امام جعفر صادقؒ جو حضرت علیؓ کی اولاد میں سے تھے اس زمانے کے مشہور عالم ہیں ان کے شاگردوں میں بڑے بڑے نامور عالم پیدا ہوئے۔ امام حسن بصریؒ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ انہیں کے شاگرد تھے۔ اس زمانے میں کئی نئے نئے فرقے بھی پیدا ہوئے جنہوں نے بڑا فتور پیدا کیا۔

تاریخ کے فن کی طرف بھی اسی زمانے میں مسلمانوں نے توجہ کی۔ امیر معاویہ کو پرانے زمانے کے حالات سننے کا بہت شوق تھا۔ یمن کے ایک شخص نے جسے پرانے زمانے کی بہت سی باتیں یاد تھیں ان کا جی بہلانے کے لیے ایک کتاب لکھی جس میں بہت سے تاریخی واقعات تھے۔ بنی امیہ کے ایک شہزادہ خالد نے یونانی زبان پڑھی ارو اس زبان کی کئی کتابوں کا ترجمہ کیا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں حدیثیں جمع کی گئیں عربی زبان اور شاعری کے قواعد پر بھی کتابیں لکھی گئیں۔ لیکن دراصل اس زمانے میں علم کو جیسی ترقی ہونی چاہیے تھی نہیں ہوئی۔ ہاں شاعری اور موسیقی نے بہت ترقی کی۔ جریر اور فرزدق جن کے شعروں پر اب تک لوگ سر دھنتے

ہیں اسی زمانے میں گزرے ہیں۔

دمشق

بنی امیہ کے زمانے میں شہروں کی رونق اور آبادی بہت بڑھ گئی دمشق پرانا شہر تھا۔ مسلمانوں کی حکومت سے پہلے اس کا شمار رومیوں کی سلطنت کے بڑے بڑے شہروں میں ہوتا تھا۔ لیکن بنی امیہ کا دارالخلافہ بننے کے بعد اس کی شان وشوکت بڑھ گئی۔ اس زمانے میں شہروں کے گرداگرد فصیل ضرور ہوا کرتی تھی۔ تا کہ دشمن چڑھ آئے تو شہر کے اندر بیٹھ کر اس کا مقابلہ کیا جا سکے۔ اس فصیل میں بڑے بڑے پھاٹک ہوتے تھے۔ مختلف قبیلے الگ الگ محلوں میں رہتے تھے۔ ہر محلّہ چھوٹا موٹا شہر ہوتا تھا۔ چونکہ ان قبیلوں میں اکثر لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ اس لیے ہر محلّہ کا پھاٹک الگ ہوتا تھا۔ جس پر دربان پہرا دیتے تھے۔ دمشق کی فصیل کے ساتھ بہار باغ تھے۔ درختوں کے جھرمٹ میں شہر اس طرح دکھائی دیتا تھا جس طرح انگشتری میں نگینہ شہر یں سات بڑی بڑی نہریں بہتی تھیں۔ ان کے علاوہ اور بھی چھوٹی چھوٹی نہریں تھیں جن سے ہر گھر میں پانی پہنچتا تھا۔ دولت مندوں کا کیا ذکر ہے غریبوں کے گھروں میں بھی گلزار کھلے تھے۔ عرب کو فواروں کا بہت شوق تھا۔ فواروں سے پانی اچھل اچھل کر حوض میں گرتا ہے۔ اور وہاں سے نکل کر پھولوں کی کیاریوں کو سیراب کرتا۔ پانی کا یہ انتظام اس زمانے کے کسی شہر میں نہیں تھا۔ آج تک دمشق کا یہ حال ہے کہ ہر گھر میں

ایک آدھ فوارہ ضرور نظر آتا ہے۔

بنی امیہ نے دمشق میں بڑی بڑی عالی شان عمارتیں بنوائیں امیر معاویہ نے سبز رنگ کا ایک محل اپنے لیے تعمیر کرایا۔ ولید بن عبدالملک نے جامع مسجد بنوائی جو دنیا کے عجائبات کا نمونہ ہے۔ اس کے علاوہ کئی مسجدیں اور محل بنے۔ خلیفہ کا محل کروڑوں روپ کی لاگت سے کئی برس میں تیار ہوا تھا۔ سارا محل چاندی سونے اور سنگ مرمر سے بنا تھا۔ جگہ جگہ فوارے اور حوض تھے۔ جن کا پانی موتی کی آب کو شرماتا تھا۔ محل کے گرد باغ تھا۔ جس میں رنگ بھرے پیڑ لگے تھے اور ان پر خوبصورت پرندے] جن کی میٹھی بولیاں سن کر انسان کو وجد آ جاتا تھا چھتیں سونے کی تھیں۔ اور ان میں جگہ جگہ ہیرے پنے جڑے ہوئے تھے ہر کمرے میں حبشی غلام ریشمی وردیاں پہنے ہتھیار لگائے کھڑے رہتے تھے۔ خلیفہ کا دربار خاص میں صرف بڑے بڑے امیر اور شاہی خاندان کے لوگ ہی جا سکتے تھے محل کے اندرونی حصہ میں لگتا تھا۔ اس کا فرش سنگ مرمر کا تھا۔ فرش کے پتھروں کے گرد سونے کا حاشیہ تھا۔ کمرے کے درمیان ایک سرخ قالین پر جو سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا۔ خلیفہ بیٹھتا تھا۔ ایسے موقعوں پر وہ سرخ رنگ کا ریشمی لباس پہنا کرتا تھا۔ دربار عام میں جہاں ملکوں کے سیر پیش ہوتے اور مقدموں کے فیصلے کیے جاتے تھے خلیفہ تخت پر بیٹھتا تھا۔ خاندان بنی امیہ کے شہزادے اس کی دہین طرف کھڑے ہوتے تھے۔ اور سلطنت کے امیر خلیفہ کے مصاحب اور درباری دائیں سے طرف سامنے۔ دمشق کے معزز لوگ' شاعر عام فاضل کھڑے

رہتے تھے۔عربوں نے دربار کے دستور اور قاعدے اس کی آرائش کے طریقے کچھ تو رومیوں سے سیکھے تھے اور کچھ ایرانیوں سے۔عمارتیں بھی رومیوں اور ایرانیوں کی عمارتوں جیسی بنائی جاتی تھیں۔لیکن عربوں نے طرز تعمیر میں بھی نئی نئی باتیں پیدا کیں۔رومیوں اور ایرانیوں کی عمارتوں میں محراب نہیں ہوتی تھی۔عربوں نے محراب والی عمارتیں بنائیں کیونکہ ان کے وطن میں قدرتی محرابوں کا کوئی شمار نہ تھا۔کھجوروں کی شاخیں جب آپس میں ملتی تھیں محراب کی شکل بن جاتی تھی۔

عربوں نے کئی نئے شہر بھی آباد کیے۔عقبہ بن نافع نے افریقہ میں قیروان کا شہر بسایا۔اور اسد بن عبداللہ نے بلخ آباد کیا۔جو اب تک وسط ایشیا کے مشہور شہروں میں سے ہے۔

معاشرت

اس زمانے کے دولت مند لوگ دو منزلہ مکان بناتے تھے اور بڑے ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرتے تھے۔عام لوگوں کے مکانوں کے درمیان بھی ایک صحن ضرور ہوتا تھا۔جسے چاروں طرف سے شہ نشینیں جن میں ستون ہی ستون نظر آتے تھے گھیرے ہوئے ہوتی تھیں۔اس صحن کا فرش سنگ مرمر کا ہوتا تھا۔درمیان میں سنگ مرمر کا حوص اور حوض میں فوارے۔اس حوض کے گرداگرد باغ ہوتا تھا۔جس کی روشوں پر رنگا رنگ پھول کھلتے تھے۔۔ان کے ستھ ساتھ لیموں اور سنگترے کے پیڑوں کی قطاریں۔

کمروں می قیمتی قالینوں کا فرش۔ دروازوں پر پردے۔ جانے سون لوگوں سے ملنے جلنے کے لیے الگ الگ کمرے مقرر تھے۔

لباس میں کوئی خاص تبدیلی نہیں ہوئی البتہ اس زمانے میں چست قبا کا رواج بہت بڑھ گیا۔ الگ الگ کاموں کے لیے الگ الگ لباس تیار ہوتا تھا۔ جب لوگ گھروں میں ہوتے تھے تو ڈھیلا ڈھالا لباس پہنتے تھے۔ گھوڑوں پر سوار ہوتے یا شکار کو جاتے تو چست پاجامے اور چست قبا پہنتے تھے۔ کھانا کھانے کے چار وقت تھے صبح کو ناشتہ دوپہر کو کھانا سہ پہر کو ہلکا سا ناشتہ عشق کی نماز کے بعد پیٹ بھر کر کھانا کھاتے تھے۔

ابتدا میں عورتیں اکثر کاموں میں مردوں کا ہاتھ بٹاتی تھیں۔ لیکن رومیوں اور ایرانیوں کے اثر سے پردہ پابندیاں زیادہ ہو گئیں۔ اور عورتیں اور مرد الگ تھلگ رہنے لگے۔ اس زمانے میں کئی قابل اور عقل مند عورتیں ہو گزری ہیں۔ جن کے حالات بڑی کتابوں میں ملتے ہٰیں۔ رابعہ بصریؒ جو بڑی نیک اور خدا رسیدہ خاتون ہوئی ہیں اسی زمانے میں تھیں۔

غرض اس زمانے کے حالات پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ عربوں کی زندگی رومیوں اور ایرانیوں کے اثر سے بہت بدل گئی تھی۔ ان کی سادگی جس نے انہیں روم اور ایران کا مالک بنایا تھا آہستہ آہستہ مٹتی جا رہی تھی۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز چاہتے تھے کہ مسلمان ان تکلفوں کو چھوڑ کر پھر سیدھی سادی زندگی بسر کرنے لگیں، لیکن ان کی عمر

نے وفا نہ کی، اور ان کی آنکھیں بند ہوتے ہی پہلا سا رنگ اچھلنے لگا۔

پھر بھی اس زمانے میں عربوں کی طبیعتوں پر رومی اور ایرانی رسموں کا رنگ پوری طرح نہیں چڑھا تھا۔ اور ان میں باپ دادا کی سادگی بہت حد تک پائی جاتی تھی۔

☆☆☆

پانچواں باب

خلافت عباسیہ سفاح اور منصور

خاندان بنی عباس

حضرت عباس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا تھے۔ اگر چہ وہ دیر تک ایمان نہیں لائے تھے لیکن مسلمانوں کے دکھ سکھ میں ہمیشہ شریک رہے بدر کے معرکے میں قریش کے لشکر کے ساتھ مسلمانوں سے لڑنے آئے لیکن گرفتار ہو گئے۔ رہائی پائی تو پھر مکہ چلے گئے۔ لیکن دل سے مسلمانوں کے خیر خواہ تھے۔ اس لیے اکثر مسلمانوں کی مدد کرتے رہتے تھے۔ جب حدیبیہ کی صلح ہوئی تو دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے کے ہاں جانے لگے تو یہ بھی مکہ چھوڑ کر مدینے چلے گئے حنین کی جنگ میں انہوں نے بڑی بہادری دکھائی۔ کافروں کے تیروں سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ لیکن یہ برابر آنحضرتؐ کے خچر کی لگام تھامے میدان میں کھڑے رہے۔ آنحضرتؐ کی وفات کے بعد مدت تک زندہ رہے اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانے میں انتقال کیا۔

ان کے کئی بیٹے تھے۔ جن میں عبداللہ بن عباس بہت مشہور ہیں۔ علم میں ان کا پایہ بہت اونچا تھا۔ قرآن کے معنی خوب سمجھتے تھے۔ حضرت علیؓ کی خلافت کے زمانے میں کچھ عرصہ تک ان کے ساتھ رہے پھر طائف چلے گئے اور امیر معاویہ اور یزید کے زمانے کی شورش میں وہیں رہے۔ جن دنوں عبداللہ بن زبیر اور عبدالملک میں لڑائیاں ہو رہی تھیں انہوں نے انتقال کیا۔

عبداللہ بن عباس کے پوتے محمد بن علی بڑے ہی عقل مند شخص تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ ملک میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اہل بیت یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کنبہ کے طرف دار ہیں اور بنی امیہ کی سلطنت مٹا کر اہل بیت کو خلافت کی مسند پر بٹھانا چاہتے ہیں تو وہ چپکے چپکے بنی امیہ کی سلطنت کا تختہ الٹنے کی تدبیریں کرنے لگے انہوں نے کچھ آدمیوں کو اس کام پر مقرر کیا کہ وہ خراسان اور عراق میں جگہ جگہ گھوم پھر کر لوگوں سے اہل بیت کی خلافت کی بیعت لیں۔ دیر تک یہ کام اس طرح ہوتا رہا کہ خراسان اور عراق کے حاکموں کو کانوں کان خبر نہ ہونے پائی۔

محمد بن علی کے انتقال کے بعد ان کے باپ کے غلاموں میں خراسان کا ایک نوجوان ابو مسلم بھی تھا جو بڑا ہونہار معلوم ہوتا تھا۔ ابراہیم امام نے اسے خراسان میں اپنے نائب بنا کر بھیجا اور وہاں جو لوگ ان کے طرف دار تھے انہیں لکھا کہ یہ خاص ہمارے گھر کا آدمی ہے اسکا حکم ماننا۔ اور اس کی مخالفت نہ کرنا۔ خراستان کے علاوہ

انھوں ے عراق میں بھی جگہ جگہ اپنے آدمی مقرر کیے۔ یہ زمانہ بڑی شورش کا زمانہ تھا ایک طرف خود خاندان بنی امیہ مین پھوٹ پڑی ہوئی تھی دوسری طرف مضری اور یمنی قبیلے آپس میں لڑرہے تھے۔ ابو مسلم نے اس موقع سے فائدہ اٹھا کر خراسان میں اپنے قدم مضبوط کر لیے پھر جن جن لگوں نے اہل بیت کی بیعت کی تھی انہیں بلا بھیجا اور اچھا خاصا لشکر جمع کرے ایک قصبہ میں جا بیٹھا۔ اس کے اردگرد خندق کھود کر اس میں پانی بھر افصیل بنائی اور لڑائی کی تیاریاں کرنے لگا۔

اتفاق سے انہیں دنوں خراسان کے سرداروں میں پھوٹ پڑی ہوئی تھی۔ ابو مسلم ایسی چال چلا کہ یہ سردار آپس میں لڑمرے اور ابو مسلم نے خراسان پر قبضہ کر کے عراق پر چڑھائی کا حکم دے دیا۔ عراق کے حاکم ابن ہبیرہ نے بہادری سے مقابلہ کیا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگا۔ اس زمانے میں ابراہیم امام مارے گئے وہ موت سے پہلے اپنے بھائی ابو العباس کو اپنا جانشین مقرر کر گئے تھے چنانچہ ۱۳۲ھ میں اس نے کوفہ کی جامع مسجد میں اپنی خلافت کا اعلان کیا۔ تھوڑے دنوں میں ہی بنی امیہ کا آخری خلیفہ مروان بھی مارا گیا اور تیس سال کی لگاتار کوششوں کے بعد خلافت بنی عباس کے ہاتھ آئی۔

سفاح

ابو العباس جو عباسی خاندان کا پہلا خلیفہ تھا۔ سفاح کے لقب سے مشہور ہے جس کے معنی خون بہانے والے کے ہیں۔ بنی امیہ نے اپنے زمانے مںس لوگوں پر بہت ظلم

کیے تھے لیکن عباسیوں نے بھی خلافت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد کمی نہیں کی۔ بنی امیہ کے خاندان کے لوگ چن چن کر قتل کر ڈالے گئے۔ اس ظلم کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے سردار جو بنی امیہ کے حامی تھے بغاوت کا علم بلند کرنے لگے۔ چنانچہ سفاح حکومت کا سارا زمانہ انہیں شورشوں کے مٹانے میں گزر گیا۔ جس شخص پر وہ ذرہ بھر شبہ ہوتا تھا فوراً تلوار کے گھاٹ اتار دیا جاتا تھا۔ جن لوگوں نے عباسیوں کو خلافت کی مسند پر بٹھانے کے لیے اپنی جانیں خطرہ میں ڈالی تھیں وہ بھی اس خیال سے قتل کر ڈالے گئے کہ کہیں آگے چل کر کوئی فتنہ نہ کھڑا کر دیں۔

سفاح کو حضرت علیؓ کے خاندان سے بڑا خطرہ تھا۔ بہتیرے لوگوں نے یہ سمجھ کر ابومسلم کا ساتھ دیا تھا کہ بنی امیہ کے بعد خلافت حضرت علیؓ کی اولاد کے ہاتھ آئے گی۔ کوفہ کے اکثر لوگ حضرت علیؓ کی اولاد کے طرف دار تھے۔ اس لیے سفاح نے کوفہ کی جگہ انبار کو جو حیرہ کے پرانے شہر کے پاس واقع تھا اپنا صدر مقام بنایا اور چار سال حکومت کر کے یہیں انتقال کیا۔

منصور

موت سے کچھ عرصہ پہلے سفاح وصیت کر گیا تھا کہ میرے بعد میرے بھائی ابو جعفر منصور کو اور اس کے بعد میرے بھتیجے عیسیٰ بن موسیٰ کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ منصور حج کر کے آ رہا تھا کہ راستے میں بھائی کے انتقال کی خبر ملی۔ فوراً انبار پہنچ کر حکومت پر قبضہ

کرلیا۔لیکن خلافت کے تخت پر قدم رکھا تو اندر باہر دشمن ہی دشمن نظر آئے۔حضرت علی کے خاندان کے لوگوں کو اگر چہ سلطنت حاصل کرنے کا خیال بھی نہ تھا۔پھر بھی اس خاندان کے اکثر نوجوان خلافت کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ادھر ابو مسلم خراسانی اپنے زور طاقت اور گھمنڈ میں کسی کو خاطر میں نہیں لاتا تھا۔سلطنت کے سرے کاموں میں اس کا دخل تھا۔جو چاہتا کرتا تھا۔خراسان کے لوگ جو اس کے ہم وطن تھے اس کے اشارے پر جانیں نثار کرنے کو تیار رہتے۔لیکن منصور کو سب سے زیادہ اپنے چچا عبداللہ بن علی کا خیال تھا۔عبداللہ بڑا بہادر سپاہی اور تجربہ کار جرنیل تھا۔اور اپنے آپ کو خلافت کا حق دار سمجھتا تھا۔منصور کے خلیفہ بننے کی خبر سن کر وہ بھڑک اٹھا۔اور شام سے جہاں کی حکومت اس کے قبضہ میں تھی بڑی بھاری فوج لے کر چلا۔منصور نے ابو مسلم خراسانی کو اس کے مقابلہ پر بھیجا۔عبداللہ شکست کھا کر بھاگا۔اور مدتوں بصرہ میں چھپا رہا۔آخر پکڑا گیا۔اور کچھ دنوں قید میں رہ کر وفات پائی۔

ابو مسلم خراسانی

جب منصور کو عبداللہ کی طرف سے اطمینان ہو چکا تو خیال آیا کہ اب کسی طرح ابو مسلم کو بھی ٹھکانے لگانا چاہیے۔اس میں منصور اپنی ولی عہدی کے زمانے میں ابو مسلم کا دشمن ہو گیا تھا۔وہ جب دیکھتا تھا کہ سلطنت کے سارے کاروبار پر ابو مسلم چھایا ہوا ہے تو سینہ پر سانپ لوٹ جاتا تھا۔ادھر ابو مسلم کامیابی کے نشہ میں چور کسی کی پرواہ نہیں کرتا

تھا۔خراسان اس کے باپ دادا کا وطن تھا۔وہاں اس نے بھائی بندوں کی مدد سے ایک بہت بڑا جتھا قائم کرلیا تھا۔منصور میں اتنی طاقت نہ تھی کہ اس کا مقابلہ کر سکے۔عبداللہ کو شکست دے کر ابومسلم نے خراسان چلنے کا ارادہ کیا۔منصور نے سوچا کہ ابومسلم خراسان پہنچ گیا تو پھر ہاتھ نہ آئے گا۔فوراً قاصد دوڑایا کہ تمہیں شام کا حاکم مقرر کیا جاتا ہے۔ابومسلم نے اس حکم کی پرواہ نہ کی اور خراسان کی طرف چل پڑا۔منصور نے پھر ایک چرب زبان شخص کو اس کے پاس بھیجا۔اس نے ابومسلم کو بڑے سبز باغ دکھائے اسکی بہادری اور عقل مندی کی تعریفیں کر کے کہا عباسیوں کی سلطنت کا بھرم تمہارے دم سے قائم ہے خلیفہ تمہارا بڑا احسان مند ہے اور تمہاری عزت بڑھانا چاہتا ہے۔اس لیے خراسان جانے سے پہلے ایک دفعہ ضرور مل لو۔ابومسلم اس کی باتوں میں آ گیا اور خراسان کا ارادہ چھوڑ کر منصور کے دربار کا رخ کیا۔

یہاں اس کی بڑی آؤ بھگت کی گئی۔عباسی خاندان کے شہزادے اور بڑے بڑے امیر اس کی پیشوائی کو بھیجے گئے۔جب اسے یقین ہو گیا کہ خلیفہ کے دل میں کوئی کھوٹ نہیں تو ایک دن منصور نے اسے اپنے محل میں بلوا بھیجا۔ابومسلم نے محل میں قدم رکھا تو دربانوں نے اس سے اور اس کے ساتھیوں سے ہتھیار چھین لیے یہ دیکھ کر اس کا ماتھا ٹھنکا۔لیکن کیا کرتا خلیفہ کے سامنے پہنچا تو اس کے تیور بھی بدلے ہوئے نظر آئے۔جا کر کھڑا ہی ہوا تھا کہ منصور نے اس کے جرم گنوانے شروع کر دیے۔ابومسلم برابر ان الزاموں سے انکار کرتا رہا۔اور خلیفہ کو اپنی خیر خواہ اور وفاداری کا یقین دلاتا رہا لیکن

منصور کا غصہ برابر بڑھتا گیا۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔ جب ابو مسلم کے جرم ایک ایک کر کے بیان ہو چکے تو منصور نے تالی بجائی اور محل کے غلام جنہیں پہلے ہی پردے کے پیچھے بٹھا دیا گیا تھا تلواریں سونتے نکلے۔ یہ دیکھ کر ابو مسلم کی ہمت جواب دے گئی۔ وہ خلیفہ کے قدموں میں گر پڑا۔ اور گڑگڑا کر کہنے لگا کہ حضور میری جان بخش دیجیے۔ میں آپ کے بہت کام آؤں گا۔ لیکن منصور کو رحم نہ آیا اور اس کی آنکھوں کے سامنے غلاموں نے ابو مسلم کو تکا بوٹی کر ڈالا۔

خراسان اور طبرستان کے معرکے

عبداللہ بن علی اور ابو مسلم سے نجات پا کے منصور نے اطمینان کا سانس لیا۔ سچ پوچھو تو عباسیوں کی حکومت ابو مسلم کے قتل کے دن سے شروع ہوتی ہے۔ جب اس واقعہ کی خبر خراسان پہنچی تو ہر طرف کہرام مچ گیا۔ اور لوگوں نے بغاوت کر دی۔ لیکن منصور نے آسانی سے اسے دبا دیا۔ ابھی منصور کو اس جھگڑے سے فراغت نہیں ہوئی تھی۔ کہ قسطنطنیہ کے بادشاہ نے لڑائی چھیڑ دی۔ اس نے بھی شکست کھائی۔ پھر طبرستان کے سرکشوں کو جو بار بار بغاوت کر دیتے تھے زیر کیا۔ ویلم کے علاقے کے لوگ مسلمانوں کے علاقے پر چھاپے مارتے رہتے تھے۔ انہیں بھی نیچا دکھایا۔ ان فتوحات نے منصور کی دھاک بٹھا دی۔ اور ہر طرف امن و امان ہو گیا۔

بغداد

بغداد بہت پرانا شہر ہے۔ کہتے ہیں نوشیروان جو ایران کا مشہور بادشاہ گزرا ہے اس میں گرمی کا موسم بسر کیا کرتا تھا۔ لیکن جب حکومت مسلمانوں کے ہاتھ آئی تو بغداد بالکل ویران پڑا تھا۔ اور وہاں نوشیروان کے محل کے کھنڈروں کے سوا اور کچھ نظر نہ آتا تھا۔ منصور نے اس مقام کو اپنی خلافت کا صدر مقام بنانے کا ارادہ کیا۔ اور ان کھنڈروں سے کچھ دور ہٹ کر دریائے دجلہ کے مغربی کنارے شہر کی داغ بیل ڈالی۔ یہ شہر دائرہ کی صورت کا تھا۔ اس کے گرد اگرد دوہری فصیل تھی۔ فصیل میں کئی دروازے تھے۔ اور ہر دروازے پر ایک برج بنا ہوا تھا۔ جس میں سپاہی پہرہ دیتے تھے۔ شہر کے بیچوں بیچ خلیفہ کا محل تھا اور اس ک پاس ہی جامع مسجد تھی۔ منصور کے جانشینوں نے اس شہر کی شان وشوکت کو چار چاند لگا دیے۔

بغداد کی تعمیر کا کام کئی سال جاری رہا۔ جو لوگ اس کام پر مقرر کیے گئے تھے ان میں اس زمانے کے مشہور عالم امام ابو حنیفہ بھی شامل تھے۔ تھوڑے دنوں کے بعد منصور کے بیٹے مہدی نے جو سلطنت کا ولی عہد تھا دجلہ کے مشرقی کنارے پر ایک شہر بسایا جو آگے چل کر بغداد کا ہی ایک حصہ سمجھا جانے لگا۔

محمد اور ابراہیم

ہم بیان کر چکے ہیں کہ ابو مسلم نے حضرت علیؓ کے خاندان کا نام لے کر بنی امیہ کے خلاف لوگوں کو ابھارا تھا۔ اور اکثر لوگ صرف اس خیال سے ابو مسلم کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے تھے کہ خلافت حضرت علیؓ کے خاندان کے ہاتھ میں آئے گی لیکن جب ابو مسلم نے خراسان اور عراق کو پوری طرح فتح کر لیا تو عباسیوں نے ایسے جوڑ توڑ کیے کہ حکومت ان کے قبضہ میں آ گئی۔ بعض لوگوں نے اس موقع پر حضرت علیؓ کے خاندان کے بڑے بڑے آدمیوں کو سلطنت حاصل کرنے پر ابھارنا چاہا لیکن وہ لوگ ان جھگڑوں میں پڑنا نہیں چاہتے تھے۔ صاف انکار کر دیا۔ ہم جس زمانے کا ذکر کر رہے ہیں اس میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ کے کئی پوتے پڑوتے مدینہ میں موجود تھے۔ یہ سب بزرگ سلطنت کے جھگڑوں سے بالکل الگ تھلگ رہ کر لوگوں کی دین کی تعلیم دینے میں وقت گزارتے تھے۔ لیکن منصور کو برابر یہ کھٹکا لگا ہوا تھا کہ خدا جانے یہ لوگ کب میرے خلاف بغاوت کا علم بلند کر دیں۔ اسے سب سے زیادہ خطرہ امام حسنؓ کے پڑوتے محمد سے تھا۔ بات یہ ہے کہ ابو مسلم نے خراسان میں سر اٹھایا۔ اور بنی امیہ کی لگاتار شکستوں سے لوگوں کو یقین ہو گیا کہ اب اس خاندان میں زیادہ دیر تک خلافت نہیں رہے گی۔ تو خاندان بنی ہاشم کے لوگ مدینہ میں اکٹھے ہوئے اور فیصلہ کیا کہ اپنے میں سے کسی شخص کو خلیفہ بنا لینا چاہیے سب کی نظریں محمد پر پڑتی تھیں کیونکہ وہ

بڑے نیک اور پرہیز گار تھے۔ اکثر لوگ انہیں مہدی یعنی سیدھی راہ دکھانے والا بھی کہتے تھے۔ آخر سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ان کے حق میں رائے دی اور انہیں خلیفہ چن لیا گیا۔ جن لوگوں نے محمد کے ہاتھ پر بیعت کی ان میں منصور بھی تھا اس نے اس جلسہ میں بڑے زور سے کہا تھا کہ ہم میں سے کوئی شخص محمد سے زیادہ خلافت کے قابل نہیں۔

اس واقعہ کی یاد منصور کے دل میں پھانس کی طرح کھٹک رہی تھی۔ بار بار یہی خیال آتا کہ محمد اپنے حق کے لیے ضرور لڑیں گے۔ اس نے محمد اور اس کے خاندان کے دوسرے لوگوں کی نگرانی کے لیے مدینہ میں بہت سے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ یہ جاسوس اپنی کارگزاری جتانے اور خلیفہ سے انعام لینے کی خاطر اسے جھوٹی سچی خبریں پہنچاتے اور آ آ کر کہتے تھے کہ محمد اور ان کے بھائی نے حضور کے خلاف سازش کر رکھی ہے۔ یہ باتیں سن سن کر خلیفہ نے فیصلہ کر لیا کہ محمد اور ان کے سارے رشتہ داروں کو گرفتار کر لیا جائے محمد اور ان کے بھائی ابراہیم تو کہیں روپوش ہو گئے لیکن منصور نے ان کے بوڑھے باپ عبداللہ اور حضرت عثمانؓ کے پڑوتے محمد العثمانی پر جن کی بیٹی محمد مہدی سے بیاہی ہوئی تھیں غصہ نکالا عبداللہ کو بندی خانے میں بھجوا دیا گیا اور محمد العثمانی کو کوڑوں سے اتنا پٹوایا کہ ان کا انتقال ہو گیا۔ اس خاندان کے دوسرے لوگوں پر بھی بڑے بڑے ظلم کیے گئے۔ ساتھ ہی محمد اور ابراہیم کی تلاش شروع ہوئی۔ منصور کے جاسوس چاروں طرف پھیل گئے۔ اور ملک کا چپہ چپہ چھان مارا لیکن یہ دونوں بھائی

ہاتھ نہ آئے۔

ادھر محمد نے جب اپنے بوڑھے باپ اردوسرے عزیزوں کی مصیبتوں کا حال سنا تو خون کھولنے لگا وہ خود تو مدینہ پہنچے اور ابراہیم کو یہ کہہ کر بصرہ بھیجا کہ جس دن میں مدینہ میں منصور کے خلاف جھنڈا لہراؤں تم بصرہ اور اہواز پر قبضہ کر لینا۔ اگر یہ تدبیر کارگر ہوتی تو کوئی تعجب نہیں تھا۔ کہ منصور کے ہاتھ سے خلافت نکل جاتی۔ لیکن بصرہ اور مدینہ میں شورش برپا کرنے کے لیے جو دن مقرر ہوا تھا اس دن بدقسمتی تے ابراہیم بیمار ہو گئے۔ محمد کو کوئی خبر نہیں تھی کہ بصرہ میں کیا حال ہے انہوں ے فورا مدینہ پر قبضہ کر کے اپنی خلافت کا اعلان کر دیا۔ ابتدا میں انہیں بہت کامیابی ہوئی۔ سارا مدینہ ان کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا مدینہ کے علاوہ حجاز کے دوسرے شہروں میں بھی انہیں خلیفہ تسلیم کر لیا۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے بھی جو مشہور عالم ہو گزرے ہیں ان کا ساتھ دیا۔ منصور کو خبر پہنچی تو اس نے اپنے بھتیجے عیسیٰ کو بہت بڑی فوج دے کر محمد سے لڑنے بھیجا۔ ان کے پاس تھوڑی سی فوج تھی۔ اسے ساتھ لے کر مقابلہ پر بڑھے۔ لیکن منصور کی فوج کے سامنے اس لشکر کی کیا بساط تھی؟ محمد نے جب دیکھا کہ کامیابی کی کوئی امید نہیں تو لشکر میں پکار کر کہہ دیا کہ جو لوگ اپنی جانیں اور اپنے بال بچوں کی جانیں بچانا چاہتے ہیں اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں یہ سن کر بہت سے لوگ محمد کا ساتھ چھوڑ کر چل گئے۔ صرف تین سو جان بازوں نے محمد کا ساتھ دیا۔ محمد انہیں لے کر دشمن کی فوج پر بجلی کی طرح ٹوٹ پڑے اور اس بہادری سے مقابلہ کیا کہ دشمن بھی بے

اختیار واہ واہ پکار اٹھے۔ آخر سب کے سب اپنی جانوں پر کھیل گئے۔ کہتے ہیں اس لڑائی میں محمد کی تلوار نے ایک سو بہادروں کو موت کے گھاٹ اتارا۔

ادھر ابراہیم نے بصرہ میں بڑی بھاری فوج جمع کر لی تھی۔لیکن وہ جنگ کے لیے پوری طرح تیار نہیں ہوئے تھے کہ قاصد نے محمد کے قتل کی خبر سنائی۔ یہ سنتے ہی وہ بھی لڑنے مرنے پر تل گئے منصور نے ان کے مقابلے پر کئی فوجیں بھیجیں لیکن اس بہادر نے سب کو مار بھگایا۔ آخر عیسیٰ کو ان کے مقابلہ پر بھیجا گیا۔ دریائے فرات کے کنارے بڑا معرکہ ہوا۔عباسیوں کی فوج نے پیٹھ دکھائی ابراہیم اگر ان کا پیچھا کرتے تو دشمن کے پاؤں کبھی نہ جمتے۔لیکن انہوں نے ہارے ہوئے دشمن پر حملہ کرنا بہادری کے قاعدہ کے خلاف سمجھا اور رک گئے۔ بھاگنے والوں نے انہیں رکا ہوا دیکھا تو پھر پلٹ پڑے۔اور اس زور سے ابراہیم کے لشکر پر جا پڑے کی ہر طرف کھلبلی مچ گئی۔عین لڑائی میں ابراہیم کو ایک تیر ایسا لگا کہ انہوں نے گر کر دم توڑ دیا یہ دیکھ کر ان کی فوج بھاگ نکلی۔ کہت ہیں کہ جب ابراہیم کا سر منصور کے پاس پہنچا تو اس نے اسے ابراہیم کے بوڑھے باپ کے پاس بھجوا دیا۔ جوان بیٹے کا سر دیکھ کر عبداللہ کے دل پر چھریاں چل گئیں لیکن اس ہمت والے نے ضبط کرے قاصد سے کہا جاؤ اپنے آقا سے کہہ دو تیرے اقبال کے دنوں کی طرح ہماری مصیبت کے دن بھی گزر جانے والے ہیں۔ اور ہم دونوں سب سے بڑے حاکم کے پاس حاضر ہونے والے ہیں۔ جو تیرے اور ہمارے درمیان فیصلہ کرے گا۔ کہتے ہیں منصور نے جب یہ پیغام سنا تو وہ تھر تھر کانپ

اٹھا اور اس کے چہرے پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں

مدینہ اور بصرہ کے جن لوگوں نے محمد اور ابراہیم کا ساتھ دیا تھا منصور نے انہیں سخت سزائیں دیں۔ بصرہ کے بعض نامور لوگوں کو قتل کروا دیا۔ ان کے گھر کھدوا ڈالے۔ حضرت علیؓ کے خاندان کے لوگوں کی جائدادیں ضبط کر لی گئیں۔ امام ابو حنیفہؒ کو قید کی سزا دی گئی۔ اور امام مالک کو کوڑوں سے پٹوایا گیا۔ جو لوگ منصور کی سلطنت کا تختہ الٹنے کے منصوبے بنا رہے تھے اس ظلم وستم نے ان کے حوصلے توڑ ڈالے۔ پھر بھی کہیں کہیں شورشیں ہوتی رہیں، جنہیں منصور نے اپنی ہمت اور تدبیر سے دبا دیا۔

عبدالرحمٰن

ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب حکومت پر عباسیوں کا قبضہ ہوا تو خاندان بنی امیہ کے بچے بوڑھے اور نوجوان سب چن چن کر قتل کر ڈالے گئے۔ البتہ اس خاندان کا ایک شہزادہ عبدالرحمٰن کسی طرح جان بچا کر بھاگ نکلا تو مدتوں عباسیوں کی تلوار سے ڈر کر چھپا رہا۔ جب دیکھا کہ باپ دادا کے وطن میں رہنا مشکل ہے تو بھیس بدل کر بھاگا اور بربر کے علاقے میں جا پہنچا۔ وہاں کے ایک خانہ بدوش قبیلوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور مدت تک ان کی مہمان نوازی کے سہارے زندگی بسر ہوتی رہی۔ آخر بربر میں بیکار بیٹھے بیٹھے طبیعت اکتا گئی جی نے کہا کہ یہاں پڑے رہنے سے بہتر ہے کہ ہسپانیہ چل کر قسمت آزمائیں۔ وہاں ابھی تک اس خاندان کے کچھ نام لیوا موجود

ہیں۔ انہیں جب معلوم ہوا کہ بنی امیہ کے خاندان کا ایک شہزادہ خانہ بدوش بربری قبیلوں میں زندگی کے دن کاٹ رہا ہے تو پرچے پیغام دوڑائے کہ آپ ادھر کا ارادہ کریں تو ہم آسانی سے اس ملک کی حکومت پر قبضہ کرا دیں گے۔ اس نے بے وطنی میں اتنا سہارا غنیمت سمجھا اور ہسپانیہ پہنچا۔ وہاں کے لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جدھر رخ کیا اقبال نے قدموں کو بوسہ دیا۔ ہسپانیہ کے حاکم نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھا کر مارا گیا اور عبدالرحمٰن نے اس ملک کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔

ایک دن منصور دربار لگائے بیٹھا تھا۔ سارے امیر و وزیر حاضر تھے۔ اتنے میں ایک کٹا ہوا سر اس کے سامنے آ کر گرا۔ منصور حیرت سے اچھل پڑا کیونکہ یہ ہسپانیہ کے حاکم یوسف کا سر تھا۔ اس کے ساتھ ایک کاغذ کا پرزہ تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ عبدالرحمٰن نے یوسف کو قتل کر کے ہسپانیہ پر قبضہ کر لیا۔ چلا کے کہا کہ کس بے ادب نے ہمارے دربار میں یہ گستاخی کی ہے اسے جلد تلاش کر کے لاؤ سپاہی دوڑے محل کا کونا کونا چھان مارا۔ پہرہ داروں سے پوچھ گچھ ہوئی لیکن سر پھینکنے والے کا کوئی سراغ نہ ملا۔ سارا دربار اچنبھے میں تھا۔ بڑے بڑے سردار انگلیاں دانتوں میں دبائے کھڑے تھے۔ لیکن کوئی بات سمجھ میں نہ آتی تھی۔ منصور عبدالرحمٰن کی جرات اور ہمت پر حیران تھا اور بار بار کہتا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ سمندر نے مجھے عبدالرحمٰن سے جدا کر رکھا ہے۔ اس واقعہ کا ہی نتیجہ ہوا کہ منصور نے کبھی ہسپانیہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ نہیں کیا اور عبدالرحمٰن بے کھٹکے اس ملک پر حکومت کرنے لگا۔

منصور کی وفات

منصور نے اپنی سلطنت کو اندر اور باہر کے خطروں سے پاک کرنے میں بڑی محنت کی تھی۔ صحت پر اس کا بہت برا اثر پڑا۔ اور جینے کی کوئی آس نہ رہی تو اپنے بڑے بیٹے مہدی کو جو سلطنت کا ولی عہد تھا بلا بھیجا۔ اسے حکمرانی اور فرمانروائی کے متعلق بہت ہی کارآمد نصیحتیں کیں۔ پھر دوسرے عزیزوں کو بلایا اور ان سب سے رخصت ہو کر ارادہ کیا کہ اپنی عمر کے آخری دن مکہ میں بسر کرے، لیکن راستہ میں موت نے آ لیا۔ اور بیر میمونہ میں انتقال کیا۔

منصور نے بائیس سال کی حکومت کی سچ تو یہ ہے کہ عباسیوں کی حکومت کا آغاز ہی اس کی خلافت سے ہوتا ہے۔ سفاح اسی زمانے میں بنی عباس کی حکومت برائے نام تھی۔ ان کے پردہ میں ابومسلم حکومت کر رہا تھا۔ منصور نے جب خلافت کی عنان سنبھالی تو اندر باہر دشمن ہی دشمن تھے۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس خاندان میں سلطنت زیادہ دیر تک نہیں رہ سکے گی لیکن اس ہمت والے نے سارے دشمنوں کو زیر کر کے ایسی مضبوط حکومت کی داغ بیل ڈالی جو سیکڑوں سالوں تک قائم رہی۔

منصور کو عیش وعشرت سے رغبت نہیں تھی۔ سارا وقت سلطنت کے کاموں کی طرف دیکھ بھال میں صرف کرتا تھا۔ نور کے تڑکے اٹھتا نماز پڑھتا پھر حکم احکام جاری کرتا تیسرے پہر تک دربار لگا رہتا پھر اٹھ کر محل میں چلا جاتا۔ اور باقی وقت بیوی

بچوں میں گزارتا۔ شام کی نماز کے بعد پھر دربار لگتا۔ امیر وزیر حاضر ہوتے ان کے مشورے سے اہم فیصلے کیے جاتے۔

اس کے انصاف کی یہ حکایت مشہور ہے کہ ایک دفعہ چند شتربان مدینہ کے قاضی کے پاس پہنچے۔ اور عرض کی کہ خلیفہ کے ذمے ہمارا بہت کچھ نکلتا ہے۔ لیکن ہم ڈر کے مارے بول نہیں سکتے۔ آپ ہو سکے تو ہمارا حق دلوائیے۔ قاضی نے منصور کو بلا بھیجا۔ وہ خود حاضر ہوا۔ قاضی تعظیم کو نہیں اٹھا۔ اور دونوں طرف کے بیان سن کر شتربانوں کے حق میں فیصلہ کیا۔ منصور قاضی سے بہت خوش ہوا۔ شتربانوں کی کوڑی کوڑی ادا کی پھر ایک موقع پر قاضی کو اشرفیوں کی ایک تھیلی انعام کے طور پر بھجوادی۔

منصور بڑا کفایت شعار خلیفہ تھا۔ روپیہ پیسہ خرچ کرنے میں بڑی احتیاط برتتا تھا لیکن جہاں روپیہ خرچ کرنے کی ضرورت ہوتی وہاں جی کھول کر خرچ کرتا تھا۔ بغداد میں اس نے جو عمارتیں بنوائیں ان میں بہت روپیہ خرچ ہوا تھا۔ موت سے پہلے مہدی کو بلایا اور کہا کہ میں اتنا روپیہ چھوڑے جاتا ہوں جسے تم مشکل سے کہیں دس سال میں خرچ کرسکو گے۔

منصور میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ اپنے دشمنوں سے کوئی رعایت نہیں کرتا تھا۔ اور اکثر وعدہ کر کے پھر جاتا تھا۔ اس نے ابومسلم کو جس طرح دم دلاسا دے کر بلایا تھا اور پھر جس طرح قتل کیا اسکا حال تم پڑھ چکے ہو۔ اس کی زندگی میں ایسے اور بھی کئی واقعات کا ذکر ہے۔

منصور کے امیروں اور وزیروں میں کئی قابل اور نامور شخص ہو گزرے ہیں۔ خالد برمک جس کی اولاد نے آگے چل کر بڑی عزت اور شہرت حاصل کی منصور کے وزیروں میں تھا۔ اس کے زمانے کا ایک اور مشہور امیر معن بن زائدہ تھا۔ جس نے بڑے معرکے سر کیے۔ حاتم کی طرح معن کا نام بھی سخاوت کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ یہ شخص عجیب طریقہ سے منصور کے دربار میں پہنچا۔ وہ پہلے بنی امیہ کا طرف دار تھا۔ جب بنی امیہ کے ہاتھ سے خلافت نکل گئی تو معن جان کے خوف سے بھاگا اور مدتوں چھپتا پھرا۔ ایک مرتبہ چھ سو خراسانی ابو مسلم کے خون کا بدلہ لینے دارالخلافہ میں گھس آئے اور مارتے دھاڑتے خلیفہ کے محل کے سامنے جا پہنچے۔ انبار میں تھوڑی سی فوج تھی منصور اسے لے کر مقابلہ پر نکلا کہ ایک شخص نے بڑھ کر رکاب تھام لی۔ اور کہا کہ آپ جایئے میں ان سے سمجھ لوں گا۔ ادھر خراسانیوں نے منصور کو دیکھا تو اسے گھیر لیا۔ لیکن اس شخص نے سپاہیوں کو سمیٹ کر انہیں روکا اور اس بہادری سے لڑا کہ سب خراسانی بھاگ نکلے۔

جنگ ختم ہو چکی تھی تو منصور نے اس بہادر کو بلایا اور نام پوچھا۔ جواب ملا معن بن زائدہ۔ خلیفہ یہ بات سن کر سناٹے میں آ گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ جس شخص کی گرفتاری کے لیے انعام مقرر ہے وہ اس بہادری سے میرے محل کے سامنے پھر سکتا ہے۔ منصور نے اسے بہت سا روپیہ انعام دے کر یمن کا حاکم مقرر کر دیا۔

☆☆☆

چھٹا باب

مہدی اور ہادی

مہدی

منصور کے بعد خلافت کا حق اس کے بھتیجے عیسیٰ کو پہنچتا تھا۔ لیکن منصور نے اپنے بڑے بیٹے محمد کو جس کا لقب مہدی تھا اپنا جانشین مقرر کرنا چاہا تھا۔ اس نے عیسیٰ پر دباو ڈال کر اسے اس بات پر رضامند کر لیا کہ پہلے مہدی خلیفہ بنے اور پھر اسکی باری آئے گی۔ مہدی نے خلافت کی مسند پر قدم رکھتے ہی اکثر قیدیوں کو رہا کر دیا۔ جن لوگوں کی جائدادیں منصور نے ضبط کر لی تھیں وہ سب انہیں واپس کر دیں۔ مکہ کے راستے میں جگہ جگہ قافلوں کے ٹھہرے کے لیے سرائیں بنوائیں' کنوئیں کھدوائے اور ان کے ساتھ حوض بنوائے جو ہمیشہ پانی سے بھرے رہتے تھے۔ مدینہ' یمن اور عراق میں ڈاک کا سلسلہ قائم کیا۔ اکثر پرانی سڑکیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ ان کی مرمت کرائی۔ اس نے بنی امیہ کے خاندان کے اکثر لوگوں سے بھی بہت اچھا سلوک کیا۔ مسلمہ خاندان بنی امیہ کا ایک مشہور شہزادہ تھا۔ جس نے رومیوں کو بڑی شکستیں دی تھیں۔

مہدی رومیوں سے لڑنے چلا تو راستہ میں مسلمہ کے محل کے پاس سے گزر ہوا۔ اسی وقت مسلمہ کے خاندان کے لوگوں کو بلایا اور ان کے وظیفے مقرر کر دیے۔

مہدی اپنی بیوی خیزران کا کہا بہت مانتا تھا سلطنت کے اکثر فیصلے اس کے مشورے سے ہوتے تھے۔ محل میں اسکا دربار الگ لگتا تھا۔ سارے امیر باری باری سلام کو حاضر ہوتے تھے۔ ایک مرتبہ بنی امیہ کی ایک شہزادی مزنہ بدن پر چیتھڑے لٹکائے مایوسی اور غم کے عالم میں خیزران کے محل میں جا پہنچی۔ اس نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نئے کپڑے پہنائے اپنے ساتھ کھانا کھلایا پھر اپنے محل کے پاس ایک مکان اس کے لیے خالی کر کے اس کی خدمت کے لیے بہت سے نوکر چاکر مقرر کر دیے۔ مہدی کو معلوم ہوا تو خیزران کی اس نیکی پر بہت خوش ہوا۔ اور مزنہ کو بہت سا روپیہ بھجوا دیا۔ مزنہ جب تک جیتی رہی عباسی خاندان کے شہزادے اور شہزادیاں ابزرگوں کی طرح اس کا ادب کرتے رہے۔

مقنع خراسانی

مہدی کے زمانے میں خراسان کے ایک شخص ہاشم بن حکیم نے بڑا فسادا اٹھایا۔ اور ہزاروں مسلمانوں کو گمراہ کیا۔ یہ شخص کہتا تھا کہ خدا کبھی کبھی انسانوں کے لباس میں ظاہر ہوتا ہے۔ جتنے بڑے بڑے پیغمبر گزرے ہیں ان کے جسم میں خدا کی روح تھی۔ آخری زمانے میں خدا کے نور نے ابو مسلم بن کر ظہور کیا۔ اور مجھ میں بھی اسی نور کا جلوہ

ہے۔ ہاشم بڑا بد صورت شخص تھا۔ لوگوں سے صورت چھپانے کے لیے چہرے پر ایک سنہری نقاب ڈالے رکھتا تھا۔ اسی لیے وہ مقنع یعنی نقاب پوش کے نام سے مشہور ہے۔ کہتے ہیں کہ مقنع نے ایک مصنوعی چاند بنایا تھا جس کی روشنی دور دور تک پہنچتی تھی۔ اس چاند کو دیکھ کر سیدھے سادھے لوگ اس کے جال میں آسانی سے آ جاتے تھے۔ اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اس نے کسی کنوئیں کی تہ میں پارے سے بھرا ہوا ایک طشت رکھ چھوڑا تھا اس میں کوئی ایسی ترکیب رکھ دی تھی کہ جب اسے ہلاتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کنوئیں میں سے آہستہ آہستہ چاند ابھر رہا ہے۔ مہدی کو جب یہ خبر پہنچی کہ مقنع نے زور پکڑ لیا ہے تو اس نے ایک بہادر سردار کو بہت سی فوج دے کر اس کے مقابلہ پر بھیجا۔ مقنع اپنے ساتھیوں کو لے کر ایک قلعہ میں جا پہنچا۔ مسلمانوں نے اس قلعہ کو گھیر لیا۔ جب مقنع نے دیکھا کہ اس کی اب جان نہیں بچ سکتی تو پہلے اپنے ساتھیوں کو زہر گھول کر پلا دیا۔ پھر خود زہر پی کر جان دے دی۔ اسلامی سپہ سالار جب قلعہ کا پھاٹک کھول کر اندر پہنچا تو دیکھا کہ ہر طرف لاشیں ہی لاشیں پڑی ہیں۔

مقنع کا فتنہ تو مٹ گیا لیکن بہت سے ایرانی جن میں کچھ ابو مسلم کے ساتھی اور کچھ مقنع کے پیرو کار تھے چپکے چپکے لوگوں میں مقنع کے خیالات پھیلانے اور خلقت کو گمراہ کرنے لگے۔ ان لوگوں کو اس زمانے میں زندیق کہتے تھے۔ مہدی زندیقوں کا بہت بڑا دشمن تھا۔ جہاں اسے کوئی زندیق ملتا اسے فوراً مروا ڈالتا۔

رومیوں سے لڑائیاں

مہدی کے زمانے میں رومیوں سے کئی لڑائیاں ہوئیں۔ایک دفعہ خود مہدی نے فوج لے کران پر چڑھائی کر دی اور ان کے بہت سے قلعوں پر قبضہ کر کے لوٹا۔ دو سال بعد اپنے چھوٹے بیٹے ہارون الرشید کو ایک لاکھ فوج دے کر بھیجا۔اس زمانے میں قسطنطنیہ پر ایک عورت حکمران تھی۔اسنے خراج دینا قبول کیا۔اور صلح ہو گئی۔سال بھر کے بعد پھر رومیوں نے سر اٹھایا مہدی نے ایک سردار کو بھیجا اس نے رومیوں کو کئی لڑائیوں میں شکست دی اور بہت سے قلعے فتح کر کے لوٹا۔

مہدی کی وفات

مہدی نے دس سال تک حکومت کر کے ۱۶۹ ہجری میں انتقال کیا۔وہ بڑا نیک اور پرہیز گار خلیفہ تھا۔لوگ بے روک ٹوک اس کے پاس جا کر عرضیاں پیش کرتے تھے اور سب سے انصاف کیا جاتا تھا۔اس کی نظروں میں اپنے اور پرائے ایک جیسے تھے۔ اس پر سب سے بڑا الزام یہ ہے کہ اس نے بھی عیسیٰ پر جسے منصور نے اس کا جانشین مقرر کیا تھا بہت سختیاں کیں اور ایسا دباؤ ڈالا کہ آخر اس بچارے نے خلافت کے دعوے سے ہاتھ اٹھالیا۔مہدی نے اس کی جگہ اپنے دونوں بیٹوں ہادی اور ہارون الرشید کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

ہادی

ہادی جس کا اصل نام موسیٰ تھا مہدی کا بڑا بیٹا تھا۔اس لیے پہلے وہی خلافت کی مسند پر بیٹھا۔ہادی اپنے باپ کی طرح بڑا سخی اور بہادر اور عالموں فاضلوں کا قدردان تھا۔اس نے حکم دے رکھا تھا کہ کسی شخص کو میرے دربار میں آنے سے نہ روکا جائے۔ لیکن ان خوبیوں کے ساتھ وہ کسی قدر ضدی بھی تھا۔ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ہادی کی ماں خیزران سلطنت کے اکثر کاموں میں دخل دیتی تھی۔اس کا دربار الگ لگتا تھا۔ سارے امیر وزیر اس کے سلام کو حاضر ہوتے اور اس کے منہ سے جو بات نکل جاتی اسے پتھر کی لکیر سمجھا جاتا تھا۔ہادی نے جب دیکھا کہ میری خلافت کا تو نام ہی نام ہے ۔اصل میں میری ماں ملک پر حکومت کر رہی ہے تو اس نے ایک دن بھرے دربار میں کہہ دیا کہ آئندہ جو شخص محل میں قدم رکھے گا اس کی جائیداد ضبط کر لی جائے گی۔پھر اٹھ کر محل میں گیا اور وہاں سے کہا کہ کہ تم اپنا نماز روزہ میں گزارو یا چرخہ کاتو۔ سلطنت کے کام کاج سے تمہیں کوی تعلق نہیں رکھنا چاہیے۔اب ہادی جو ساری کام انجام دینے لگا۔

ہادی کے زمانے میں مدینہ کے حاکم نے حضرت علیؓ کے خاندان سے بعض لوگوں سے برا سلوک کیا۔ان میں سے ایک شخص حسین بن علی نے جو امام حسنؓ کے پڑوتے تھے ۔تھوڑی سی فوج جمع کر کے مدینہ پر قبضہ کرلا۔ہادی نے ایک سردار کو ان کے

مقابلے پر بھیجا۔ حسین بن علی اور ان کے ساتھی مارے گئے صرف ان کے خاندان کے دو آدمی ادریس بن عبداللہ اور یحییٰ بن عبداللہ بھاگ نکلے۔ ادریس نے افریقہ جا کر بربریوں کی مدد سے سلطنت قائم کی اور ادریسی خاندان کی بنیاد ڈالی۔

مہدی نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے بعد ہادی اور اس کے بعد ہارون کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔ لیکن ہادی خلافت سنبھالتے ہی ہارون کی جگہ اپنے بیٹے جعفر کو اپنا جانشین بنانے کی کوشش کرنے لگا۔ اور ہارون پر سختیاں ہونے لگیں۔ خیزران ہارون کی طرف دار تھیں۔ لیکن ہادی نے اسے بھی بالکل بے بس کر دیا۔ اس کے ہاں امیروں اور وزیروں کا آنا جانا بالکل بند ہو گیا۔ سلطنت کے کاروبار میں اس کا کوئی دخل نہ رہا۔ آخر ہارون نے بھائی کے ظلم سے تنگ آ کر ارادہ کر لیا کہ حکومت سے ہاتھ اٹھائے اور سارے جھگڑوں سے الگ رہ کر زندگی بسر کرے۔ لیکن خالد برمکی کے بیٹے یحییٰ برمکی نے جو دل سے اس کا خیر خواہ تھا اسے سمجھایا بجھایا اور کہا کہ اگر آپ نے اپنا حق چھوڑ دیا تو بڑے فتنے پیدا ہوں گے۔ اس کے مشورہ سے ہارون نے ہادی سے شکار کی اجازت مانگی۔ اور چالیس دن تک بغداد کا رخ نہ کیا۔ ہادی اسے بلانے کے لیے بار بار قاصد بھیجتا رہا اور ہارون انہیں ٹال دیتا تھا۔ ادھر دربار میں طرح طرح کی خبریں اڑنے لگیں۔ امیروں نے ہادی کے کان بھرنے شروع کر دیے۔ کہ ہارون چپکے چپکے بغاوت کی تیاریاں کر رہا ہے۔ شہر میں بھی افواہیں مشہور ہونے لگیں۔ ہادی نے یحییٰ پر سختی کرنی شروع کی۔ خدا جانے بھائیوں کے اس جھگڑے کا کیا انجام ہوتا

لیکن موت نے اس کا جلد فیصلہ کر دیا۔ یعنی ہادی اچانک بیمار ہو گیا۔ اور تین دن بیمار رہ کر وفات پائی کہتے ہیں کہ ہادی کا آخری وقت آ پہنچا۔ تو اس نے اپنی ماں کو بلا بھیجا۔ اپنی گستاخیوں کی معافی چاہی۔ اور کہا کہ میرے بعد ہارون کو خلیفہ مقرر کیا جائے۔

ہادی کا انتقال ۱۷۰ ہجری میں ہوا۔ موت کے وقت اس کی عمر چھبیس سال کی تھی۔

☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

ساتواں باب

ہارون الرشید

جب ہارون الرشید نے خلافت کے تخت کو رونق بخشی تو اس کی عمر صرف پچیس سال کی تھی ۔لیکن نوجوانی میں ہی اس کی قابلیت کی دھاک سارے ملک میں بیٹھ چکی تھی ۔ہارون نے خلیفہ ہوتے ہی یحیی برمکی کو جس کی دانائی سے ہارون کو خلافت ہاتھ آئی تھی ۔وزیر مقرر کر کے سلطنت کے سیاہ و سپید کا مالک بنا دیا۔ ملکہ خیزران پھر سلطنت کے کاموں میں حصہ لینے اور اپنے بیٹے کا ہاتھ بٹانے لگی ۔

ہارون الرشید عباسی خاندان کا سب سے بڑا خلیفہ سمجھا جاتا ہے اور سچ پوچھو تو دنیا میں ایسے بادشاہ کم نکلیں گے جنہیں ہارون جیسی شہرت اور ناموری نصیب ہوئی ۔اس کے زمانے کو بارہ سو سال ہو چکے ہیں پھر بھی اس کا نام بچے بچے کی زبان پر چڑھا ہوا ہے ۔لوگوں نے اس کے نام پر قصے جوڑے کہانیاں بنائیں ۔الف لیلہ کی داستانوں کا سارا لطف اسی فرمانروا کے ذکر سے ہے ۔لیک الف لیلی کے قصے بے اصل کہانیاں اور فرضی داستانیں ہیں۔ ہاں انہیں پڑھ کر ہماری آنکھوں کے سامنے بغداد کے دربار کی شان وشوکت کا نقشہ ضرور کھنچ جاتا ہے ۔

ہارون کے زمانہ کا بغداد

ہارون کے زمانے میں بغداد نے بڑی ترقی کی اس شہر کی شکل دائرہ کی سی تھی ۔شہر کے گرد اونچی اونچی دیوار کھچی ہوئی تھی ۔ دیوار کے ساتھ خندق ۔منصور نے اس میں لوہے کے چار بھاری پھاٹک بنوائے تھے۔لیکن ہارون کے زمانے میں کئی نئے پھاٹک بنے ۔نئے محلے آباد ہوئے ۔بڑے بڑے امیروں اور سرداروں نے عمر بھر کی کمائی خرچ کر کے محل بنوائے ۔پہلے یہ شہر صرف دجلہ کے کنارے بائیں پر آباد تھے۔ لیکن مہدی نے دہنے کنارے پر ایک نیا شہر بنایا۔ جو بغداد کا ایک حصہ ہی سمجھا جانے لگا۔ دریا کے کنارے آمنے سامنے تک باغ اور باغیچے خوشنما حویلیاں اور محل پھیلتے چلے گئے تھے ۔دریا میں جگہ جگہ سنگ مرمر کے گھاٹ بنے ہوئے تھے ۔رات دن کشتیاں چلتی تھیں۔جن پر چھوٹے چھوٹے جھنڈے لہراتے نظر آتے تھے۔راتوں کو روشنی کا عکس لہروں میں ہلکورے لیتا نظر آتا اور عجب بہار ہوتی تھی ۔

خلیفہ کا محل شہر کے درمیان تھا۔اس کے گرد بھی فصیل کھچی تھی ۔اس فصیل کے علاوہ درختوں کی ایک فصیل نے محل کو اپنی گود میں لے رکھا تھا محل کے گرداگرد باغوں اور باغیچوں کا کوئی شمار نہ تھا۔جن میں جگہ جگہ حوض بنے ہوئے تھے۔ان حوضوں میں کہیں پانی آبشار بنا کر گرتا تھا' کہیں فوارے اچھلتے تھے خلیفہ کے محل پر سبز رنگ کا ایک عالیشان گنبد تھا۔اس گنبد پر جو میلوں سے نظر آتا تھا ایک سوار کا بت تھا۔جس کے ہاتھ میں

ایک لمبا برچھا تھا۔گھوڑے کے تیوروں سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ابھی سوار سمیت اڑا چاہتا ہے۔

بغداد کے اکثر مکان سنگ مرمر کے تھے۔ ہر مکان کی کئی کئی منزلیں تھیں۔ دروازوں اور دریچوں پر اطلس اور مخمل کے پردے پڑے ہوئے تھے۔فرش پر ایرانی قالین جن کی پھول پتیوں میں بہار کے نقشے میزوں پر چینی کے مرتبان۔خلیفہ کے محل میں سنگ مرمر پر سنگ سرخ کا حاشیہ جگہ جگہ پر جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ یہاں سب سے عجیب ایک درخت تھا جو سارے کا سارا خالص سونے سے بنایا گیا تھا۔اس کی شاخوں پر رنگارنگ پرندے بیٹھے تھے۔کسی کی آنکھوں میں لعل جڑے تھے۔کسی کی چونچ زمرد کی تھی۔اور پر ہیرے کے۔محل کے درمیان ایک وسیع ایوان جس پر پرستان کا دھوکا ہوتا تھا اس کی دیواروں اور چھت میں جواہرات ہی جواہرات جڑے ہوئے ھتے۔چھت میں شمعدان لٹک رہے تھے۔جن میں کافوری شمعیں جلتی تھیں۔ یہ شمعدان بھی ہیرے پنے پکھراج اور نیلم کے بنے ہوئے تھے۔شمعوں کی روشنی میں جواہرات اس طرح جگمگاتے تھے ک دیکھنے والوں کی آنکھیں میں چکاچوند پیدا ہو جاتی تھی۔محل کے پاس ہی مسجد تھی جسے بنانے میں بڑے بڑے ہنر مندوں نے اپنا کمال دکھایا تھا۔

دجلہ کی آبادی بیس لاکھ سے اوپر تھی۔سمندر اور خشکی کے راستے ملکوں کا سامان تجارت آتا جا۔بازار ہر قسم کے مال سے بھرے پڑے تھے۔برے بڑے عالم فاضل

اور ہر فن کے کامل دور دور سے کھنچ کر بغداد پہنچے اور ہارون الرشید اور اس کے امیروں کی قدر دانی کی بدولت امن کی زندگی بسر کرنے لگے۔ دریا کے دونوں کناروں پر مسجدوں مکتبوں اور حماموں کی کثرت تھی۔ گلی کوچے کشادہ اور روشن‘ جگہ جگہ پولیس کے سپاہی کھڑے انتظام کرتے تھے۔ کہ رات پر دن کا دھوکہ ہوتا تھا غرض اس زمانے میں بغداد کی ٹکر کا کوئی شہر دنیا کے پردے پر موجود نہیں تھا۔

برمکی خاندان

ہارون الرشید کے اقبال اور بغداد کی شان و شوکت کی کہانی برمکی خاندان کی داستان کے بغیر ادھوری رہ جاتی ہے۔ اس خاندان کی ابتدا خالد برمکی سے ہوئی تھی۔ اس کے باپ دادا بدھ مذہب کے پیشوا تھے۔ جب مسلمانوں کے قدم ترکستان میں پہنچے تو وہاں کے بہت سے لوگوں نے اپنے بزرگوں کا مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ ان میں خالد بھی تھا۔ جب عباسیوں کے ہاتھ سلطنت آئی تو خالد کا ستارا چمکا اور اس کا شمار منصور کے بڑے بڑے امیروں میں ہونے لگا۔ اس کے بیٹے یحییٰ نے ہارون کو خلافت کی مسند پر بٹھانے کے لیے بڑا زور مارا۔ جب ہارون خلیفہ ہوا تو اس نے یحییٰ کو وزیر اعظم بنا دیا۔ اور اس کے بیٹوں کو سلطنت میں بڑے بڑے عہدے دیے گئے۔

یحییٰ کے چار بیٹے تھے۔ فضل‘ جعفر‘ محمد اور موسیٰ۔ ان میں فضل سب سے بڑا تھا۔ ہارون اور فضل دونوں ساتھ کھیلے ہوئے تھے۔ اور بچپن کے دوست تھے۔ ہارون نے

فضل کی ماں کا دودھ پیا تھا۔ اور ملکہ خیزران نے فضل کو دودھ پلایا تھا۔ ہارون نے خلیفہ بننے کے بعد فضل کو خراسان کا حاکم مقرر کیا۔ اس نے آس پاس کے سرداروں کو جو شورش کرتے رہتے تھے ایسا دبایا کہ انہیں پھر سر اٹھانے کی جرات نہ ہوئی۔ سارے خراسان میں جگہ جگہ لنگر خانے اور مسجدیں بنوائیں۔ سال بھر کے بعد بغداد واپس آیا تو بیس ہزار خراسانی ساتھ تھے۔ اس کے آنے پر بغداد میں بڑی خوشیاں منائی گئیں۔ خلیفہ بڑے بڑے شہزادوں اور امیروں کو ساتھ لے کر اس کی پیشوائی کو گیا اور اسے وزیر بنایا۔

یحیی کا دوسرا بیٹا جعفر ہارون الرشید کا خاص مصاحب تھا۔ ایک دفعہ شام کے قبیلوں میں کچھ ایسے جھگڑے شروع ہوئے کہ ملک کا امن وامان خطرے میں پڑ گیا۔ خلیفہ نے جعفر کو بھیجا اس نے لوگوں کو سمجھا بجھا کر آپس میں صلح کرا دی اور جو لوگ اس قسم کے فتنے اٹھاتے رہتے تھے انہیں سزائیں دیں۔ جعفر محل کا داروغہ تھا خلیفہ کی مہر بھی اس کے پاس رہتی تھی۔ جعفر اور فضل کا چھوٹا بھائی موسیٰ بڑا بہادر سپاہی اور تجربہ کار جرنیل تھا۔ محمد اس سے چھوٹا تھا۔ اسے بھی فوج سے ایک اعلیٰ عہدہ ملا ہوا تھا۔ یہ چاروں بھائی اور ان کا باپ ایسے سخی تھے کہ تاریخ کی کتابوں میں ان کے حالات پڑھو تو حاتم طائی کی سخاوت کی کہانیاں بے مزہ معلوم ہوتی ہیں۔ بغداد کے سارے عالم فاضل اور شاعر برمکیوں کے ہاں سے وظیفے اور انعام پاتے تھے۔ کوئی بھوکا ننگا ان کے ہاں پہنچ جاتا تو اتنا روپیہ پیسہ سمیٹ لیتا جو سات پشتوں تک اس کے کام آتا۔ آخر اس

خاندان پر ایسی آفت آئی کہ اس کی ساری شان وشوکت مٹ گئی یہ کہانی ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔

کہتے ہیں کہ ہارون الرشید کے جانشین مامون الرشید کی خلافت کے زمانے میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ جس جگہ برمکی خاندان کے محلوں کے کھنڈر پڑے ہیں وہاں ہر رات رونے کی آواز سنائی دیتی ہے۔ مامون نے اپنے دو مصاحبوں کو اس بھید کی ٹوہ میں بھیجا۔ وہ جا کے کھنڈروں میں چھپ گئے۔ جب رات کا اندھیرا ہر طرف چھا گیا تو روشنی سی دکھائی دی اور کیا دیکھتے ہیں کہ دو غلام ایک کرسی اٹھائے ہوئے ہیں ان کے پیچھے ایک بڈھا ہے جس کی پیٹھ جھکی ہوئی ہے اور بڑی مشکل سے لاٹھی کے سہارے چلتا ہے۔ غلاموں نے کرسی بچھا دی اور وہ بڈھا اس پر بیٹھ گیا۔ پہلے برمکی خاندان کی تعریف میں شعر پڑھے اور پھر چیخیں مار مار کر رونے لگا۔ رات بھر یہی حال رہا۔ وہ کبھی یحیی کو یاد کرتا کبھی فاضل ارو جعفر کو اور کبھی موسیٰ اور محمد کو۔ صبح کے وقت جب اس نے چلنے کا ارادکیا تو مامون کے مصاحبوں نے اسے پکڑ لیا اور اسے خلیفہ کے سامنے پہنچا دیا۔ مامون نے پوچھا تم برمکی خاندان کے کھنڈروں پر کیوں روتے ہو؟ اس نے جواب دیا امیر المومنین برمکی خاندان نے مجھ پر ایسے ایسے احسان کیے ہیں جنہیں میں کبھی نہیں بھلا سکتا۔ اجازت ہو تو میں اپنی داستان بیان کروں۔

مامون کی اجازت پا کر وہ کہنے لگا کہ میں اصل میں دمشق کا رہنے وال اہوں۔ میری آمدنی بہت کم تھی خرچ زیادہ کوئی تیس آدمی کھانے والے تھے۔ اور یک میں

کمانے والا۔ جب ساری جمع جتھا خرچ ہو چکی تن ڈھانکنے کے لیے کپڑا تک نہ رہا تو میں نے سفر کا ارادہ کیا۔ ایک شخص نے میری حالت دیکھ کر کہا اگر تم کسی طرح برمکیوں کے ہاں پہنچ جاؤ تو سارے دلدر دور ہو جائیں۔ یہ سن کر میں ں ے بال بچوں کو ساتھ لیا اور بغداد کی طرف چل پڑا۔ یہاں پہنچ کر میں نے بیوی بچوں کو ایک مسجد میں چھوڑا اور خود برمکیوں کا پتا پوچھتا ہوا چلا۔ راستے میں ایک چھوٹی سی مسجد ملی جس کے دروازے پر دو غلام کھڑے تھے اندر جھانک کر دیکھا تو بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں بھی ان میں جا کر بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک غلام آیا اور کہنے لگا کہ اب آپ سب تشریف لے چلیے۔ سب لوگ مسجد سے نکلے میں بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا۔ ہم سب یحییٰ برمکی کے مکان پر پہنچے۔ وہ باغ میں بیٹھا تھا۔ اور اس کے رشتہ داروں میں سے بارہ آدمی اس کے ساتھ تھے ہم بھی جا کر بیٹھ گئے۔ اتنے میں محل سے ایک خوبصورت نوجوان نکلا۔ اسکے کئی غلام ہاتھوں میں سونے کی انگیٹھیاں لیے تھے۔ جن میں عود سلگ رہا تھا وہ نوجوان یحییٰ کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ یحییٰ نے قاضی سے کہا یہ میرا بھتیجا ہے۔ اس کا نکاح میری لڑکی عائشہ سے پڑھا دیجیے۔ نکاح ہو گیا تو غلاموں نے مشک و عنبر کی گولیاں پھینکنی شروع کیں۔ اور سب لوٹنے لگے۔ پھر بہت سے غلام آئے ہر غلام کے ہاتھ میں چاندی کی ایک سینی تھی۔ اور ہر سینی میں ہزار دینار رکھے تھے۔ سب نے سینیاں اٹھا لیں۔ اور ایک ایک کر کے رخصت ہوئے لیکن مجھے سینی اٹھانے کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ آخر غلام نے اشارہ کیا کہ اسے اٹھا لو۔ میں نے ڈرتے ڈرتے

سینی اٹھائی اور چل پڑا لیکن پیچھے پھر پھر دیکھتا جاتا تھا۔ جمری یہ حالت دیکھ کر برمکی نے غلام سے کہا کہ اس شخص کو بلا لاؤ۔ غلام مجھے اس کے سامنے لے گیا۔ یحیٰی کہنے لگا تم اتنے سہمے ہوئے کیوں ہو؟ میں نے اپنی ساری کہانی سنا دی۔ یحیٰی نے یہ سن کر اپنے بیٹے موسیٰ کو بلوایا اور کہا کہ انہیں اپنے ہاں رکھو۔ میں نے ایک رات اور ایک دن موسیٰ کے ہاں بڑے عیش و آرام سے زندگی بسر کی۔ دوسرے دن اس کا بھائی محمد مجھے اپنے ہاں لے گیا۔ اسی طرح دس دن میں برمکی خاندان کا مہمان رہا۔ اور میں ایسا عیش و عشرت میں پڑ گیا کہ مجھے اپنے بال بچے کا کوئی خیال نہ رہا۔ گیارہویں دن ایک غلام مجھے اپنے ساتھ لے گیا اور ایک محل کے دروازے پر کھڑا کر دیا۔ پھر وہ سینی ور دینار جو مجھے پہلے دن ملے تھے میرے حوالے کیے ساتھ ہی دس ہزار دینار بھی میرے سامنے لا کر رکھ دیے۔ ان کے علاوہ یحیٰی کا ایک فرمان بھی تھا کہ جس میں لکھا ہوا تھا کہ تمہیں دو گاؤں دے جاتے ہیں تا کہ تم آرام سے زندگی بسر کر سکو۔ میں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اس سامان کو دیکھ رہا تھا کہ اس غلام نے محل کا دروازہ کھولا اور اس کا پردہ ہٹایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ میرے بال بچے ریشمی کپڑے پہنے محل میں پھر رہے ہیں۔ اتنے میں ایک غلام کی آواز آئی وہ کہہ رہا تھا یہ مکان آپ کو رہنے کے لیے دیا گیا ہے۔ میں تیرہ سال تک برمکیوں کے ساتھ رہا۔ ان کی موت کے بعد میرے دونوں گاؤں پر اتنا محصول لگا دیا گیا کہ میں بالکل مفلس ہو گیا۔ اب دنیا میں میرا کوئی نہیں اس لیے برمکی خاندان کے کھنڈروں پر رو دھو کر جی کی بھڑاس نکال لیتا ہوں۔

یہ سن کر مامون نے حکم دیا کہ اس شخص سے جتنا محصول لیا گیا ہے سب واپس کر دیا جائے ۔اور آئندہ محصول نہ لیا جائے۔ یہ سنا کر وہ بڈھا پھر رونے لگا۔ مامون نے پوچھا اب کیوں روتے ہو؟ کہنے لگا امیر المومنین یہ بھی اصل میں برمکیوں کی سخاوت ہے نہ میں ان کھنڈروں پر روتا نہ آپ کے دربار میں پہنچتا۔ یہ سن کر مامون کی طبیعت پر بہت اثر ہوا اور کہنے لگا کہ سچ ہے یہ بھی برمکیوں کی سخاوت ہے۔

برمکی خاندان کے پاس اگرچہ بے شمار دولت تھی اور اس کے چاروں بیٹوں کی الگ الگ تنخواہیں مقرر تھیں خلیفہ نے ان کی بڑی بڑی جاگیریں مقرر کر رکھی تھیں۔ پھر بھی ان کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ جتنا روپیہ آتا تھا سب خرچ کر ڈالتے تھے۔ موسیٰ بن یحییٰ کو تو ایک دفعہ اس سخاوت کے ہاتھوں بڑی تکلیف اٹھانی پڑی۔ اس کے ذمے بہت سا قرض ہو گیا اور قرض خواہوں نے ایسا تنگ کیا کہ وہ بھاگ کر کہیں چلا گیا۔ اور بہت مدت کے بعد واپس آیا۔

برمکیوں کی تباہی

برمکی خاندان سترہ سال تک سارے **ملک** پر چھایا رہا ہر شخص کی زبان پر برمکیوں کا نام تھا۔ اور سارا **ملک** ان کی سخاوت کے چرچوں سے گونج رہا تھا۔ ان کی اس شان اور رتبہ کو دیکھ کر بعض امیروں اور سرداروں کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی۔ اور وہ برمکیوں کی طرف سے ہارون کے کان بھرنے لگے۔ خاص طور پر فضل بن ربیع جو

ہارون کے وزیروں میں سے تھا۔ ہمیشہ خلیفہ کو برمکی خاندان کی طرف سے بدگمان کرنے کی کوشش میں لگا رہتا تھا۔

تم پڑھ چکے ہو کہ حضرت علیؓ کے خاندان کے دو شخص ادریس اور یحییٰ مدینہ سے بھاگ نکلے تھے۔ ادریس تو افریقہ چل گئے اور وہاں ایک سلطنت قائم کر لی۔ یحییٰ نے ویلم کے علاقے میں پہنچ کر بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ اور ہارون سے لڑنے کی تیاریاں کرنے لگا۔ خلیفہ اس کے مقابلے پر فضل بن یحییٰ کو بھیجا۔ فضل نے لڑائی چھیڑنے کے بجائے پہلے تو اس علاقے کے لوگوں کو ان سے توڑ لیا۔ پھر صلح کی بات چیت شروع ہو گئی۔ یحییٰ نے کہا کہ اگر خلیفہ وعدہ کر لے کہ میری جان اور مال پر آنچ نہیں آئے گی تو میں تمہارے ساتھ چلنے پر آمادہ ہوں۔ ہارون نے انہیں اپنے دستخطوں سے خط لکھا کہ جس میں امان کا وعدہ کیا گیا تھا۔ یحییٰ یہ خط دیکھ کر بے دھڑک فضل کے ساتھ بغداد چلے آئے۔ خلیفہ نے انہیں یحییٰ برمکی کے حوالے کر دیا اور وہ امن سے زندگی بسر کرنے لگے۔

ہارون کو برمکیوں کی شہرت اور ہر دلعزیزی دیکھ کر یہ خیال پیدا ہو چلا تھا کہ کہیں یہ اپنی سخاوت کے زور سے لوگوں کو میرے خلاف کھڑا نہ کر دیں۔ فضل بن ربیع نے اس موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اور خلیفہ سے کہنا شروع کر دیا کہ برمکی خاندان یحییٰ بن عبداللہ کو خلیفہ بنانے کی فکر میں ہے۔ ہارون طبیعت کا بہت شکی تھا۔ یحییٰ بن عبداللہ کو قید کر دیا۔ چونکہ برمکی حضرت علیؓ کے خاندان کے خیر خواہ تھے یحییٰ کو چھڑانے کی کوشش کرنے

لگے۔ ان کی سفارشوں کا یہ اثر ہوا کہ خلیفہ نے یحییٰ کو جعفر کے حوالے کر دیا کہ ان کی نگرانی کرتے رہنا۔ جعفر انہیں چپ چپاتے چھوڑ دیا۔ اور وہ اپنے بال بچوں میں امن کی زندگی بسر کرنے لگے۔ ادھر فضل بن ربیع نے برمکیوں کے ہاں اپنے جاسوس مقرر کر رکھے تھے۔ جو اسے پل پل کی خبر پہنچاتے تھے۔ انہیں جاسوسوں سے اسے یحییٰ کی رہائی کا حال بھی معلوم ہوا۔ اس نے یہ خبر خلیفہ کے کانوں تک پہنچا دی۔ ہارون نے اسے تو ٹال دیا لیکن رات کو جب جعفر آیا اور کھانے کا دستر خوان بچھا تو ہارون نے پہلے ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں پھر پوچھا کہو یحییٰ کا کیا حال ہے: جعفر بولا میں پل بھر کے لیے نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا۔ ہارون نے کہا قسم کھاؤ۔ یہ سن کر جعفر کا رنگ فق ہو گیا لیکن جی کڑا کر کے بولا۔ کہ اصل بات یہ ہے کہ اب ان کی طرف سے کوئی کھٹکا نہیں رہا تھا۔ اس لیے میں نے انہیں چھوڑ دیا۔ ہارون کہنے لگا کہ تم نے اچھا کیا میں بھی انہیں چھوڑ دینے کا ارادہ کر رہا تھا۔ پھر اور باتیں شروع کہوئیں جب جعفر رخصت ہوا تو خلیفہ دیر تک اسے تکتا رہا۔ پھر سر ہلایا اور دانت پیس کر آہستہ سے کہنے لگا میں اس جرم کے عوض تجھے قتل کر کے رہوں گا۔

ہارون کو برمکی خاندان سے بدگمان کرنے کے لیے یہی بات کافی تھی۔ فضل بن ربیع اور دوسرے امیروں نے اسے اور بھڑکایا۔ چنانچہ ہارون نے ایک رات کو اپنے غلاموں کے افسر مسرور کو بلا کر حکم دیا کہ جعفر کو ابھی جا کر قتل کر ڈالو۔ اور یحییٰ اور اس کے بیٹوں کو گرفتار کر لو۔ غرض رات بھر میں دنیا ادھر کی ادھر ہو گئی۔ یا تو بغداد کے گلی

کوچے برمکیوں کے نام سے گونج رہے تھے۔ یا صبح ہوتے ہوتے یہ حال ہوا کہ خلیفہ کے ڈر کے مارے کوئی ان کا نام نہیں لیتا تھا۔ کچھ دن تو برمکی خاندان کے لوگوں سے قید میں اچھا سلوک کیا جاتا رہا لیکن انہیں دنوں عباسی خاندان کے ایک شہزادے نے خلافت اپنے ہاتھ میں لینے کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے شروع کر دیے۔ ہارون کو خیال ہوا کہ اس سازش میں بھی برمکیوں کا ہاتھ ہے چنانچہ بوڑھے یحییٰ اور اس کے بیٹوں پر سختیاں ہونے لگیں۔ اور ان سے عام قیدیوں کا سا سلوک کیا جانے لگا۔ آخر موت نے یحییٰ اور فضل دونوں کو ہارون کی قید کے ساتھ زندگی کی قید سے نجات دلا دی۔ موسیٰ اور محمد کو کچھ عرصے کے بعد رہا کر دیا گیا۔

فتوحات

عباسیوں کا عہد فتوحات کے لیے چنداں مشہور نہیں۔ پھر بھی ہارون کے زمانے میں خسی بڑے بڑے معرکے ہوئے۔ کابل کا علاقہ قبضہ میں آیا۔ اور عباسیوں کی سلطنت کوہ ہندوکش تک پھیل گئی۔ رومیوں سے اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔ ہارون نے روم کی سرحد پر چھاؤنیاں بنوائیں قلعے تعمیر کرائے۔ اور رومیوں کو کئی لڑائیوں میں شکستیں دیں۔ آخر روم کی ملکہ ایرینی نے اسے خراج دینا منظور کر کے صلح کر لی۔ کچھ عرصہ کے بعد رومیوں نے ایرینی کو تخت سے اتار کر نقفور کو بادشاہ بنا لیا۔ اس نے پہلے سلطنت کو مضبوط کیا۔ سرحدوں کی حفاظت کے لیے فوج مقرر کی پھر ہارون کو خط لکھا

کہ اے رومی کمزور عورت جان کر تم نے خراج کا جتنا روپیہ لیا ہے وہ سب واپس کر دو اور ساتھ ہی اپنی گستاخیوں کا جرمانہ بھی ادا کر دو ورنہ ہماری تلوار تم سے کوڑی کوڑی حاصل کر لے گی۔ کہتے ہیں جب ہارون کے پاس یہ خط پہنچا تو اس کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا۔ آنکھوں سے چنگاریاں نکلنے لگیں۔ سارے وزیر امیر تھر تھر کانپنے لگے۔ ہارون نے خود قلم اٹھا کر نقفور کو خط لکھا کہ اس کا جواب تو کانوں سے نہیں سنے گا بلکہ آنکھوں سے دیکھے گا۔

یہ جواب لکھ کر اس نے اپنی فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ نہ دن دیکھا نہ رات۔ جنگل پہاڑ کاٹتا ندی نالوں کو عبور کرتا بجلی کی طرح ہرقلہ کے شہر کے سامنے جا پہنچا اور رومیوں کو ایسا زچ کیا کہ آخر نقفور نے خراج ادا کرنے کا وعدہ کر کے صلح کر لی۔ لیکن نقفور نے خلیفہ کے پلٹتے ہی سارے وعدے طاق پر رکھ کر سرکشی پر کمر باندھی۔ لوگ ہارون سے اتنا ڈرتے تھے کہ کسی کو اس کے کانوں تک خبر پہنچانے کا حوصلہ نہیں پڑتا تھا۔ آخر ایک شاعر نے ہارون کے دربار میں حاضر ہو کر اسے ایک نظم سنائی جس میں خلیفہ کی تعریف کے ساتھ ساتھ اس واقعہ کا بھی ذکر تھا۔ خلیفہ نے نظم سن کر لوگوں سے کہا کہ کیا یہ سچ ہے کہ نقفور نے عہد توڑ ڈالا۔ انہوں نے ڈرتے ڈرتے کہا ہاں یہ سن کر اس نے پھر روم کی طرف باگیں موڑیں۔

جاڑے کا موسم تھا زمین و آسمان برف میں غرق نظر آتے تھے۔ راستے میں ایک پہاڑ پڑتا تھا جس کے درے برف سے اٹے پڑے تھے۔ لیک ہارون ان رکاوٹوں کو

ٹھکراتا اقبال کا پرچم لہراتا روم کی طرف چلا۔ نقفور اس خیال سے نچنت بیٹھا تھا کہ اس بلا کی سردی میں مسلمان کب روم تک پہنچ سکتے ہیں۔ اتنے میں قاصد دوڑ آئے کہ لیجیے مسلمان آ پہنچے۔ نقفور نے مقابلہ کیا لیکن شکست کھائی اور زخمی ہو کر میدان سے بھاگ نکلا۔ ہارون نے پیچھا کیا جب نقفور کو سلطنت ہاتھ سے جاتی ہوئی نظر آئی تو پرچے پیغام دوڑائے اپنے قصور کی معافی مانگی اور دگنا خراج دینا قبول کیا ہارون نے اسے معاف کر دیا۔

اس شکست کے بعد بھی نقفور اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا جب موقع پاتا بگڑ بیٹھتا۔ اور دو تین لڑائیوں کے بعد ہار مان کر معافی مانگ لیتا۔ ایک دفعہ تو وہ مسلمانوں کے علاقے پر چڑھ آیا ہارون نے سنا تو جہاد کا اعلان کر دیا۔ اور ایک لاکھ پینتیس ہزار سپاہیوں کا لشکر لے کر اس کے مقابلہ پر چلا۔ جو لوگ خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے ارادہ سے اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے وہ ان کے علاوہ تھے۔ ہارون نے ایک ای کر کے روم کے کئی قلعے اور شہر فتح کر لیے۔ نقفور نے پھر صلح کا سپید جھنڈا لہرایا اور بہت سارا روپیہ اور تحفے نذر کر کے صلح کر لی۔

ہارون کی طاقت اور قوت کا حال سن کر فرانس کے بادشاہ شارلمین نے جو جرمنی اور اطالیہ پر قبضہ کر کے سارے یورپ پر اپنا سکہ بٹھا چکا تھا بغداد کے دربار میں اپنے سفیر بھیجے۔ ہارون نے ان سفیروں کی بڑی خاطر مدارت کی۔ پھر اپنی طرف سے کچھ امیر و ں کو تحفے دے کر شارلمین کے پاس بھیجا۔ کہتے ہیں ان تحفوں میں ایک ہاتھی تھا اور چند

قیمتی کپڑے اور ایک باجا بھی تھا۔ جس سے طرح طرح کی دلکش آوازیں نکلتی تھیں۔ سب سے عجیب تحفہ ایک گھڑی تھی جب گھنٹہ پورا ہو جاتا تو گھڑی کے اندر سے پیتل کے چند سوار گھوڑے دوڑاتے نکلتے ساتھ ہی گھڑیال پر موگری پڑتی اور اس سے ایک گونجیلی آواز پیدا ہوتی۔ فرانس کے لوگوں نے ایسا تماشا کبھی نہ دیکھا تھا۔ سب نے سمجھا کہ یہ جادو کا کارنامہ ہے۔ بعض کا خیال تھا کہ گھڑی کے اندر کوئی جن گھسا ہوا ہے۔ ایسی باتیں سوچ کر وہ ڈرے کہ کہیں مسلمانوں کے بادشاہ نے ہمارے ملک کو تباہ کرنے کے لیے یہ تدبیر نہ کی ہو۔ ان کا تو ارادہ تھا کہ گھڑی کو توڑ ڈالیں لیکن شارلمین نے انہیں روک دیا۔

ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علیؓ کے خاندان کے ایک بزرگ نے جن کا نام ادریس تھا۔ افریقہ کے ساحل پر اپنی سلطنت قائم کر لی تھی۔ ہارون نے اس سلطنت کو مٹانے کی کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ قیروان میں آئے دن بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں۔ ہارون نے یہ علاقہ ابراہیم بن اغلب کے حوالے کر دیا جو یہاں کا خودمختار حاکم تھا۔ اس کی اولاد میں بہت دیر تک سلطنت چلی۔ ایک مرتبہ خارجیوں نے سر اٹھایا ہارون نے انہیں بھی تلوار کے زور سے دبا دیا۔

ہارون کے زمانہ حکومت پر ایک نظر

ہارون بڑا عالم فضل خلیفہ تھا امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اس زمانے کے مشہور عالم تھے۔ شیعوں کے امام موسیٰ کاظم بھی اسی زمانے میں ہوئے ہیں۔ ہارون اکثر حدیث پڑھنے کے لیے امام مالکؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا۔ خود شاعر تھا اور شاعروں کا قدردان۔ اس کی سخاوت کا یہ حال تھا کہ اس کے بیٹے مامون کے سوا عباسی خاندان کے خلیفوں میں کوئی اتنا سخی نہیں گزری۔ اس کی قدردانی اور سخاوت کی شہرت سن سن کر دور دور سے بڑے بڑے عالم شاعر اور حکیم کھچ کر بغداد پہنچے۔ ہندوستان کے اکثر پنڈت بھی خلیفہ کے دربار میں حاضر ہوئے۔ ان سے باتیں کیں تو معلوم ہوا کہ ہندوستان اور ایران کی زبانوں میں بہت سی مفید کتابیں ہیں۔ ہارون نے ان سب کی تنخواہیں مقرر کر دیں اور انہیں حکم دیا کہ ان کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کیا جائے چنانچہ کتابوں کے ترجمہ کا ایک الگ محکمہ قائم ہوا۔

عباسیوں کے زمانے منیں اسلامی سلطنت زیادہ وسیع نہیں ہوئی۔ بلکہ بنی امیہ کے عہد میں جو ملک فتح ہوئے تھے ان میں سے ہسپانیہ کا علاقہ بنی عباس کے قبضہ سے نکل گیا۔ پھر بھی رومیوں سے جو لڑائیاں ہوئیں ان مُس ہارون نے ثابت کر دکھایا کہ فوج کو لڑانے کے فن میں وہ دنیا کے بڑے بڑے سپہ سالاروں کا ہم پلہ ہے۔ وہ اگر چاہتا تو سارے مشرقی یورپ کو اپنے ملک میں شامل کر لیتا۔ لیکن اس نے روم کے اکثر

حصے بار بار فتح کر کے نقفور جیسے بدعہد بادشاہ کو بخش دیے۔

اصل میں ہارون الرشید کی ناموری اس کی فتح مندیوں کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے زمانے میں جو ترقی ہوئی ہے۔ اس کے باعث ہارون کا شمار دنیا کے سب سے بڑے فرمانرواؤں میں ہوتا ہے۔ اس کے عہد میں زراعت نے بہت ترقی کی گیہوں چاول، جوار باجرا کپاس اور ہر قسم کے پھل ملک کے مختلف حصوں میں پیدا ہوتے تھے۔ اہواز اور فارس میں گنے کی کثرت تھی۔ اس لیے وہاں شکر بنانے کے کئی کارخانے قائم ہوئے۔ مازندران پھولوں کے لیے مشہور تھا اس لیے وہاں طرح طرح کے عطر اور عرق کھچتے تھے۔ خراسان کی کانوں سے لوہا نکالا جاتا تھا۔ کرمان سے سیسہ اور چاندی ہاتھ آتی تھی۔ تبریز میں چینی اور سنگ مرمر کی کثرت تھی۔ بصرہ میں شیشے اور صابون کے کارخانے تھے۔ ایران کے بڑے بڑے شہروں میں اطلس زربفت اور طرح طرح کے ریشمی کپڑے اور خوبصورت قالین بنے جاتے تھے۔

ہارون کی ملکہ زبیدہ جو عباسی خاندان کی ہی ایک شہزادی تھی۔ بڑی سلیقہ والی خاتون تھی۔ اس نے گھر کی آرائشوں کے لیے کئی نئی ایجادیں کیں۔ عنبر کی شمعیں سب سے پہلے اسی کے محل میں جلائی گئیں جوتیوں میں موتی ٹانکنا بھی اسی کی ایجاد ہے۔ اس کی قدردانی نے اس زمانے کے ہنرمندوں میں بھی نئی نئی ایجادوں کا شوق پیدا کیا۔ چنانچہ زبیدہ کے لیے ایسے کپڑے تیار ہوئے جن کے ایک ایک تھان کی قیمت پچاس ہزار اشرفی تھی۔ مکہ کے لوگوں کو پانی کی کمیابی کی وجہ سے بڑی تکلیف تھی۔ زبیدہ نے

اپنے پاس سے روپیہ خرچ کر کے ایک نہر بنوادی جو اب تک موجود ہے۔اور اس کے نام پر نہر زبیدہ کہلاتی ہے۔

اس زمانے کے لوگوں کو راگ کا بھی بڑا شوق تھا۔ہارون کے دربار کا مشہور گویا اسحاق تھا خلیفہ اس کی بہت قدر کرتا تھا۔خود ہارون کا بھائی ابراہیم اور اس کی بہن علیہ اس فن میں ماہر تھے۔ ان دونوں بہن بھائی کے ایجاد کیے ہوئے گیت مدت تک عربوں کی زبان پر چڑھے رہے۔

ہارون کے زمانے کی ترقی کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ہندوستان کے کسی راجہ نے اپنے ایلچیوں کے ہاتھ خلیفہ کی خدمت میں بہت سے تحفے بھیجے۔ ہارون نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار سجایا۔بیچ میں خلیفہ کا تخت تھا۔جسے ایک سو سپاہی سر سے پاؤں تک لوہے میں غرق ننگی تلواریں لیے گھیرے ہوئے تھے دونوں طرف بڑے بڑے امیر اور سردار اپنے اپنے رتبے کے مطابق صفیں باندھے کھڑے تھےیل۔ اتنے میں ایلچی حاضر ہوئے اور جو چیزیں لائے تھے ایک ایک کر کے پیش کرنے لگے۔

پہلے انہوں نے کپڑے کے کچھ تھان نکالے اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں اس سے بہتر کپڑا تیار نہیں ہوتا۔ بڑے بڑے راجوں اور مہاراجوں کے سوا کسی کی طاقت نہیں کہ ایسا کپڑا پہن سکے۔اس کپڑے کو دیکھ کر درباری مسکرانے لگے۔خلیفہ نے اس پر ایک نظر ڈالی اور شاہی درزی کو بلا کے کہا اس سے ہمارے گھوڑوں کی جھولیں تیار کرو۔

یہ سن کر ہندوستان کے ایلچیوں کے سر شرم سے جھک گئے۔ اب انہوں نے چند تلواریں نکالیں اور کہا کہ ہندوستان کی تلواریں ساری دنیا میں مشہور ہیں۔ لیکن ہندوستان میں ایسی تلواریں آج تک تیار نہیں ہوئیں۔ ہارون نے خادموں کو حکم دیا کہ عمرو معدی کرتب کی تلوار صمصامہ تو لانا۔ یہ مشہو تلوار لائی گئی خلیفہ نے اسے لے کر ہات جو مارا تو ہندوستان کی تلواریں کٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہوگئیں۔

اب ایلچیوں نے تین کتے پیش کیے ہارون نے ایک شیر منگوایا۔ کتوں نے مل کر اسے مار لیا۔ ہارون بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ ہاں یہ کتے ضرور اچھے ہیں پھر ان ایلچیوں کو بہت سا انعام دے کر رخصت کیا۔

وفات

ہارون الرشید کی عمر کا آخری زمانہ تھا۔ کہ خراسان کے ایک امیر نے سر اٹھایا اور بڑا فساد مچایا۔ ہارون الرشید نے اس کے مقابلے پر کئی سردار بھیجے لیکن کوئی اس کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔ آخر ۱۹۳ھ میں خود فوج لے کر چلا۔ طوس پہنچا تھا کہ اس کی طبیعت بگڑ گئی اور تین دن بیمار رہ کر انتقال کر گیا۔ اس نے تیئیس سال دو مہینے حکومت کی۔ موت کے وقت اس کی عمر اڑتالیس سال کی تھی۔

☆☆☆

آٹھواں باب

امین اور مامون

امین

ہارون الرشید کے کئی بیٹے تھے جن میں مامون امین موتمن اور معتصم بہت قابل اورہونہار تھے ۔ امین کی ماں زبیدہ عباسی خاندان کی شہزادی تھی ۔ اس کے بھائی بندوں نے بڑے بڑے عہدوں پر قبضہ کرر کھا تھا۔ ابھی امین دودھ پیتا بچہ تھا کہ زبیدہ نے اسے ہارون کا جانشین مقرر کرانے کے لیے جوڑتوڑ شروع کیےاور ربرے بڑے سرداروں میں جن میں فضل برمکی بھی تھا اپنے ساتھ ملالیا۔ چنانچہ امین پانچ سال کی عمر میں ہارون کا جانشین مقرر ہوا۔ اگر چہ امین بلا کا ذہین اوربڑا خوبصورت اور بہادر شہزادہ تھا۔اس زمانے میں بڑے بڑے عالم اس کی تعلیم پرمقرر تھےلیکن ماں کے لاڈ پیاراور چاؤچونچلوں نے اسے بہت آرام طلب اورعیش پسند بنادیا تھا۔جدھرنظر اٹھتی تھی خلقت ہاتھ باندھے نظر آتی ۔سلطنت کے سارے سرداراس خیال سے جھک جھک کرسلام کرتے کہ ایک دن حکومت اس کے ہاتھ میں آئے گی۔ان باتوں نے

مزاج بگاڑ دیا تھا۔اور سلطنت کے کاموں کی طرف سے اس کی طبیعت ہٹتی گئی۔ہارون بیٹے کے یہ رنگ ڈھنگ دیکھکر بہت کڑھتا تھا۔لیکن زبیدہ کے سامنے پیش نہ چلتی تھی۔اس سے اور تو کچھ نہ ہو سکا البتہ اتنا کیا کہ ساری سلطنت امین مامون اور موتمن میں بانٹ دی۔امین کو عراق حجاز و مصر کے علاقے دے کر اپنا ولی عہد مقرر کیا۔مامون کو خراسان ترکستان کابل اور ہمدان کا حاکم بنایا۔ور موتمن کو مامون کی ماتحتی میں ایک علاقہ دے دیا اور ساتھ ہی یہ بھی وصیت کی کہ امین کے بعد مامون اور مامون کے بعد موتمن خلیفہ ہو گا۔

مامون

مامون کی ماں خراسان کی ایک لونڈی تھی۔اس کی پیدائش کو دو چار دن ہی ہوئے تھے کہ ماں کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔مامون اور امین نے اکٹھے پرورش پائی۔اور اکٹھے تعلیم حاصل کی لیکن مامون پڑھنے لکھنے میں ہمیشہ امین سے آگے رہتا۔ہارون پر اس کے جوہر بچپن ہی سے کھلنے شروع ہو گئے تھے۔چنانچہ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ اگر زبیدہ کا لحاظ اور خاندان کے لوگوں کا دباؤ نہ ہوتا تو میں امین کی جگہ مامون کو ولی عہد مقرر کرتا۔

ہارون خراسان کی بغاوت دور کرنے کے ارادے سے چلا تھا۔طوس پہنچا تو ایسا بیمار ہوا کہ جینے کی امید نہ رہی۔اس وقت مامون خراسان کے صدر مقام مرو میں فوج لیے پڑا تھا۔جب ہارون نے دیکھا کہ میرا آخری وقت آ پہنچا ہے تو سارے سرداروں اور

امیروں وزیروں کو جو اس کے پاس تھے جمع کی اور کہا کہ یہ ساری فوج اور خزانہ مامون کا حصہ ہے۔ میری موت کے بعد تم مرو میں اس کے پاس چلے جانا اور اس کی فرمان برداری کرنا لیکن فضل بن ربیع نے جو دل ہی امین کا طرفدار تھا اور بڑا فسادی شخص تھا فوج کے افسروں کو اکٹھا کر کے یہ کہا کہ ہم مامون کے پاس جا کر کیا کریں گے۔ ہمیں خلیفہ امین کے پاس بغداد پہنچنا چاہیے اس فوج کے افسر بغداد کے رہنے والے تھے۔ عام سپاہی بھی بغداد اور اس کے آس پاس کے علاقے سے تھے۔ ان سب کے دلوں میں گھر کی یاد چٹکیاں لے رہی تھی۔ اس لیے سب کو فضل بن ربیع کی رائے پسند آئی۔ اور وہ طوس ہی سے باگیں موڑ کر بغداد چلے آئے۔

امین کی تخت نشینی

ادھر امین اپنے محل میں بیٹھا تھا کہ باپ کی موت کی خبر آئی؛ فوراً شاہی محل میں پہنچا۔ امیر اور سردار حاضر ہوئے۔ نذریں پیش ہونے لگیں۔ امین نے خزانوں کے منہ کھول دیے سب کو جی کھولے انعام دیا۔ اپنے مصاحبوں کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں۔ زبیدہ رقہ کے شہر میں تھی۔ شوہر کی وفات اور بیٹے کی تخت نشینی کی خبر سن کر وہ بھی بغداد چلی آئی۔ امین نے بڑی دھوم دھام سے اس کا استقبال کیا۔ بغداد سے انبار تک ہر طرف خلقت ہی خلقت نظر آتی تھی۔ اور مبارک سلامت کے ترانوں سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ ابھی یہ چرچے تھے کہ طوس سے فضل بن ربیع فوج اور خزانہ

لے کر آ پہنچا۔ امین نے اسے اپنا وزیر مقرر کر کے سلطنت کا سارا انتظام اس پر چھوڑا اور خود ناچ رنگ میں ایسا محو ہوو کہ کسی بات کی خبر نہ رہی۔

مامون کو جب معلوم ہوا کہ خزانہ اور فوج دونوں ہاتھ سے نکل گئے ہیں اور سلطنت کے خیر خواہوں کو خلیفہ کی آخری وصیت کا بھی خیال نہ رہا تو بہت گھبرایا۔ ساتھ ہی بغداد سے یہ خبریں آئیں کہ امین کے تیور بے ڈھب نظر آتے ہیں فضل بن ربیع اس تاک میں ہے کہ موقع پائے اور کوئی فساد کھڑا کرے۔ خزان پر نظر ڈالی تو خاک اڑ رہی تھی۔ ادھر سرحد سے برابر پیغام آ رہے تھے کہ یہاں بعض سرداروں نے بغاوت کا پرچم لہرا رکھا ہے۔ یہ حال دیکھ کر مامون سلطنت کی طرف سے بالکل نا امید ہو گی۔ لیکن فضل بن سہل جے جونسل کا ایرانی اور مامون کا وزیر تھا تسلی دی اور کہا کہ خراسان میں بیٹھ کر اپنی طاقت بڑھائیے۔ کدا نے چاہا تو ایک دن تمام ملک اپنے قبضہ میں آ جائے گا۔ مامون نے کہا کہ میں نے سارے اختیارات تمہارے حوالے کیے جو مناسب دیکھو وہ کرو۔

انہوں نے فضل بن سہل کے مشورے سے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ کسانوں کو مالگزاری کا چوتھا حصہ معاف کر دیا۔ اس طرح خراسان کے لوگ دل و جان سے اس کے وفادار بن گ ۔ پھر سلطنت کا انتظام اس خوبی سے کیا کہ کسی کو کوئی شکایت نہ رہی۔ اب تو ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ مامون ہمارا بھانجا ہے ہم اس کے لیے جانیں لڑا دیں گے۔

خانہ جنگی

ادھر بغداد میں امین کو عیش وعشرت سے اتنی فرصت کہاں تھی کہ خود سارے **ملک** کے انتظام کی طرف توجہ کرتا۔ جگہ جگہ اس کے کارندے مقرر تھے۔ جہاں وہ کوئی اچھا مسخرا دیکھتے اسے امین کے دربار میں پہنچا دیتے۔ کئی ہلکی پھلکی کشتیاں بنوائی گئیں جن میں بیٹھ کر وہ چاندنی راتوں میں دجلہ کی سیر کرتا تھا لیکن فضل بن ربیع کو برابر یہ کھٹکا لگا تھا کہ کہیں مامون سلطنت پر قبضہ نہ کرلے اس لیے اس نے امین کو یہ مشورہ دیا کہ آپ مامون کی جگہ اپنے بیٹے موسیٰ کو ولی عہد مقرر کردیجیے۔ امین نے پہلے تو انکار کیا۔لیکن فضل نے اسے ایسے سبز باغ دکھائے کہ وہ مان گیا۔ اور موسیٰ ولی عہد مقرر ہوا۔ ہارون نے اپنی زندگی مامون اور امین دونوں سے عہد نامے لکھوا کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیے تھے فضل کے کہنے پر امین نے ان عہد ناموں کو کعبہ سے منگوا کر چاک کردیا۔ مامون کو یہ خبریں ملیں تو اس نے اپنے **ملک** کی سرحدوں کو مضبوط کیا۔ سرحدی قلعوں میں جو فوجی افسر مقرر تھے انہیں حکم دیا کہ چوکنے رہیں۔ اور جنگ کی تیاریاں کرنے لگا غرض ابھی ہارون الرشید کا کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا کہ فضل بن ربیع کی مکاریوں نے دونوں بھائیوں میں پھوٹ ڈلوا دی۔

اب دونوں بھائیوں میں بڑے زور سے جنگ چھڑی۔ مامون نے اپنے ایک سردار طاہر حسین کو فوج دے کر بغداد کی طرف بڑھنے کا حکم دیا۔ اس نے رے کے شہر

میں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ اور ہر طرف اپنے جاسوس خبریں لانے کے لیے دوڑا دیے۔ ادھر سے امین کا سپہ سالار علی بن عیسیٰ پچاس ہزار فوج لے کر نکلا۔ امین نے اس موقع پر جی کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ ایک ایک معمولی سپاہی کو انعام ملا افسروں کو ریشم اور کمخواب کی وردیاں دی گئیں۔ جب علی بن عیسیٰ چلنے لگا تو زبیدہ نے اسے ایک چاندی کی زنجیر لا کر دی اور کہا کہ مامون کو اس میں باندھ کر لانا لیکن دیکھنا اسے راستے میں کوئی خبر نہ ہونے پائے۔ جس روز یہ فوج چلی بغداد کی ساری خلقت اسے دیکھنے کے لیے امڈ آئی۔ افسروں کی رنگا رنگ وردیوں اور بیرقوں اور نشانوں کو دیکھ کر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کسی شہزادے کی برات جا رہی ہے۔ سپاہی لے کر اس کی مقابلہ کو شہر سے باہر نکلا۔ علی نے زرہ پوشوں کے رسالے کو آگے رکھا اس کے پیچھے سو سو قدم کے فاصلے پر دس علم تھے۔ ہر علم کے نیچے سو سوار۔ ان سواروں کے پیچھے شاہی گارڈ جن کے بیچوں بیچ سپہ سالار دستار میں طرہ لگائے عراقی گھوڑے پر سوار حکم احکام دے رہا تھا۔ اس کے دہنے بائیں بڑے بڑے نامور افسر تھے۔

جنگ اس طرح شروع ہوئی کہ علی بن عیسیٰ کی فوج سے ایک مشہور شہسوار جس کی ٹکر کا سپاہی دور دور تک نہیں تھا گھوڑا کدا کے میدان میں آیا طاہر نے خود بڑھ کر اس کا مقابل کیا اور دونوں ہاتھوں میں تلوار پکڑ کر اس زور سے ماری کہ دشمن آن کی آن میں خاک کا ڈھیر ہو گیا۔ اب دونوں فوجیں مل گئیں۔ علی نے طاہر کی فوج کے دہنے بازو پر اس زور سے حملہ کیا کہ خراسانیوں کے قدم اکھڑ گئے پھر بائیں بازو پر زور ڈالا لیکن

طاہر پہاڑ کی طرح اپنی جگہ کھڑا رہا۔ اس نے بھاگتے ہوؤں کو روکا اور انہیں سمیٹ کر اس طرح بڑھا کہ جہاں عیسیٰ بن علی کھڑا فوج کو لڑا رہا تھا طاہر نے بڑی بے جگری سے حملہ کیا اور بغدادی فوج کی صفیں الٹ کر ان کے علم چھین لیے۔ یہ حملہ ایسا اچانک تھا کہ بغدادیوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور ہر طرف ہل چل مچ گئی۔ اتنے میں علی بن عیسیٰ کو ایک تیر ایسا آ لگا کہ اس نے گھوڑے سے گر کر دم توڑ دیا۔ بغدادی ہارے۔ خراسانیوں کی جیت ہوئی۔ طاہر نے اس موقع پر مامون کو جو خط لکھا اس میں ان چند لفظوں کے اندر فتح کا بیان کر دیا۔

میں امیر المومنین کو خط لکھ رہا ہوں۔ علی کا سر میرے سامنے ہے۔ اس کی انگوٹھی میری انگلی میں ہے۔ اور اس کی فوجیں میری ماتحتی میں ہیں۔ امین اپنے محل میں حوض کے کنارے اپنے غلام کوثر کے ساتھ مچھلیوں کا شکار کھیل رہا تھا۔ حوض میں رنگا رنگ مچھلیاں تھیں۔ جنہیں سونے کی نتھیں پہنائی گی تھیں۔ نتھنیوں میں بڑے بڑے موتی پڑے تھے اتنے میں محل کے غلاموں کے سردار مسرور نے علی بن عیسیٰ کے مارے جانے اور بغدادی فوج کے شکست کھانے کی خبر سنائی امین نے جواب دیا چپ بھی رہ کوثر دو مچھلیاں پکڑ چکا ہے اور میرے ہاتھ میں ایک بھی نہیں آئی۔

اب امین نے ایک بہادر افسر کی ماتحتی میں بیس ہزار فوج بھیجی۔ وہ بھی لڑ کر مارا گیا۔ پھر دو مشہور افسروں کو بڑے لاؤ لشکر سے طاہر کے مقابلہ پر روانہ کیا۔ طاہر ایسی چال چلا کہ یہ دونوں افسر آپس میں لڑ پڑے اور کچھ دنوں بعد مقابلہ کیے بغیر بغداد چلے

گئے۔ ان فتح مندیوں سے ہر طرف طاہر کی دھاک بیٹھ گئی۔ وہ جدھر رخ کرتا شہروں اور قلعوں کے پھاٹک کھل جاتے۔ لوگ نذریں لے کر حاضر ہوتے۔ اہواز یمامہ عمان بڑی آسانی سے ہاتھ آ گئے۔ مکہ مدینہ اور یمن کے حاکموں نے ان معرکوں کی خبریں سنیں تو خود نذریں بھیجیں اور مامون کو خلیفہ مان لیا۔ اب امین کے قبضہ میں بغداد اور اس کے آس پاس کا علاقہ تھا۔ پھر بھی وہ برابر مقابلہ پر اڑا رہا۔ جب ساری فوجیں شکست کھا چکیں تو اس نے بغداد کے بازاری لوگوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کر دیا انہیں بڑے بڑے عہدے دیے یہ حالت دیکھ کر پرانے تجربہ کار سردار بہت بد دل ہوئے اور طاہر کی فوج میں آ آ کر شامل ہونے لگے۔

امین کا قتل

اب طاہر کو کوئی روکنے والا نہ تھا۔ وہ میدان صاف دیکھ کر دجلہ کے پار اترا۔ اور آندھی کی طرح بغداد پر چھا گیا۔ طاہر کے بعد مامون کا دوسرا سپہ سالار ہرثمہ پہنچا۔ اور اس نے دجلہ کے دوسرے کنارے ڈیرے ڈال دیے طاہر اور ہرثمہ کی فوجوں نے سال بھر تک بغداد کو گھیرے رکھا۔ اور شہر پر آگ پتھروں اور تیروں کا مینہ برسایا۔ ادھر سے بھی کلہ بہ کلہ جواب دیا جا رہا تھا۔ بغداد کی فتح میں اتنی دیر اس لیے ہوئی کہ یہ شہر دجلہ کے دونوں کناروں پر آباد تھا۔ پھر شہر میں نہریں پھیلی ہی تھیں۔ جنہوں نے محلوں کو ایک دوسرے سے جدا کر رکھا تھا۔ ان نہروں کی وجہ سے ہر محلّہ چھوٹا موٹا قلعہ بنا ہوا

تھا امین کے بعض وفا دار نوکر بڑی بہادری سے لڑے۔ ان یں سے کچھ تو لڑ بھڑ کر اپنے آقا پا جانیں نثار کر گئے کچھ تھڑ دلے طاہر سے آ ملے۔ البتہ شہر کے چور اچکے اور لچے لفنگے اس خوبصورتی سے لڑے کہ فوجوں کے جی چوٹ چھوٹ گئے۔ وہ راتوں کو شہر سے نکل کر فوج پر چھاپہ مارتے اور لوٹ مار کر کے نکل جاتے طاہر نے انہیں نیچا دکھانے کے لیے شہر والوں پر بڑی سختیاں کیں۔ محلے کے محلے برباد کر دیے۔ اونچی اونچی عمارتوں کو جلا کر راکھ کر ڈالا۔ پھر بھی ان لوگوں نے جگہ جگہ اسے شکستیں دیں۔ اور اس کے کئی بہادر افسروں کو قتل کر ڈالا۔ ایک جگہ طاہر کا ایک نامور افسر عبداللہ فوج لیے پڑا تھا ک ایکا ایکی بغداد کے چور اچکے تلواریں سونتے آ گئے۔ عبداللہ کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔ ان لوگوں نے اسے زندہ گرفتار کر لیا۔ طاہر کو خبریں پہنچیں تو خود چلا اور بڑی مشکل سے انہیں پیچھے ہٹایا۔ غرض برس دن یونہی معرکے ہوتے رہے۔ طاہر نے شہر کے سارے ناکوں پر فوج بٹھا رکھی تھی۔ شہر میں اناج کا ایک دانہ نہیں جانے پاتا تھا۔ لوگ فاقے کرتے تھے۔ لگاتار حملوں نے شہر کو بالکل برباد کر دیا تھا۔ جہاں اونچی عمارتیں کھڑی تھیں وہاں راکھ کے ڈھیر کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ بڑے بڑے بارونق اور آباد محلے خاک کے برابر ہو گئے تھے امین نے جو محل بنائے تھے ان کے کھنڈر میں دن کو چمگادڑیں بسیرا کرتی تھیں۔ اور رات کو الو بولتے تھے۔

جب امین کو بچنے کی امید نہ رہی تو طاہر کے پاس پیغام بھیجا کہ جان کی امان پاؤں تو تمہارے پاس چلا آؤں۔ اس نے جواب دیا کہ میں آپ کی جان بخشی کا ذمہ

نہیں لیتا۔ پھر چاہا کہ چند رفیقوں کو ساتھ لے کر راتوں رات کسی طرف نکل جائے لیکن طاہر کو معلوم ہو گیا کہ امین کے مصاحبوں کو جو اس سے ملے ہوئے تھے بلا کر ڈرایا دھمکایا کہ اگر امین جان بچا کر نکل گیا تو تمہاری خیر نہیں۔ انہوں نے امین کو اپنی پٹی پڑھائی کہ بھاگنے سے اپنے آپ کو طاہر کے حوالے کر دینا اچھا ہے امین کو طاہر پر بھروسہ نہیں تھا اس لیے اس نے ہرثمہ کے پاس جو ہارون الرشید کا نمک خوار اور عباسی سلطنت کا پرانا سردار تھا پیغام بھیجا اس نے جواب دیا کہ بسم اللہ تشریف لائیے جب تک میری جان میں جان ہے کوئی آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ امین نے اسی رات کو ہرثمہ کے پاس جانے کا ارادہ کیا لیکن اس نے کہلا بھیجا کہ طاہر کے جاسوس ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ دجلہ پر اس نے فوج مقرر کر رکھی ہے۔ آج کی رات ٹھہر جائے کل میں اپنا لشکر لے کر تیار رہوں گا۔ اگر طاہر نے کوئی روک ٹوک کی تو آپ کے قدموں میں اپنی جان نثار کر دوں گا۔ امین ایسا گھبرایا ہوا تھا کہ رات بھر انتظار نہ کر سکا۔ ہرثمہ کے پاس دوسری دفعہ قاصد دوڑایا۔ کہ یہ پہاڑ سی رات کیسے کٹے گی میں ابھی آتا ہوں۔ قاصد کو ادھر بھیج کر اپنے دونوں لڑکوں کو بلایا انہیں گلے لگا کر پیار کیا اور روتا دھوتا رخصت ہوا۔

امین جب محل سے نکلتا تھا تو ہزاروں غلام سنہری لباس پہنے اسے گھیرے ہوتے تھے۔ سر پر خلافت کا چتر سایہ کرتا جاتا تھا۔ لیکن آج کی رات وہ محل سے نکلا تو آگے آگے صرف ایک غلام تھا۔ جو شمع ہاتھ میں لیے راستہ دکھاتا جاتا تھا ہر طرف سناٹا چھایا

ہوا تھا۔شہر کے مغربی حصے سے کبھی کبھی شور وغل سا سنائی دیتا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ابھی تک برابر لڑائی ہو رہی ہے۔ دجلہ کے کنارے پہنچا تو دور سے سیاہ پانی کی سطح روشنی تھرکتی نظر آئی یہ روشنی سیاہ لہروں کو نورانی کرتی تیزی سے کنارے کی طرف بڑھی ۔پاس آئی تو معلوم ہوا کہ ہرثمہ کشتی میں سوار ہو کر اسے لینے آیا ہے۔امین کشتی میں جا بیٹھا ہرثمہ بیمار تھا آداب نہ بجالا سکا۔گھٹنوں کے بل کھڑے ہو کر معافی مانگنے لگا پھر امین کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسے دیے اور کشتی دریا کی سطح کو چیرتی ہوئی بڑھی۔ اتنے میں طاہر کے سپاہی جو گھات میں لگے ہوئے تھے ٹوٹ پڑے اتنے پتھر برسائے کہ کشتی ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہرثمہ کو تو ملاحوں نے نکال لیا لیکن امین غوطے کھانے لگا۔ آخر لباس جسے سونے چاندی کے تاروں اور جواہرات نے بوجھل کر رکھا تھا۔ پھاڑ کر پھینک دای اور تیرتا ہوا کنارے کی طرف چلا لیکن پکڑا گیا اور طاہر کے سپاہیوں نے اسے بندی خانہ میں پہنچا دیا۔

کہتے ہیں کہ اس وقت وہ صرف ایک پائجامہ پہنے ہوئے تھا۔سارا جسم بھیگا ہوا سردی سے ٹھٹھرا جاتا تھا۔تھوڑی دیر میں چند ایرانی تلواریں کھینچے آئے۔انہیں دیکھ کر امین کی رگوں میں ہاشمی خون نے جوش مارا کوئی ہتھیار تو پاس نہیں تھا ایک تکیہ پڑا تھا اسے اٹھالیا۔اتنے میں ایک شخص نے بڑھ کر اس پر تلوار کا وار کیا امین نے چاہا کہ اس کی تلوار چھین کر مرتے مرتے بہادری کے جوہر دکھاء لیکن ظالم ہر طرف سے ٹوٹ پڑے۔اور اسے تکا بوٹی کر ڈالا۔

امین ساڑھے چار سال خلافت کر کے ۱۹۸ ہجری میں مارا گیا قتل کے وقت اس کی عمر اٹھائیس سال کی تھی۔ اگرچہ امین اپنی خلافت کا سارا زمانہ راگ رنگ میں گنوا دیا۔ پھر بھی بغداد کے لوگوں نے جب اس کے قتل کا حال سنا تو سناٹے میں آ گئے۔ کچھ لوگ اس کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے لیکن طاہر کی سخاوت نے ان کا جوش ٹھنڈا کر دیا۔

☆☆☆

IqbalCyberLibrary.Net All rights reserved. ©2002-2006

نواں باب

مامون الرشید

امین کا سر مامون کے دربار میں پہنچا تو مبارک مبارک کے شور سے کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی۔ مامون کو بھی کامیابی کی خوشی اور فتح مندی کے جوش میں بھائی کی مظلومی کا خیال نہ آیا لیکن جب زبیدہ خاتون کا خط ملا جس کا ایک ایک لفظ دلوں میں طوفان اٹھاتا اور نشتر بن کر جگر میں اترا جاتا تھا تو مامون بے اختیار رو پڑا۔

فضل بن سہل جس کی تدبیروں سے مامون کو سلطنت ہاتھ آئی تھی یہ چاہتا تھا کہ مامون خراسان میں رہ کر ملک پر حکومت کرے۔ چنانچہ فضل کے کہنے پر بغداد کی فتح کے بعد بھی اس نے مرو سے قدم باہر نہ نکالا۔ ادھر ملک میں یہ خبر پھیل گئی کہ مامون محل سے باہر نہیں نکلتا۔ اور سلطنت کے سارے کام فضل کے سپرد ہیں عرب سرداروں کو یہ بات بڑی بری معلوم ہوئی جب سے عباسیوں کے ہاتھ میں حکومت آئی تھی۔ عربوں کی طاقت بہت گھٹ گئی تھی۔ اور ایرانی اور ترک سردار برابر قوت پکڑتے جاتے تھے۔ چونکہ مامون ماں کی طرف سے ایرانی تھا۔ اس لیے سب کو یہ بدگمانی ہوئی کہ ایرانی آہستہ آہستہ سیاہ و سپید کے مالک ہو جائیں گے اور یہ بات ایک حد تک سچ تھی۔ فضل

بن سہل اور اس کے بھائی بندوں کے سامنے کسی دوسرے امیر اور سردار کا چراغ نہیں جلتا تھا وہ جو چاہتے کرتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں جگہ جگہ بغاوتوں نے سر ابھارا اور شورشیں ہونے لگیں۔

بغاوتیں

فضل نے بڑا غضب یہ کیا کہ طاہر کو جس کی ہمت سے بغداد فتح ہوا تھا۔ موصل بھیج دیا۔ اور اپنے بھائی حسن بن سہل کو فارس اہواز بصرہ کوفہ حجاز اور یمن کا حاکم بنا کر بغداد بھیجا۔ اس سے ایسی حرکتیں ہوئی کہ مامون کا دوسرا سپہ سالار ہرثمہ بھی ناراض ہو کر خراسان روانہ ہو گیا۔ ادھر عراق میں ایک شخص ابو السرایا نے بغاوت کا پرچم لہرایا اور حضرت علیؓ کے خاندان کے بعض لوگوں کو ساتھ ملا کر بڑا فساد مچایا۔ حسن نے اس کے مقابلے پر کئی فوجیں بھیجیں لیکن سب نے شکست کھائی۔ اب تو کوفہ بصرہ حجاز یمن میں جگہ جگہ بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور حضرت علیؓ کے خاندان والوں نے کئی شہروں پر قبضہ کر لیا حسن نے دیکھا کہ اس فتنہ کو مٹانا آسان نہیں تو ہرثمہ کے پاس ہرکارے دوڑائے وہ راستہ سے لوٹا اور اپنی ہمت اور تدبیر کے زور سے سارے فسادیوں کو تہس نہس کر ڈالا۔ ابو السرایا جس کے دم سے یہ فساد مچا تھا مارا گیا۔ اس کے بعض ساتھی قید کر لیے گئے۔ کچھ تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔ ادھر مامون کا یہ حال تھا کہ فضل کے کانوں تک کوئی خبر پہنچنے نہیں دیتا تھا۔ بعض سرداروں نے چاہا کہ مامون کو ان شورشوں کا اصل

سبب بتا دیا جائے لیکن وہ راستہ ہی میں روک لیے گئے۔

ہرثمہ کو عراق کے معرکوں میں اچھی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ لوگ فضل اور حسن سے ناراض ہیں۔ جب تک یہ دونوں بھائی سلطنت پر چھائے ہوئے ہیں یوں ہی بغاوتیں ہوتی رہیں گی۔ اس لیے اس نے عراق کی شورش مٹانے کے بعد چاہا کہ مامون کے دربار میں حاضر ہو کر اسے اونچ نیچ سمجھائے۔ لیکن وہ ابھی راستہ ہی میں تھا کہ اتنے میں مامون کا حکم ملا کہ خراسان میں تمہاری ضرورت نہیں تم شام اور حجاز کا انتظام کرو۔ ہرثمہ سمجھ گیا کہ یہ حکم فضل نے بھجوایا ہے لیکن اسے یقین تھا کہ جب مامون کے دربار میں پہنچوں گا تو فضل کی کوئی چال نہ چل سکے گی۔ خلیفہ میری بات ضرور سنے گا۔ اس نے اس حکم کی کوئی پرواہ نہ کی اور بڑی تیزی سے مرو کی طرف بڑھا۔ فضل نے جب یہ دیکھا کہ یہ وار بھی خالی گیا تو خلیفہ کو پٹی پڑھائی۔

کہ ہرثمہ کی نیت میں فتور ہے۔ عراق کی ساری شورشیں اسی کے اشارے سے ہوتی رہی ہیں۔ حضور نے دیکھا کہ اس نے آپ کے حکم کی کوئی پرواہ نہ کی۔

ہرثمہ کا خیال تھا کہ فضل میرے آنے کی خبر خلیفہ کے کانوں تک نہیں پہنچنے دے گا۔ اس لیے اس نے مرو میں پہنچتے ہی اپنے ساتھیوں کو نقارہ بجانے کا حکم دیا۔ مامون نے فضل سے پوچھا کہ یہ شور کیسا ہے۔ اس نے کہا کہ ہرثمہ نمک حرام گرجتا ہوا آ رہا ہے۔ اتنے میں ہرثمہ پہنچا۔ مامون بھرا بیٹھا تھا۔ اس کی بات تک نہ سنی اور اسے اچھی طرح پٹوا کر قید خانہ بھجوا دیا جہاں اسے ایک رات کو اس طرح چپکے سے قتل کر دیا گیا کہ کسی کو

کانوں کان خبر نہ ہونے پائی۔ کچھ دنوں کے بعد مامون کو ہرثمہ کی یاد آئی تو فضل نے اسے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ وہ بیچارا قید خانہ میں بیمار ہو کر مر گیا۔

ابراہیم کی بغاوت

ہرثمہ کے قتل کی خبر بغداد تک پہنچی تو وہاں بڑا فساد مچا۔ فوج نے بغاوت کر دی اور حسن بن سہل کی طرف سے جو لوگ بغداد کے انتظام پر مقرر تھے انہیں نکال دیا گیا۔ حسن نے لڑ بھڑ کر بغداد پر قبضہ کرنا چاہا لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ یہ سال بغداد کے لوگوں پر بڑا سخت گزرا۔ شہر میں بدامنی دیکھ کر چوروں اور لٹیروں نے سر اٹھایا اور دن دیہاڑے لوگوں کے گھر لٹنے لگے۔ کچھ لوگوں نے حسن سے مل کر امن قائم کرنا چاہا۔ لیکن ابھی تک یہ فساد پوری طرح نہیں مٹا تھا کہ مامون سے ایک بات ایسی ہوئی جس نے عباسی خاندان کے لوگوں اور ان کے خیر خواہوں کو بے چین کر دیا۔ تم پڑھ چکے ہو کہ حضرت علیؓ کے خاندان کئی بار عباسیوں کے مقابلہ پر کھڑے ہوئے اور شکست کھائی۔ امین کے قتل کے بعد عراق میں جو شورشیں ہوئیں ان میں بھی لوگوں کا ہاتھ تھا۔ مامون نے آئے دن ان کی بغاوتوں کو یوں مٹانا چاہا کہ امام علی رضا کو جو امام موسیٰ کاظم کے فرزند اور امام جعفر صادق کے پوتے تھے اپنا ولی عہد بنا لیا۔ عباسیوں کے زمانے میں دربار کے لوگ سیاہ لباس پہنتے تھے۔ فوج کی وردی کا بھی یہی رنگ تھا۔ مامون نے حکم دیا کہ آئندہ درباریوں کے لباس کا رنگ سبز ہوا کرے کیونکہ یہ رنگ امام

رضا کے خاندان کی خاص نشانی ہے۔بغداد میں یہ خبر پہنچی تو عباسی خاندان کے لوگ جو اب تک چپ چاپ بیٹھے تھے اپنے خاندان سے حکومت جاتی دیکھ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کچھ لوگوں نے مل کر مامون کے چچا ابراہیم کو خلافت کی مسند پر بٹھا دیا۔اب حسن بن سہل سے پھر لڑائیاں ہونے لگیں۔اور ابراہیم نے کوفہ تک سارے علاقے پر قبضہ کرلیا۔لیکن مامون کی بے خبری کا یہ حال تھا کہ اسے ابراہیم کی بغاوت کی خبر تک نہیں ہونے پائی دربار کے لوگ ساری باتیں جانتے تھے لیکن فضل راستہ روکے کھڑا تھا۔کسی کی مجال نہ تھی کہ خلیفہ کے کانوں تک اصل واقعات پہنچا سکے۔آخر امام علی رضا نے خود مامون سے جا کر کہا کہ میرے ولی عہد بننے کی خبر سن کر آپ کے خاندان کے لوگ بگڑ گئے ہیں۔اورانہوں نے مل کر آپ کے چچا ابراہیم کو خلیفہ بنالیا ہے۔

مامون یہ سن کر چونک پڑا۔اور کہنے لگا کہ فضل نے تو مجھے یہی بتایا ہے کہ ابراہیم کو صرف بغداد کا حاکم مقرر کیا گیا ہے۔

امام رضا نے فرمایا فضل ہی نے تو یہ سارا فساد مچا رکھا ہے۔بغداد میں بر س روز سے لڑائیاں ہو رہی ہیں لیکن اس نے آپ کو ان ہنگاموں کی خبر تک نہیں ہونے دی۔ یہ باتیں ہر شخص جانتا ہے۔لیکن فضل کے ڈر سے کسی کو آپ سے کہنے کی جرات نہیں ہوتی۔

مامون نے اپنے درباریوں کو بلوایا۔تو انہوں نے ڈرتے ڈرتے کہا کہ ہاں یہ باتیں آپ کے سوا سب کو معلوم ہیں۔ہرثمہ یہی عرض کرنے آیا تھا کہ لیکن فضل نے

پہلے اسے ذلیل کرایا پھر چپکے سے قتل کر ڈالا۔ یہ سن کر مامون نے اسی وقت بغداد کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ فضل کو جب یہ معلوم ہوا کہ سارا کھیل بگڑ گیا تو اس نے سب امیروں اور سرداروں کو جنہوں نے مامون سے اس کی شکایت کی تھی۔ سخت سزائیں دیں کسی کو کوڑوں سے پٹوایا کسی کو قید میں ڈال دیا اور جو ان ذلتوں سے بچ رہے ان کی ڈاڑھیاں نچوادی گئیں۔

مامون لشکر لے کر بغداد کی طرف چلا اور سرخس کے شہر میں پہنچ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ یہاں فضل غسل کرنے کے ارادہ سے حمام میں گیا لیکن وہاں کچھ لوگ اس کی گھات میں پہلے ہی بیٹھے تھے۔ فضل نے حمام میں قدم ہی رکھا تھا کہ اسے گھیرے میں لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ قاتل پکڑے گئے اور مامون کے حکم سے انہیں بھی موت کی سزا دی گئی۔ اصل میں مامون کی خلافت فضل کے قتل کے دن سے شروع ہوتی ہے ورنہ اب تک اس کے نام پر فضل حکومت کرتا رہا تھا۔

مامون طوس پہنچ کر کچھ عرصہ کے لیے ٹھہر گیا۔ کیونکہ ہارون الرشید یہیں دفن ہوا تھا۔ طوس میں ایک حادثہ پیش آیا۔ یعنی حضرت امام علی رضا جو اس سفر میں مامون کے ساتھ تھے اچانک انتقال کر گئے۔ مامون کو ان کی موت کا بہت افسوس ہوا ان کے جنازے کے ساتھ ننگے سر روتا ہوا گیا اور تین دن تک ان کے مزار میں بیٹھا رہا مامون نے امام رضا کا بڑا عالیشان مزار بنوایا۔ یہ مزار مشہد مقدس کے نام سے مشہور ہے اور دور دور سے لوگ اس کی زیارت کرنے جاتے ہیں۔

مامون بغداد میں

مامون سے کچھ لوگ تو اس لیے بگڑے ہوئے تھے کہ اس نے فضل کو سلطنت کے سیاہ و سپید کا مالک بنا رکھا تھا۔ اور بعض لوگ حضرت امام علی رضا کے ولی عہد بننے پر ناراض تھے۔ اب یہ دونوں اس دنیا میں نہیں رہے تھے اس لیے لوگوں نے آہستہ آہستہ ابراہیم کا ساتھ چھوڑ دیا۔ مامون نہرواں پہنچا تھا کہ بغداد سے کچھ فوجی افسر اور عباسی خاندان کے بعض شہزادے پہنچے۔ مامون کا مشہور سپہ سالار طاہر بھی آیا۔ اب تک درباری سبز رنگ کا لباس پہنتے تھے۔ طاہر کے کہنے پر دربار کے لباس کا رنگ سبز کی جگہ سیاہ کر دیا گیا اس پر سب لوگ خوش ہو گئے۔

ابراہیم اب تک قدم جمائے مامون کے سرداروں سے لڑ رہا تھا۔ لیکن بغداد میں مامون کے آنے کی خبر مشہور ہوئی تو اس کا زور خود بخود ٹوٹ گیا لیکن وہ بھی عباسی خاندان کا شہزادہ تھا۔ بڑی ہمت سے لڑتا رہا۔ آخر ہر طرف سے ناامیدی ہو گئی تو بھاگ نکلا۔ اور ایسا غائب ہوا کہ آٹھ سال تک اس کا کوئی کھوج نہ ملا۔ غرض مامون بغداد میں پہنچا تو بالکل امن ہو چکا تھا۔ بغداد کے لوگوں نے جو چھ سات سال سے مصیبت میں گرفتار تھے بڑی دھوم دھام سے مامون کا استقبال کیا۔ سارا شہر شادی بیاہ کا گھر معلوم ہوتا تھا۔ چھوٹے بڑے زرق برق لباس پہنے نظر آتے تھے۔ گلی کوچے رنگا رنگ بیرقوں سے سجے تھے۔ ہر گھر سے خوشی کے گیتوں اور مسرت کے ترانوں کی

آوازیں آ رہی تھیں۔ اب تک مامون کو دولت کا نشہ اور سلطنت کے غرور میں امین کا خیال نہیں آیا تھا۔ لیکن بغداد پہنچ کر جب اس نے امین کے محلوں کے کھنڈر دیکھے شاعروں نے اس کے قتل پر جو درد بھرے مرثیے لکھے تھے ان کی صدائیں کانوں تک پہنچیں ساتھ ہی وہ مقام بھی نظروں سے گزرے جہاں دونوں بھائیوں نے کھیل کود کر بچپن کا زمانہ گزارا تھا تو دل بھر آیا۔ اتنے میں زبیدہ غم کی تصویر بنی مبارکباد دینے آئی۔ اور مامون کا سر شرم سے جھک گیا۔ اگرچہ طاہر نے بڑی خیر خواہی دکھائی تھی۔ لیکن امین کے قتل کے جرم آسانی سے بھلایا نہیں جا سکتا تھا۔ اس لیے جب طاہر سامنے آتا تو مامون کو بھائی کا قتل یاد آ جاتا تھا۔ طاہر بڑا عقلمند شخص تھا۔ فوراً بھانپ گیا کہ خلیفہ کو میرا دربار میں رہنا ناگوار ہے۔ اس لیے کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ کہ مامون کی آنکھوں سے دور بھی ہوں اور مرتبہ میں فرق بھی نہ آئے۔ آخر مامون نے اپنے وزیر کی سفارش سے اسے خراسان کا حاکم مقرر کر دیا۔ اس نے وہاں دو سال حکومت کر کے انتقال کیا اور اس کی جگہ اس کی بیٹا خراسان کا حاکم مقرر رہوا۔

طاہر تلوار اور قلم دونوں کا دھنی تھا۔ عربی کی عبارت ایسی صاف ستھری لکھتا تھا کہ جسے پڑھ کر اس زمانے کے بڑے بڑے عالم حیران رہ جاتے تھے۔ سلطنت کے طور طریقوں اور انتظام کی تدبیروں سے بھی خوب واقف تھا۔ اس نے ایک مرتبہ اپنے بیٹے عبداللہ کے نام خط لکھا جس میں اسے **ملک** کے انتظام کے متعلق بہت سی کارآمد نصیحتیں کی گئی تھیں۔ مامون کی نظر سے یہ خط گزرا تو ایسا خوش ہوا کہ اس کی نقلیں کروا

کے صوبوں کے حاکموں کو بھجوائیں۔

بغاوتیں

اگرچہ اب ملک میں بالکل امن و امان ہو چکا تھا پھر بھی شورشیں ہوتی رہیں۔ افریقہ میں بغاوت ہوئی۔ جو بڑی مشکل سے دبائی گئی حضرت علیؓ کے خاندان کے ایک شخص نے یمن میں بغاوت کر دی جو آسانی سے مٹ گئی۔ حلب کے ایک سردار نصر نے امین کے خون کا بدلہ لینے کے لیے بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر دیا۔ اور عرب کے بہت سے قبیلوں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ لیکن طاہر کے بیٹے عبداللہ نے جو اپنے باپ کی طرح بڑا بہادر سردار تھا نصر کو ایسا تنگ کیا کہ آخر میں اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

جن دنوں امین اور مامون کی لڑائی چھڑی ہوئی تھی۔ زط قوم کے لوگوں نے بصرہ کے راستہ پر قبضہ کر لیا۔ اور ادھر سے جو قافلے گزرتے تھے انہیں لوٹنے لگے یہ لوگ اصل میں ہندوستان کے جاٹ تھے۔ جو مسلمان ہو کر خلیج فارس کے آس پاس کے علاقہ میں بس گئے تھے۔ زط جاٹ یا جٹ کا بگڑا ہوا ہے بغداد پہنچنے کے بعد مامون نے انہیں سزا دینے کے لیے فوجیں بھیجیں۔ وہ شکست کھا کر پہاڑوں میں چھپ گئے جب موقع ملتا تھا نکل کر لوٹ مار شروع کر دیتے تھے۔ مامون کے جانشین معتصم نے اپنے زمانے میں سب کو گرفتار کر کے رومی سرحد کے پاس بھیج دیا۔ انہیں بہت سی زمین دی گئی اور وہاں وہ کھیتی باڑی کرنے لگے۔

انہیں دنوں آذر بائیجان میں ایک شخص با بک خرمی نے سر اٹھایا۔ اور ایسی لوٹ مار شروع کی کہ اس کے خوف سے راستے بند ہو گئے۔ مامون نے اس کے مقابلہ میں فوجیں بھیجیں۔ لیکن اس علاقے میں ہر طرف جنگل اور پہاڑ پھیلے ہوئے تھے جن کے پیچیدہ راستوں سے شاہی فوج بالکل بے خبر تھی۔ بابک جب موقع دیکھتا تو ان پہاڑوں کی کھوج پر آ نکلتا۔ مامون نے عبداللہ بن طاہر کو چڑھائی کا حکم دیا۔ بابک نے گھبرا کر رومیوں سے مدد مانگی۔ انہوں نے اسلامی علاقے پر حملہ کر دیا۔ اور مسلمانوں کی توجہ بابک کی طرف سے ہٹ گئی آخر معتصم کے زمانے میں یہ فتنہ مٹا۔ معتصم کے ذکر میں ہم بابک کے دلچسپ حالات بیان کریں گے۔

بوران سے مامون کا بیاہ

بوران حسن بن سہل کی بیٹی اور فضل کی بھتیجی تھی۔ مامون سے اس کی منگنی مرو میں ہی ہو چکی تھی۔ لیکن بیاہ کی رسم بغداد پہنچ کر ادا کی گئی۔ کتابوں میں اس شادی کی دھوم دھام کا حال پڑھ کر حیرت ہوتی ہے۔ حسن بغداد سے کچھ فاصلہ پر ایک قصبہ میں تھا۔ برات بغداد سے چل کر وہاں گئی۔ حسن نے سترہ دن تک براتیوں کو مہمان رکھا۔ دولہا کو جس مسند پر بٹھایا گیا وہ سونے کے تاروں سے بنی ہوئی تھی۔ اور اس میں لعل یاقوت اور ہیرے ٹکے تھے۔ اس سے زیادہ عجیب چیز سونے کا ایک شمعدان تھا جس کا وزن آج کل کے حساب سے کوئی چالیس سیر ہو گا۔ اس میں عنبر کی شمعیں جلتی تھیں۔ زبیدہ

اس کی بیٹی اور عباسی خاندان کی جو دوسری شہزادیاں اس بیاہ میں شریک ہوئی تھیں ان سب کو قیمتی تحفے دیے گئے۔ نکاح کے وقت غلام سونے کے ایک طشت میں ایک ہزار موتی جو مول تو میں جواب نہ رکھتے تھے لے کر آئے اور چھم چھم موتیوں کا مینہ برس گیا۔

برات رخصت ہونے لگی تو حسن نے سارے براتیوں کو کمخواب اور زربفت کے خلعت دیے۔ پھر غلاموں کو حکم دیا کہ وہ مٹھیاں بھر بھر کر مشک کی گولیاں پھینکنے لگے۔ ہر گولی میں ایک پرزہ تھا کسی پر جاگیر یا گاؤں کسی پر لونڈی غلام کسی پر گھوڑے کا نام لکھا تھا۔ جس کے ہاتھ جو پرچہ پڑا۔ اس پر جو لکھا تھا خزانچی نے فوراً حاضر کر دیا۔

بوران بڑی عقل مند اور حسین خاتون تھی۔ اس نے اپنے خرچ سے بغداد میں عورتوں کے لیے کئی شفا خانے بنوائے اسے رعایا کے غریب اور مفلس لوگوں کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اور جی کھول کر ان کی مدد کرتی تھی۔

ابراہیم کی گرفتاری

مامون کا چچا ابراہیم جو دو سال تک بغداد کا حاکم رہا تھا مدت سے چھپا ہوا تھا لیکن اس کے ساتھی برابر اسے خلافت کی مسند دلانے کی کوششیں کر رہے تھے۔ مامون کو اس سازش کا حال معلوم ہوا تو ان سب کو گرفتار کر کے قید خانے میں بھیج دیا گیا۔ وہ وہاں بھی نچلے نہ بیٹھے۔ اور دیوار توڑ کر نکل جانے کا ارادہ کیا۔ آخر مامون کے حکم سے انہیں قتل کر دیا گیا اب ابراہیم کی تلاش شروع ہوئی اور ڈھنڈورا پٹوا دیا گیا کہ جو شخص

ابراہیم کو گرفتار کر کے لائے گا اسے ایک لاکھ درہم انعام میں دیے جائیں گے۔

ابراہیم بغداد ہی میں چھپا ہوا تھا۔ جب اسے یہ خبر ملی تو اس نے خیال کیا کہ بغداد میں رہنا مشکل ہے گرمی کے دن تھے۔وہ دوپہر کو گھر سے نکل کھڑا ہوا اور پھرتا پھراتا ایک گلی میں پہنچا۔ ایک حبشی غلام نے اسے اپنے ہاں پناہ دی اور بڑے ادب سے پیش آیا۔لیکن رات کو غلام کی باتوں سے معلوم ہوا کہ وہ اسے اچھی طرح پہچانتا ہے۔ یہ دیکھ کر ابراہیم کے ہوش گم ہو گئے۔لیکن غلام نے تسلی دی اور کئی دن تک اپنے ہاں مہمان رکھا۔ ابراہیم کو گرفتاری کا کھٹکا لگا ہوا تھا۔ زنانہ لباس پہن کر پھر نکلا۔ راستے میں ایک شخص نے اسے پہچان کر شور مچا دیا۔مگر ایک نیک دل عورت نے اسے اپنے مکان میں چھپا لیا۔اور تین دن اپنے ہاں رکھا۔ چوتھے دن یہاں سے بھی نکلا۔اس کا ارادہ تھا کہ کسی طرح بغداد سے چلا جائے۔لیکن راستے رکے ہوئے تھے۔قدم قدم پر خطرہ تھا۔اس حالت میں اپنی ایک کنیز کا خیال آیا جس پر اس نے اپنی خلافت کے زمانے میں بہت احسان کیے تھے اور سیدھا اس کے مکان پر پہنچا۔ وہ اسے دیکھ کر بہت روئی دھوئی۔پھر یہ کہہ کر کہ آپ بیٹھیے میں ابھی آتی ہوں باہر چلی گئی تھوڑی دیر بعد پولیس کے سپاہی لے کر آئی اور ابراہیم کو ان کے حوالے کر دیا۔ ابراہیم ابھی تک زنانہ لباس میں تھا۔ اسی حالت میں مامون کے سامنے پہنچا۔ مامون نے درباریوں سے پوچھا کہ ابراہیم کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہیے۔سب نے کہا کہ اسے فوراً تلوار کے گھاٹ اتار دیا جائے لیکن وزیر نے جان بخشی کی سفارش کی۔ ابراہیم نے بھی ایسی

باتیں کہیں کہ مامون کا دل پسیج گیا اور ابراہیم کی جان بخش دی گئی۔

کریٹ اور سسلی کی فتح

مامون کے زمانے میں کابل فتح ہوا۔سندھ کے علاقے میں بھی بعض نئے شہر ہاتھ آئے۔ایک دفعہ اس کی فوجیں تبت اور کشمیر پر بڑھیں۔اور کئی شہر فتح کیے۔تبت کا ایک رئیس ایک بت کی پوجا کرتا تھا۔جس کے سر پر سونے کا تاج تھا۔اور اس میں قیمتی یاقوت اور ہیرے جڑے ہوئے تھے یہ بت چاندی کے جڑاؤ تخت پر بیٹھا رہتا تھا۔یہ رئیس مسلمان ہو گیا اور وہ بت اور تخت مامون کے پاس بھیج دیے۔لیکن مامون کے زمانے کی لڑائیوں میں کریٹ اور سسلی کے معرکے بہت مشہور ہیں۔یہ دونوں بحیرہ روم کے جزیرے ہیں۔جنہیں مسلمانوں نے بڑی ہمت سے فتح کیا اور وہ مدت تک اسلامی حکومت میں شامل رہے۔کریٹ تو آسانی سے ہات آ گیا لیکن سسلی میں دیر تک لڑائیاں ہوتی رہیں۔ان معرکوں میں اسلامی فوج کا سردار اسد بن فرات تھا جسنے سسلی ک اکثر شہروں پر فتح کا جھنڈا گاڑ دیا۔ایک دفعہ سسلی میں وبا پھیلی اسد نے بیمار ہو کر انتقال کیا۔ادھر سے روم کے بادشاہ نے سسلی کے عیسائیوں کی مدد کے لیے فوجیں بھیجیں۔جنہوں نے تمام راستے روک لیے۔مسلمان ناامید ہو کر مرنے مارنے پر تل گئے اور اس بہادری سے لڑے کہ سارے دشمنوں کو بھگا دیا۔

روم پر حملے

ہم بیان کر چکے ہیں کہ جن دنوں بابک سے جنگ چھڑی ہوئی تھی رومی اسلامی علاقے پر چڑھ آئے تھے۔ مامون کو معلوم ہوا تو خود فوج لے کر مقابلے پر نکلا۔ اور ان کے بہت سے قلعوں کو فتح کر کے اقبال کا پھریرا اڑاتا دمشق پہنچا۔ اتنے میں خبر ملی کی روم کے بادشاہ نے دو ہزار مسلمانوں کو قتل کر دیا ہے۔ مامون کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ بڑے غصہ میں پلٹا۔ رومی اپنے گھروں میں نچنت بیٹھے تھے کہ نقارے کی آواز آئی۔ گھبرا کر گھروں سے باہر نکلے تو دیکھا کہ عباسی پرچم لہرا رہا ہے۔ اور ہر طرف فوجوں کا بادل ہی بادل چھایا ہوا ہے۔ اب مامون نے شہر پر شہر فتح کرنا شروع کیا جو رومی سردار سامنے آیا اسے مار بھگایا۔ مامون کے بھائی ابو اسحاق معتصم نے ان لڑائیوں میں بڑی شجاعت دکھائی۔ روم کا بادشاہ خود بڑے لاؤلشکر کے ساتھ مقابلہ پر آیا لیکن معتصم نے اس کا سارا سامان لوٹ لیا۔ مامون نے روم کی سرحد پر طوانہ کی چھاؤنی بسائی جہاں ہر وقت فوج موجود رہتی تھی۔ اس طرح رومیوں کے حملوں کی روک تھام کا بہت اچھا انتظام ہو گیا۔

مامون کی وفات

مامون تیسری دفعہ لشکر لے کر روم کی طرف بڑھ رہا تھا کہ راستہ میں طرطوس کا شہر

آیا۔ مامون وہیں اتر پڑا۔ طرسوس میں پانی کی ایک نہر تھی جہاں شام کو شہر بھر کے لوگ اکٹھے ہوتے تھے۔ ایک دن مامون کے بھائی معتصم اور ایک مصاحب کو ساتھ لے کر اس نہر کی سیر کو نکلا۔ صاف اور ٹھنڈا پانی ہلکورے لیتا ہوا بہہ رہا تھا اس کے بہنے سے ہلکی ہلکی آواز میٹھے گیت کی طرح کانوں کو بھلی معلوم ہوتی تھی۔ مامون اور اس کے ساتھی اس کے کنارے پر بیٹھ گئے اور پاؤں نہر میں لٹکا دیے۔ مامون کہنے لگا کیا اچھا ہو کہ اس وقت کہیں سے تازہ کھجوریں مل جائیں۔ یہ الفاظ اس کی زبان سے نکلے ہی تھے کہ گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز آئی۔ معلوم ہوا کہ بغداد سے ڈاک آئی ہے اور ضروری کاغذات کے ساتھ کھجوریں بھی ہیں۔ سب نے مل کر بڑے شوق سے کھجوریں کھائیں۔ اور نہر کا ٹھنڈا پانی پیا۔ لیکن اٹھے تو تینوں کو بخار چڑھ آیا۔ یہ بخار مامون کی جان لے کر ہی ٹلا۔ چنانچہ اس نے پچیس سال حکومت کر کے ۱۸ رجب ۲۱۸ ہجری کو انتقال کیا۔ اور طرسوس ہی میں دفن ہوا۔

مامون کا اخلاق اور عادات

مامون کی چال ڈھال عادات اور اخلاق پر غور کرو تو ہارون کے سوا باقی عباسی خاندان کے فرمانرواؤں میں کوئی بھی اس کا ہمسر نظر نہیں آتا۔ سخاوت میں تو وہ اپنے باپ سے بھی بڑھ گیا تھا ایک ایک شعر پر لاکھوں روپے دے ڈالنا اس کے لیے معمولی بات تھی۔ اس کا بڑے سے بڑا دشمن بھی اس کے سامنے جاتا تو اسے معاف کر دیتا تھا۔

فضل بن ربیع نے بڑے بڑے فساد اٹھائے۔ امین کو سکھا پڑھا کر مامون کے لڑا دیا۔ پھر بھی مامون نے اسے معاف کر دیا۔ ایک دن دجلہ کے کنارے امیروں اور وزیروں کے جھرمٹ میں بیٹھا تھا کہ سامنے پردے پڑے ہوئے تھے کہ ایک ملاح کی کشتی گزری۔ ملاح کہہ رہا تھا کہ مامون جس نے اپنے بھائی کو قتل کر ڈالا ہماری نظروں میں کیونکر عزت حاصل کر سکتا ہے۔ مامون سن کر مسکرا پڑا۔ اور اپنے سرداروں سے کہنے لگا کہ کوئی ایسی تدبیر بتاؤ کہ یہ شخص میری عزت کرنے لگے۔

مامون کی طبیعت میں سادگی بہت تھی۔ قاضی یحیٰی جو اس زمانے کے مشہور عالم تھے۔ ایک رات اس کے مہمان تھے۔ آدھی رات کو انہیں پیاس لگی اور پانی مانگا۔ مامون خود اٹھ کر دوسرے کمرے سے پانی لایا۔ اور انہیں پلایا کبھی کبھی ایسا ہوتا تھا کہ دن بھر تھکے ہارے غلام سو جاتے تھے اور شمعیں بجھ جاتی تھیں مامون خود اٹھ کر انہیں روشن کرتا تھا۔

اتوار کو عام دربار لگتا تھا۔ جس میں ہر شخص بلا روک ٹوک آ سکتا تھا۔ ایک دن ایک بڑھیا جس کے چہرے پر مایوسی برس رہی تھی چیتھڑے لٹکائے آئی اور چلا کر کہنے لگی کہ ایک ظالم نے میری ساری پونجی چھین لی ہے۔ مامون نے پوچھا کہ تم پر یہ ظلم کس نے کیا ہے؟ بڑھیا نے شہزادہ عباس کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ گناہگار آپ کے پہلو میں کھڑا ہے حکم دیا کہ شہزادے کو بڑھیا کے ساتھ کھڑا کر دو۔ پھر دونوں کے بیان سنے شہزادے کی یہ حالت تھی کہ چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا تھا۔ بات کرنے میں

زبان لڑکھڑاتی تھی۔لیکن بڑھیا چلا چلا کر باتیں کرتی تھی۔وزیر نے روکا کہ بادشاہوں کے سامنے یوں باتیں نہیں کیا کرتے۔مامون نے کہا نہیں اسے کہنے دو سچائی نے اس کی زبان تیز کر دی ہے۔اور عباس کو گونگا بنا دیا ہے۔آخر بڑھیا کا حق ثابت ہو گیا اور شہزادے نے اس کی کوڑی کوڑی ادا کر دی۔

حکومت کا انتظام

جب تک مامون خراسان میں رہا۔سلطنت کے کاموں سے اس کا تعلق نہیں تھا۔ لیکن بغداد پہنچ کر اس کی حالت بالکل بدل گئی حکومت کا سارا کاروبار خود سنبھالا۔ور ہر چیز کی دیکھ بھال کرنے لگا۔سارے بڑے بڑے شہروں میں اس کے جاسوس مقرر تھے۔جو ذرا ذرا سی بات اس تک پہنچا دیتے تھے۔اس نے ان جاسوسوں کی نگرانی پر بھی کچھ لوگ مقرر کر رکھے تھے تاکہ ان کا جھوٹ سچ معلوم ہوتا رہے۔اس پر بھی اطمینان نہ ہوا تو خود سارے ملک کا دورہ کیا۔جہاں پڑاؤ ڈالتا آس پاس کے علاقے کے لوگ حاضر ہوتے۔ان کی شکایتیں سنتا گناہگاروں کو سزائیں دیتا۔اس کے زمانے میں لولے لنگڑوں بیواؤں اور یتیموں کو خزانے سے وظیفے ملتے تھے۔اتنے بڑے ملک میں ایک شخص بھی بھوکا ننگا نظر نہیں آتا تھا۔شہروں اور صوبوں کے حاکموں کا فرض تھا کہ ان کے علاقے میں جو شخص مفلس نظر آئے اس کا وظیفہ مقرر کر دیں یا کسی کام پر لگا دیں۔

تم جانتے ہو کہ عباسیوں نے خراسان والوں کی مدد سے حکومت حاصل کی تھی اس لیے بنی عباس میں جتنے خلیفے ہوئے ہیں ان سب نے ایرانیوں کو بڑھایا اور عربوں کو گھٹایا۔ مامون ماں کی طرف سے خراسانی تھا۔ اس لیے اس کے زمانے میں ایرانیوں کا زور اور بھی بڑھ گیا۔ سلطنت کے سارے بڑے بڑے عہدوں پر ایرانی مقرر تھے۔ فوج پر تو وہ بالکل چھائے ہوئے تھے۔ مامون کے زمانے میں بہت سے ترک بھی فوج میں بھرتی ہوئے کئی ترک غلاموں نے بڑی شہرت اور ناموری حاصل کی۔ اور کچھ عرصہ کے بعد یہ حال ہوا کہ شاہی محل کے اندر باہر ترک ہی ترک نظر آنے لگے۔

مامون کی فوج میں دولاکھ سپاہی ہر وقت موجود رہتے تھے۔ مختلف صوبوں کی فوج اس کے علاوہ تھی۔ جب جنگ چھڑتی تو بہت سے لوگ خدا کی راہ میں لڑکر ثواب حاصل کرنے کی نیت سے اس فوج میں شامل ہو جاتے تھے۔ تیونس میں جو افریقہ کے ساحل پر ہے جنگی جہازوں کا ایک بڑا کارخانہ عبدالملک کے زمانے سے چلا آتا تھا۔ مامون کے زمانے میں اس کارخانے کو بہت ترقی ہوئی۔ سسلی پر حملہ کرنے کے لیے سو جنگی جہاز بھیجے گئے۔ یہ جہاز اسی کارخانہ میں بنے تھے۔

علم کی قدر دانی

مامون خود بڑا عالم اور عالموں کا قدر دان تھا۔اس کے زمانے میں ملک ملک کے عالم کھینچ کر بغداد پہنچے اور خزانے سے ان کے وظیفے مقرر کر دیے گئے۔ہارون کے زمانے میں یونان ایران اور ہندوستان کی کتابوں کے ترجمے کا جو کام شروع ہو چکا تھا۔مامون نے اسے بہت ترقی دی۔روم کے بادشاہ کو خط لکھا کہ پرانے یونانی داناؤں کی جتنی کتابیں ملیں ہمارے پاس بھجوا دو۔اس زمان میں روم کے لوگوں کو زیادہ علم کا شوق نہیں تھا۔بڑی تلاش کے بعد ایک پادری نے بتایا کہ روم کے ایک بادشاہ نے اس دیس کے پرانے عقل مندوں کی بہت سی کتابیں اک مکان میں رکھ کرا سے قفل لگا دیا ہے۔تا کہ لوگ انہیں پڑھ کر عیسائی مذہب نہ چھوڑ بیٹھیں۔یہ مکان کھول کر کتابیں نکالی گئیں۔بادشاہ نے درباریوں سے پوچھا کہ انہیں بغداذ بھیج دیا جائے یا یہیں رکھا جائے۔انہوں نے کہا اس بلا کو مسلمانوں کے حوالے ہی کر دینا چاہیے کیونکہ اس قسم کی کتابوں کا شوق بازوؤں کو سست اور تلواروں کو کند کر دیتا ہے۔ساتھ ہی مذہبی جوش بھی ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔چنانچہ یہ خزانہ بغداد پہنچا اور اس میں اچھی اچھی کتابیں چھانٹ کر ان کے ترجمہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ہندوستان کے ایک راجہ نے بھی حکیم دوبان کو جو اس زمانے میں ہندوستان کا مشہور عالم تھا مامون کے پاس بھیجا۔اس نے نوشیرواں کے محل سے ایک کتاب ڈھونڈ نکالی۔جو صندوق میں رکھ کر زمین میں دفن کی

گئی تھی اس کتاب میں ایسی ایسی باتیں لکھی تھیں کہ جو سنتا حیران رہ جاتا تھا۔ شام اور مصر اور ایران سے کتابیں منگوائی گئیں اور عربی میں ان کا ترجمہ کیا گیا۔ دواؤں کی خاصیتوں ستاروں کی گردش کے حساب اور عربی زبان کی صرف ونحو کے متعلق بہت سی کارآمد کتابیں لکھی گئیں۔ ایک مرتبہ مامون نے حکم دیا کہ زمین کی پیائش کی جائے۔ عالموں نے حساب لگا کر نتیجہ نکالا کہ زمین کو گھیر چوبیس ہزار میل ہے۔ یہ کام ہو چکا تو آسمان کی طرف توجہ ہوئی اور ستاروں کے حالات دریافت کیے گئے۔

منگل کو کچھ دن چڑھے ہر مذہب کے عالم اور ہر فن کے کامل مامون کے محل میں جمع ہوتے تھے سب لوگ بے تکلفی سے ریشمی فرش پر جا بیٹھتے کھانا آتا دستر خوان بڑھایا جاتا تو سب وضو کر کے عطر ملتے اور بحث شروع ہوتی۔ مامون اس مجلس میں اور لوگوں کے ساتھ اس طرح زانو سے زانو ملا کر بیٹھتا گویا سب کے سب بے تکلف دوست ہیں۔ ہر شخص نہایت آزادی سے گفتگو کرتا۔ ان بحثوں میں مامون خود بھی حصہ لیتا۔ کبھی قرآن کی آیتوں کا مطلب بیان کرتا' کبھی دواؤں کی خاصیتوں کی بحث چھیڑ دیتا۔ کبھی ستاروں کی گردش کے متعلق باتیں ہوتیں۔ اور سارے عالم اس کا علم اور تجربہ دیکھ کر حیران رہ جاتے۔ دوپہر تک یوں ہی محفل گرم رہتی پھر کھانا آتا۔ اور سب لوگ کھا پی کر رخصت ہو جاتے۔ لیکن یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ مامون ایسے روشن خیال خلیفہ نے بعض چھوٹی چھوٹی مذہبی باتوں میں مسلمانوں پر سختیاں بھی کی ہیں۔ اس زمانے میں معتزلہ اسلام کا ایک مشہور فرقہ تھا۔ اس فرقہ کے لوگ بعض معمولی

باتوں میں عام مسلمانوں سے نہیں ملتے تھے۔ مامون پر معتزلہ کے خیالات کا گہرا اثر تھا۔ اس نے حکومت کے رعب سے اس فرقہ کے عقیدوں کو منوانا چاہا اور جو لوگ نہ مانے ان پر بڑے ظلم کیے۔ امام احمد حنبلؒ جو اس زمانے کے مشہور عالم تھے مامون کی سخت مخالفت کی۔ وہ اس جرم میں پکڑے گئے اور مدت تک قید خانے میں رہے۔ ان کے علاوہ کئی دوسرے عالم بھی گرفتار ہوئے۔ ابھی ان کو سزا کا حکم نہیں سنایا گیا تھا کہ زمانے نے نیا ورق الٹا یعنی مامون کا انتقال ہو گیا اور اس کی جگہ اس کا بھائی ابو اسحاق معتصم خلافت کی مسند پر بیٹھا۔

☆☆☆

All rights reserved ©2002-2006

دسواں باب

معتصم۔ واثق۔ متوکل

معتصم باللہ

مامون نے بیٹے کو چھوڑ کر بھائی کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ اس پر فوج بگڑی اور ہر طرف سے آوازیں آنے لگیں کہ شہزادہ عباس کے ہوتے ہوئے معتصم ہرگز خلیفہ نہیں بن سکتا۔ اس وقت عباس طوانہ کی چھاؤنی میں تھا۔ فوج کے بڑے بڑے سردار اس کے طرف دار تھے۔ خاص طور پر عرب سپاہی تو سب کے سب اسی کا دم بھرتے تھے۔ معتصم نے عباس کو بلا بھیجا۔ اس نے آتے ہی معتصم کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اس طرح فوج کی شورش بالکل دب گئی۔ اب معتصم نے طوانہ کی چھاؤنی کو گرا دینے کا حکم دیا۔ جو لوگ وہاں آباد کیے گئے تھے انہیں اپنے اپنے گھروں کو بھیج دیا۔ ان کاموں سے فرصت پائی تو بغداد پہنچ کر بڑی دھوم دھام سے دربار کیا۔ فوج کے سرداروں کو انعام اور خلعت دیے۔ سخاوت سے سلطنت کے خیر خواہوں کے حوصلے بڑھائے۔ اور اطمینان سے حکومت کرنے لگا۔

ترک غلاموں کا عروج

معتصم بالکل اکھڑ سپاہی تھا۔ اسے نہ علم تھا ذوق نہ بحث مباحثوں کا شوق۔ مامون کی حکومت کے زمانے میں مصر اور شام کا حاکم رہا تھا۔ روم کی لڑائیوں میں بھی اس نے بڑی بہادری دکھائی۔ معتصم کو فوجی طاقت کے بڑھانے کا خیال تھا۔ مامون کے عہد میں ہی ترک غلام کثرت سے فوج میں بھرتی ہو چکے تھے۔ معتصم کے عہد میں ترکوں کا بہت زور بڑھ گیا۔ ترکوں کی فوج جس میں فرغانہ اور ماوراء النہر کے علاوہ یمن' مصر اور ساحل افریقہ کے سپاہی شامل تھے ایرانیوں اور عربوں کی فوج سے بالکل الگ تھی۔ اس فوج کے افسر بھی ترک تھے۔ جن میں افشین ایاخ' اشناس بڑے بہادر سردار گزرے ہیں۔ اس فوج کی وردی بھی دوسری فوجوں سے اعلیٰ تھی۔ ترک سپاہیوں کا لباس ریشمی ہوتا تھا جس میں سونے کے زرو زردتار عجب بہار دکھاتے تھے۔ پیٹیاں بھی سنہری ہوتی تھیں۔ معتصم کی مہربانیوں نے ترکوں کے مزاج بگاڑ دیے تھے۔ وہ بغداد کی سڑکوں پر اس طرح سرپٹ گھوڑے دوڑاتے تھے کہ عورتیں بچے ان کے سموں تلے کچلے جاتے تھے۔ جب ترک سپاہی شہر میں سے گزرتے تھے تو لوگ مارے ڈر کے گھروں کے دروازے بند کر لیتے تھے۔ شہر والوں سے ترکوں کے جھگڑے بھی ہوتے رہتے تھے خراسانی سپاہی جو ترکوں کا عروج دیکھ دیکھ کر جلتے تھے' ہمیشہ اس قسم کے موقعوں کی تاک میں رہتے تھے۔ جہاں کسی ترک سپاہی سے شہر کے لوگوں ہوا یہ

شہر والوں کی حمایت پر کمر بستہ ہو گئے۔ ان جھگڑوں میں کوئی ترک مارے گئے۔ شہر کے اکثر لوگ بھی تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔ ایک دن معتصم ترک سپاہیوں کے جھرمٹ میں شہر سے گزر رہا تھا کہ ایک بوڑھے عرب نے راستہ روک کر کہا اے ابو اسحاق ترک سپاہی اس کی طرف جھپٹ لیکن معتصم نے انہیں روک کر بوڑھے عرب نے کہا کہو کیا کہنا چاہتے ہو وہ بولا تو نے کیوں ان بدیسی سپاہیوں کو ہم میں لا بسایا ہے جن کی گستاخیوں سے کسی کو پناہ نہیں ملتی۔ معتصم پہلے بھی ترک سپاہیوں کی زیادتیوں کا حال سن چکا تھا۔ بوڑھے نے یہ الفاظ سن کر اس نے ترکوں کے لیے ایک نئی چھاؤنی بنانے کا ارادہ کیا۔ چنانچہ سامرہ کی بستی میں فوجی چھاؤنی بنائی گئی۔ خلیفہ نے اپنے لیے بھی وہیں محل بنوائے اور سامرہ نے بغداد کی جگہ دارالخلافہ کی حیثیت حاصل کر لی۔

اگرچہ معتصم کو علمی بحثوں کا شوق نہیں تھا۔ لیکن مامون کے زمانے میں جو مذہبی جھگڑے شروع ہوئے تھے اس کے عہد میں بھی بند نہ ہوئے۔ معتزلہ فرقہ کا ایک مشہور عالم قاضی احمد بن ابی داؤد دربار پر چھایا ہوا تھا۔ معتصم سلطنت کے بڑے بڑے کاموں مین اس سے مشورہ لیتا تھا۔ اس لیے جو لوگ معتزلہ میں ہم خیال نہیں تھے ان پر پھر سختیاں ہونے لگیں۔ امام احمد بن حنبل گرفتار کر کے قید خانے بھیج دیے گئے اور بھی کئی عالموں پر آفت آئی۔

بابک خرمی

بابک کا تھوڑا سا حال پہلے بھی آ چکا ہے۔ مامون کو روم کی لڑائیوں سے اتنی مہلت نہ ملی کہ بابک کی طرف توجہ کرتا لیکن وہ موت سے پہلے معتصم کو ہدایت کر گیا تھا کہ اس فتنہ کی طرف سے غفلت نہ کرنا۔ معتصم نے ملک کے انتظام سے مہلت پائی تو بابک کا فساد مٹانے کا ارادہ کیا اور اپنے ترکی سپہ سالار افشین کو اس کے مقابلہ پر بھیجا۔

بابک کے حالات بہت عجیب ہیں۔ آذربائیجان کے پہاڑوں میں بدا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ کہتے ہیں کہ اس قصبہ کے رئیس جاویدان نے ہارون کے زمانے میں ایک نیا مذہب نکالا۔ اس نے کچھ باتیں آتش پرستوں کے مزہب سے لیں۔ کچھ اپنے دل سے جوڑ کر ملائیں اور بہت لوگوں کو اپنا پیروکار بنالیا۔ وہ آواگون کو مانتا تھا اور اس کا خیال تھا کہ انسان کی روح قالب بدلتی رہتی ہے۔

اس کے ساتھ اس نے حرام اور حلال، گناہ اور ثواب کا فرق بھی مٹا دیا تھا۔ اس کے مرید گناہ کو ثواب جانتے اور جو کچھ جی میں آتا کر گزرتے۔ جاویدان اپنے ایک مرید بابک کے ساتھ جو اس کی طرح ایرانی نسل میں سے تھا۔ بہت مہربانی سے پیش آتا تھا۔ اور اسے اپنے سارے بھید بتا دیا کرتا تھا۔ ایک رات جاویدان اچانک مر گیا۔ اس کی بیوی نے لوگوں کو جمع کر کے کہا تمہارے پیر نے مرنے سے پہلے مجھ س کہہ دیا تھا کہ میری روح بابک کے جسم میں سما جائے گی۔ اس لیے تمہیں چاہیے کہ

بابک کو جاویدان کی جگہ جانو اور اپنا سردار مانو۔ اس بات کو سب نے سچ جانا اور بابک کو اپنا سردار بنالیا۔

اب بابک نے پاؤں پھیلائے اور لوٹ مار شروع کر دی۔ بہت سے چور اور ڈاکو لالچ میں آ کر ساتھ آ ملے۔ آزربائیجان کی طرف سے جو قافلہ گزرتا اسے یہ لوگ لوٹ لیتے۔ آہستہ آہستہ بابک کا حوصلہ ایسا بڑھا کہ آس پاس کے بستیوں پر چھاپے مارنے لگا۔ ان پہاڑوں میں اگلے وقتوں کے جو ٹوٹے پھوٹے قلعے موجود تھے ان کی مرمت کرائی گئی نئے قلعے بنوائے گئے اور ان میں سے اپنے سپاہی مقرر کیے۔ بد کے قلعے کو اس نے بڑے ساز و سامان سے آراستہ کیا۔ کئی سرنگیں کھدوائیں جو آس پاس کے جنگلوں میں جا نکلتی تھیں۔ وہ اور ان کے خاص خاص مرید انہیں سرنگوں کے راستے قلعہ کے اندر آتے جاتے تھے۔

بابک کا دل رحم سے بالکل خالی تھا۔ دوسرے مذہب کے لوگ خاص طور پر مسلمانوں کا خون بہا کے اسے بہت خوشی ہوتی تھی۔ جب کہیں چھاپا مارتا تو عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں تک کو قتل کر ڈالتا۔ جو لوگ اس کی تلوار سے بچ جاتے انہیں لونڈی اور غلام بنالیتا۔ لوگوں نے مامون سے فریاد کی اس نے فوج بھیجی لیکن بابک میدان میں جم کر نہیں لڑتا تھا۔ اپنے علاقوں کے پہاڑوں اور جنگلوں سے نکل کر اچانک مسلمانوں پر آ پڑتا۔ اور لوٹ مار کر چل دیتا۔ انہیں لڑائیوں میں مامون نامی ایک سپہ سالار مارا گیا۔ ادھر رومیوں سے مامون کی جنگ چھڑ گئی اور مامون نے فوجیں واپس

بلوالیں۔اس کامیابی کی دھاک بندھ گئی اور ہمدان اور اصفہان کا علاقہ اس کے قبضہ میں آ گیا۔

معتصم نے بڑے بندوبست سے بابک کے مقابلہ پر فوجیں بڑھائیں پہلے ایک سالار کو اردبیل کے علاقے میں بھیجا۔اس نے ان قلعوں کی مرمت کی جنہیں بابک کے حملوں نے توڑ پھوڑ دیا تھا پھر ان میں فوج مقرر کی گئی۔ساتھ ہی سامرہ سے اردبیل تک ڈاک کا سلسلہ قائم کیا۔تین تین کوس کے فاصلے پر چوکی بنوائی ان چوکیوں پر تیز رفتار سانڈنیاں اور گھوڑے کسے کسائے ہر وقت موجود رہتے تھے سوار ان پر چڑھ کر تیر کی طرح اڑتے اور دوسری چوکی میں پہنچ کر شاہی ڈاک دوسرے ہرکارے کے حوالے کر دیتے۔جو اسی وقت اگلی چوکی کی طرف روانہ ہو جاتے۔اگرچہ سامرہ سے اردبیل کالے کوسوں کا سفر ہے لیکن اس ترکیب سے ین چار دن کے اندر ڈاک اردبیل کے دارالخلافہ تک خبریں پہنچ جاتی تھیں۔

جب یہ انتظام ہو چکا تو معتصم نے اپنے سب سے بڑے ترکی سپہ سالار افشین کو بھاری فوج دے کر بھیجا اس نے اردبیل سے کچھ دور ہٹ کر ڈیرے ڈالے اور ہر طرف جاسوس پھیلا دیے۔پھر موقع دیکھ کر بابک کے قلعوں پر جا چڑھا۔اس نے ترکی بہ ترکی جواب دیا لیکن ایک تو افشین بڑا تجربہ کار سپہ سالار تھا دوسرے اسلامی فوج بڑے جوش سے لڑی۔بابک کے ہاتھ سے تھوڑے دنوں میں ہی کئی قلعے نکل گئے اتنے میں برف پڑنے لگی۔رگوں میں خون جما جاتا تھا اور زمین و آسمان پر برف ہی

برف کے ٹکڑے نظر آتے تھے۔اس حالت میں لڑنے بھڑنے کا ہوش کسے تھا۔پھر بھی افشین نے قدم پیچھے نہ ہٹایا۔جہاں ڈیرے ڈالے تھ وہیں بیٹھا رہا۔برف کا زور تھما تو پھر لڑائی شروع ہوئی اور افشین نے بد پر جو بابک کا صدر مقام تھا حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔انہیں دنوں معتصم نے افشین کو خزانہ اور بہت سے ہتھیار بھیجے۔بابک کو خبر ملی تو فوج لے کر خزانے کو لوٹنے کے ارادہ سے نکلا۔اور ایک جنگل میں گھات لگا کر بیٹھ گیا۔ مسلمان سپاہی خزانہ لیے ہنستے بولتے چلے آ رہے تھے کسی کو وہم وگمان میں بھی نہ تھا کہ بابک موت کی طرح تاک میں بیٹھا ہےل بابک کے قریب پہنچے تو وہ گھات سے نکل کر ان پر جا پڑا۔اتنے میں کچھ شور سنائی دیا۔سڑک کے پاس جو جھاڑیاں تھیں وہ ہلنے لگیں اور مسلمانوں کا ایک دستہ جس کے آگے آگے افشین تھا اللہ اکبر کے نعرے لگاتا اس زور سے آ گرا کہ بابک اور اس کے ساتھیوں کے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔بابک کے سارے سپاہی کٹ گئے اور وہ تین چار سپاہیوں کے ساتھ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگ نکلا۔اصل میں افشین کو بابک کے ارادہ کی خبر پہلے ہی مل گئی تھی۔اور وہ بھی بابک کی طرح جنگل میں گھات لگا کر بیٹھ گیا۔

اب افشین نے ایک ایک کر کے بابک کے سارے قلعے فتح کر لیے صرف بد باقی رہ گیا۔تھا۔مسلمانوں نے اسے بھی گھیر لیا۔پہلے کئی دن چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔آخر ایک دن افشین زور دے کر جنگلوں اور گھاٹیوں سے گزرتا بد میں گھس گیا۔ وہاں بڑے گھمسان کا رن پڑا۔بابک کے مرید خوب لڑے۔مسلمان ان سب کو

ہٹا کر کمندیں ڈال سیڑھیاں لگا قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے تھوڑی دیر میں چادریں ملنے لگیں اور بابک کے ساتھیوں نے ہتھیار ڈال دیے۔ بابک پھر سرنگ کے راستے سے نکل گیا۔ لیکن افشین نے اس کا انتظام پہلے ہی کر رکھا تھا۔ سارے راستوں اور سرحدوں پر فوجیں مقرر تھیں وہ رومیوں کے علاقے میں داخل ہونے کی فکر میں تھا کہ پکڑا گیا۔ بابک کو روپیہ سمیٹنے کا بڑا شوق تھا۔ لوٹ مار کے مال پر کوٹھے بھرے پڑے تھے۔ مسلمانوں نے اس کے مال پر قبضہ کیا۔ ایک تہ خانہ قیدیوں سے بھرا ہوا ملا شمار کیا تو کوئی ساڑھے سات ہزار قیدی تھے۔ سب کے چہروں پر مردنی چھائی ہوئی تھی۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی تھیں۔ افشین نے انہیں قید سے رہائی دلائی اور اپنے پاس سے روپیہ دے کر اپنے اپنے گھروں کو بھیج دیا۔ اب افشین نے بابک کو ساتھ لے کر سامرہ کا رخ کیا۔ خلیفہ افشین کے اس کارنامے پر اتنا خوش ہوا کہ ہر منزل پر اس کے لیے گھوڑا اور جوڑا بھیجتا تھا۔ افشین سامرہ پہنچا۔ معتصم نے خود شاہی خاندان کے لوگوں اور امیروں وزیروں کے ساتھ اس کی پیشوائی کی۔ اس دن دارالخلافہ میں بڑی دھوم تھی بابک کے دیکھنے کو سارا ملک اُمڈ آیا تھا۔ معتصم نے اسے کچھ دنوں قید رکھا پھر سارے شہر میں پھرا کر قتل کر ڈالا۔

روم پر حملہ

ادھر بابک سے لڑائیاں ہو رہی تھیں ادھر روم کا بادشاہ شام کے علاقے پر چڑھ آیا ۔شہروں کو لوٹا کھسوٹا ۔قلعوں کو آگ لگادی۔عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا۔ بہت سے مسلمانوں کی آنکھوں میں تیل کی سلائیاں پھروا کے انہیں اندھا کر ڈالا۔ایک ہاشمی عورت جس کے کنبہ پر رومی سپاہیوں کے بڑے ظلم ہوئے تھے بے کسی کی حالت میں معتصم کا نام لے کر چلائی۔ جاسوسوں نے اس واقعہ کی خبر خلیفہ کو پہنچائی۔ معتصم کا چہرہ غصے سے تمتما اٹھا اور وہ تلوار کو ہاتھ میں لے کر کھڑا ہو گیا اور اسی وقت فوج کو شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ معتصم نے طرسوس سے آگے بڑھ کر فوج کو تین طرف سے دشمن پر بڑھنے کا حکم دیا۔ یہ تینوں لشکر دشمن کو دھکیلتے ہوئے عموریہ کے پرانے شہر کے سامنے رکے۔ روم کا بادشاہ مقابلہ پر آیا اور رحمت کے بازوؤں میں جتنا زر تھا سارا خرچ کر ڈالا لیکن افشین کے ترک سواروں کے سامنے قدم نہ جم سکے۔ آخر بھاگا۔مسلمانوں نے پچاس دن کے اندر محاصرہ کے بعد عموریہ کا قلعہ بھی فتح کر لیا۔

جن دنوں اسلامی فوج عموریہ کو گھیرے ہوئے تھی بعض عرب سردار جو ترکوں کو عروج دیکھ دیکھ کر جی ہی جی میں کڑھتے تھے معتصم کی جگہ مامون کے بیٹے عباس کو خلافت کے تخت پر بٹھانے کے منصوبے بنا رہے تھے۔انہوں نے بعد ترک سرداروں

کو بھی ساتھ ملالیا تھا۔ جس دن عموریہ فتح ہوا انہوں نے چاہا کہ پہلے لوٹ کے مال پر قبضہ کریں پھر بغاوت کا جھنڈا کھڑا کر کے معتصم کو قتل کر ڈالیں۔ لیکن انہوں نے جب لوٹ کا مال سمیٹنا شروع کیا تو معتصم کو ان کے تیوروں سے کچھ شک سا ہوا۔ اور وہ تلوار کھینچ کر ان پر جا پڑا۔ خلیفہ کو ننگی تلوار ہاتھ میں دیکھ کر سازشی تتر بتر ہو گئے۔ اب پوچھ گچھ شروع ہوئی سازشیوں میں سے کچھ لوگوں نے بھانڈا پھوڑ دیا۔ خلیفہ کو پھر بھی یقین نہ آتا تھا کہ ایسے ایسے بھروسہ کے سردار میرے خلاف بغاوت کریں گے۔ عباس کو بلوایا تو اس نے جرم کا اقرار کر لیا معتصم نے ان سب سرداروں کو جو اس منصوبے میں شریک تھے قتل کروا ڈالا۔ عباس قید ہوا۔ اور قید ہی میں ہلاک ہو گیا۔ اس سازش کا نتیجہ یہ ہوا کہ عرب سرداروں کا رہا سہا اعتبار بھی جاتا رہا اور ترک سیاہ و سپید کے مالک بن گئے۔

افشین کا انجام

ترک کا سب سے بڑا سردار افشین تھا۔ جس کے کارناموں کی دھوم سارے ملک میں تھی۔ بابک کو یہی پکڑ کے لایا تھا۔ روم کی لڑائیوں میں بھی اس نے بہادری دکھائی تھی۔ ان کامیابیوں کے نشہ نے اسے ایسا بدمست کیا کہ بادشاہت کے خواب دیکھنے لگا۔ اور دن رات یہی دھن رہنے لگی کہ کسی طرح خراسان کی حکومت ہاتھ آ جائے تو باپ دادا کے ملک پر قبضہ کر کے خودمختار بادشاہ کہلاؤں۔ افشین کو بابک کے علاقے

سے جو دولت ہاتھ آئی تھی اس نے اپنے وطن بھیج دی۔ اس کے بعد بھی اسے جو تحفے ملے اور انعام ملے اس خیال سے گھر بھجوا دیے کہ جب موقع ملا اسی دولت سے سلطنت کا سامان خریدوں گا خراسان کے حاکم عبداللہ بن طاہر کو جو بڑا عقل مند شخص تھا یہ خبریں ملتی رہتی تھیں کہ افشین ہر طرف سے دولت سمیٹ کر اپنا گھر بار بھر رہا ہے۔ اور وہ خلیفہ کو سارے حالات لکھتا رہتا تھا۔ جب افشی کو یہ باتیں معلوم ہوئیں تو اس نے سوچا کہ کسی طرح پہلے عبداللہ کو راستے سے ہٹانا چاہیے۔ چنانچہ اس نے خراسان کے ایک سردار مریا کو بغاوت پر اکسایا اور اسے لکھ بھیجا کہ اگر تم نے سرکشی کا پرچم لہرایا تو خلیفہ تمہارے مقابلے پر مجھے ہی بھیجے گا۔ کیونکہ اس وقت سارے ملک میں میرے پلے کا کوئی سردار نہیں اور ہم دونوں مل کر اپنی بادشاہی قائم کریں گے۔ لیکن افشین کو خراسان بھیجنے کی نوبت ہی نہ آئی اور عبداللہ نے ماریا کو پکڑ کر خلیفہ کے پاس بھجوا دیا۔ ماریا نے جان کے خوف سے سارا حال کہہ ڈالا اور افشین کے خط بھی پیش کر دیے۔ جب افشین نے دیکھا کہ کھیل بگڑ گیا ہے تو بھاگنا چاہا لیکن پکڑا گیا اور کچھ دن قید رہ کر مر گیا۔

معتصم کی وفات

افشین کی موت کو تھوڑے ہی دن گزر رہے تھے کہ معتصم بھی انتقال کر گیا۔ یہ واقعہ ۲۲۷ھ کا ہے۔ معتصم نے کل آٹھ سال آٹھ مہینے حکومت کی۔ وہ بڑا دلیر اور شجاع حکمران تھا اور اسے رعایا کی خوشحالی اور ملک کی آبادی کا بھی بڑا خیال رہتا تھا۔ لیکن اس نے عربوں کا زور گھٹانے اور ترکوں کو بڑھانے میں جو غلطی کی تھی اس نے آہستہ آہستہ عباسیوں کی خلافت کو بالکل کمزور کر دیا۔ اگرچہ ظاہر میں معتصم کا زمانہ ہارون اور مامون کے زمانے سے کسی بات میں کم نظر نہیں آتا۔ لیکن سچ پوچھو تو خلافت کی جڑیں اسی کے عہد میں کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ اور لوگوں کے دلوں میں سرکشی کے خیالات موج مار رہے تھے۔ عرب سرداروں نے معتصم کو قتل کرنے کی جو سازش کی تھی اس کا حال آگے آ چکا ہے۔ اسی زمانے میں فلسطین کے عربوں نے بھی ترکوں کے ظلم سے تنگ آ کر بغاوت کر دی۔ اس بغاوت نے ایسا زور پکڑا کہ اگر معتصم ایک سپہ سالار تدبیر سے کام نہ لیتا تو عباسی سلطنت کا تختہ الٹ جاتا۔

یہ شورش اس طرح شروع ہوئی کہ ایک ترک سپاہی نے فلسطین کے ایک کسان کے گھر میں رات بھر کے لیے ٹھہرنا چاہا۔ کسان جس کا نام ابوحرب تھا گھر میں موجود نہیں تھا۔ اس کی بیوی نے سپاہی کو اندر آنے سے روکا۔ اس نے عورت کو کوڑا مارا۔ شام کو ابوحرب گھر آیا تو بیوی نے اس سے سارا حال بیان کیا۔ اور کوڑے کا نشان

دکھایا۔اس غیرت والے نے تلوار سونت کر سپاہی کو ٹھکانے لگایا اور بھاگ کر پہاڑوں میں چلا گیا۔ابو حرب ہمیشہ منہ پر نقاب ڈالے رکھتا تھا۔اس لیے لوگ اسے مبرقع کہتے تھے۔اسے جب موقع ملتا پہاڑوں سے نکل کر آس پاس کے گاؤں کے لوگوں کے پاس جاتا انہیں نیک کام کرنے اور برے کاموں سے بچنے کی ہدایت کرتا۔لوگ ترک سپاہیوں کے ظلم سے تنگ آئے ہوئے تھے۔آہستہ آہستہ بہت سے کسان اس کے ساتھ ہو گئے ابو حرب نے فلسطین سے یمن کا رخ کیا۔وہاں کے کسانوں نے بھی اس کا ساتھ دیا اور آہستہ آہستہ ایک لاکھ بہادر اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔معتصم کے ایک سردار کو تھوڑی سی فوج دے کر اس کے مقابلے پر بھیجا۔جب اس نے دیکھا کہ دشمن کے پاس بے شمار فوج ہے تو رک گیا۔اتنے میں فصلیں کاٹنے کا زمانہ آیا۔ابو حرب کے ساتھ جو سب کسان تھے فصل کاٹنے چلے گئے اور اس کے ساتھ صرف دو ڈھائی ہزار سپاہی رہ گئے۔اب خلیفہ کی فوج نے انہیں گھیر کر گرفتار کر لیا اور سب کو سامرہ پہنچا دیا۔

اگر چہ یہ بغات دب گئی لیکن عربوں کو معتصم کے جانشینوں سے کوئی ہمدردی نہ رہی۔معتصم کے بعد جو خلفاء گزرے ہیں ان کے زمانے میں بہت سی شورشیں ہوئیں جن کا حال آگے آئے گا۔

واثق باللہ

معتصم کے بعد اس کا بیٹا واثق باللہ خلیفہ مقرر رہوا۔ واثق کی ماں ایک رومی کنیز تھی لیکن مامون اور معتصم کی طرح وہ بھی دل ایرانیوں اور ترکوں کا حامی تھا۔ واثق کے زمانے میں عربوں نے جو پہلے ہی بد دل ہو رہے تھے جگہ جگہ فساد اٹھایا۔ موصل میں خارجی اٹھ کھڑے ہوئے اور آس پاس کے علاقوں پر چھاپے مارنے لگے۔ ایران میں کردوں نے سر ابھارا۔ حجاز شام اور یمن کے عرب کے قبیلے بھی اپنے اپنے علاقے میں بغاوت کے پھریرے لہرانے لگے۔ عرب کے ایک قبیلہ بنی سلیم نے مدینہ کے اردگرد کے علاقے میں لوٹ مار شروع کر دی۔ اب تک عربوں کی اتنی عزت ضرور تھی کہ جب کوئی سردار سرکشی کرتا تو اس کے مقابلہ پر صرف عرب فوج ہی بھیجی جاتی تھی۔ لیکن واثق نے یہ پرانا قاعدہ مٹا دیا اور ترک سرداروں کو ان باغیوں پر چڑھائی کا حکم دیا۔ کئی لڑائیاں ہوئیں جن میں ہزاروں عرب خاندان مٹ گئے۔

واثق مذہبی خیالات میں بھی مامون اور معتصم کا پیرو تھا۔ چنانچہ اس کے زمانے میں بھی معتزلہ فرقہ کا زور رہا۔ ان دنوں احمد بن نصر بغداد کا ایک نامی رئیس تھا جس کے باپ دادا نے عباسی خاندان کی بری بڑی خدمتیں سرانجام دی تھیں وہ معتزلہ کا فرقہ کا زور اور ترکوں اور ایرانیوں کا اقتدار دیکھ کر جی ہی جی میں کڑھتا تھا۔ آخر اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ اور کھلم کھلا واثق اور اس کے درباریوں کو برا بھلا کہنے لگا۔ بغداد کے عرب

خاندانوں کے دل واثق کی زبردستیوں سے چھلنی ہو رہ تھے۔ انہیں اتنا سہارا ملا تو بغاوت کے منصوبے باندھ کر احمد بن نصر سے آ ملے۔ آہستہ آہستہ کئی ہزار جانباز اس کے ساتھیوں میں شامل ہو گئے اور یہ صلاح ٹھہری کہ ایک رات کو خلیفہ کے محل پر ہلہ بول دیا جائے۔ احمد بن نصر نے اپنے ساتھیوں کو دو گروہوں میں بانٹ دیا۔ جس وقت نقارے کی آواز سنائی دے دونوں گروہ دو طرف سے محل پر حملہ کریں۔ لیکن جن لوگوں کو نقارہ بجانے پر مقرر کیا گیا تھا ان میں سے ایک شخص نے وقت سے پہلے ہی نقارہ پر چوبیں مارنی شروع کر دیں لوگ ابھی تیار نہیں ہوئے تھے کہ نقارے کی آواز ائی سب گھبرائے ادھر نقارہ کی صدا نے شہر کے کوتوال کے کان کھڑے کر دیے۔ وہ سپاہیوں کو لے کر اس مکان میں گھس گیا وہاں جو لوگ تھے انہیں ڈرایا دھمکایا تو سارا بھید کھل گیا۔ بہت سے لوگ جو اس سازش میں شریک تھے کڑے گئے احمد بن نصر بھی گرفتار ہو کے آیا لیکن اس نے اس دلیری سے خلیفہ سے باتیں کیں کہ سارا دربار سناٹے میں گیا واثق نے عمرو بن معدی کرب کی تلوار صمصامہ جو کاٹ میں بے نظیر تھی منگوائی اور ایسا ہاتھ مارا کہ احمد کا سر کٹ کر گر پڑا۔

واثق نے چھ سال حکومت کر کے ۲۳۲ھ میں انتقال کیا۔ واثق بڑا سخی حکمران تھا مامون کی طرح اسے بھی دوسری زبانوں کی کتابیں عربی میں ترجمہ کرانے اور عالموں کی باتیں سننے کا شوق تھا۔ اسے راگ سے بھی دلچسپی تھی۔ چنانچہ اس نے بہت سی نئی دھنیں ایجاد کیں جو سارے ملک میں پھیل گئیں۔

عباسیوں کا زوال

عباسیوں کے عروج کی کہانی ختم ہوئی۔اب ان کے زوال کی داستان آتی ہے۔ اگر چہ بغداد میں ان کی حکومت سوا پانچ سو سال تک قائم رہی لیکن اس میں ان کے اقبال کا زمانہ صرف سو سال ہے۔واثق کے بعد ان کی طاقت آہستہ آہستہ گھٹتی گئی۔ خلیفہ ترک سرداروں کے ہاتھ میں کٹ پتلی بن کر رہ گیا اور صوبوں کے حاکم اپنی اپنی جگہ خودمختاری کا نشان لہرانے لگے۔

عباسیوں کے زوال کا ایک بڑا سبب یہ تھا کہ وہ ہمیشہ عربوں کا زور توڑتے اور ان کے مقابلہ میں دوسری قوموں کو بڑھانے کی کوشش کرتے رہے۔جب انہوں نے بنی امیہ کی خلافت پر قبضہ کرنے کا منصوبہ باندھا تو عربوں سے انہیں کوئی مدد نہ ملی کیونکہ بنی امیہ بھی عرب تھے۔ان کے خلاف عربوں کو ابھارنا ناممکن تھا۔اس کے علاوہ عرب قبیلوں کی پرانی دشمنیاں جنہیں اسلام نے مٹا دیا تھا پھر ابھر آئی تھیں وہ ایک قبیلہ کو اپنے ساتھ ملا لیتے تو بنی امیہ اس کے مقابلہ میں کسی دوسرے قبیلہ کو کھڑا کر دیتے۔اس لیے وہ خراسانیوں اور ایرانیوں کی طرف جھکے اور ان کی مدد سے بنی امیہ کا صفایا کر دیا۔لیکن انہیں ان لوگوں پر بھی بھروسہ نہیں تھا کیونکہ ایران اور خراسان کے سردار اپنی حکومت قائم کرنے کے لیے برابر جوڑتوڑ کرتے رہتے تھے۔اس لیے خراسانی فوج کے ساتھ فوج بھی رکھی گئی تا کہ ترازو کے دونوں پلڑے برابر رہیں اور جب خراسانی سر

ابھاریں تو عربوں کی مدد سے انہیں مٹا دیا جائیں۔ مامون کے زمانے میں ایرانیوں اور خراسانیوں کا زور بڑھ گیا تھا۔ عرب آہستہ آہستہ بڑے بڑے عہدوں سے ہٹا دیے گئے۔ فوج میں بھی ان کی تعداد بہت کم رہ گئی تھی لیکن خراسانی دل سے حضرت علیؓ کے خاندان کے طرف دار تھے۔ اس لیے عباسیوں نے ان کے مقابلے میں ترکوں کو بڑھایا۔ ترک غلام جو بہادر جفاکش ہوتے تھے اور شہسواری کے کرتب اور سپہگری کے داؤ پیچ اچھی طرح جانتے تھے ہزاروں کی تعداد میں بکنے آئے اور فوج میں بھرتی کیے گئے۔ انہوں نے اپنے بھائی بندوں کو بلوایا اور آہستہ آہستہ زور پکڑا کہ خراسانی ان کے سامنے گرد ہو گئے۔

معتصم سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ اس نے سامرہ میں فوجی چھاؤنی قائم کر کے اسے اپنا پایہ تخت مقرر کیا۔ اس طرح خلیفہ بالکل ترکوں کے قبضہ میں آ گیا۔ بغداد پرانا شہر تھا۔ وہاں ہزاروں عرب خاندان آباد تھے جو یہ نہیں چاہتے تھے کہ ترک یا ایرانی خلیفہ کو بے بس کر کے ملک پر حکومت کریں۔ بغداد میں رہ کر خلیفہ پر کوئی آنچ آتی تو یہ جان نثار جانوں پر کھیل جاتے لیکن ایک تو سامرہ بغداد سے نوے میل دور تھا آنے جانے میں کئی دن لگ جاتے۔ دوسرے وہاں ہر طرف ترکوں کا عمل۔ شہر میں ترک سپاہی پھیلے ہوئے تھے۔ محل کے اندر باہر جدھر نظر پڑتی ترک غلام ہی دکھائی دیتے۔ اس لیے جب ترک خلیفہ کے ہاتھوں سے نکل گئے تو کوئی ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

عربوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں ترکوں کو اس لیے بھی کامیابی ہوئی کہ وہ اکھڑ

سپاہی تھے اور تلواریں مارنے کے سوا اور کچھ نہ جانتے تھے۔ ادھر عرب ہارون اور مامون کے زمانے کے امن و امان اور عیش و عشرت کے سامان میں پرورش پا کر سست اور کاہل ہو گئے تھے۔ جہاں دولت کی بہتات ہو اور ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر ہر چیز مہیا ہو جائے تو وہاں کے باشندے تلوار چلانے اور جنگ کی مصیبتیں اٹھانے کے قابل نہیں رہتے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں دھاووں اور یلغاروں کا مقابلہ اس زمانے کے معرکوں سے کرو تو تعجب ہوتا ہے۔ کہاں وہ لوگ جو مٹھی بھر کھجوریں اور تھوڑے سے ستو کھا کر برستی تلواروں کے سایے میں کئی کئی دن گزار دیتے تھے اور کہاں عباسی عہد کے عیش پسند عرب جو میدان جنگ میں بھی نکلتے تھے تو عیش و عشرت کے سارے سامان خچروں اور اونٹوں پر لدے ساتھ ساتھ ہوتے تھے۔

عباسی ہمیشہ یہ کہہ کر اپنی خلافت کا حق ثابت کیا کرتے تھے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کی اولاد ہیں۔ اس بات میں حضرت علیؓ کا خاندان ان سے بڑا تھا۔ کیونکہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچیرے بھائی اور داماد تھے۔ اس لیے سیدوں نے جو شورشیں برپا کیں۔ انہوں نے عباسیوں کو بہت نقصان پہنچایا۔ اور اگرچہ انہیں خلافت ہاتھ نہ آئی تو پھر بھی انہوں نے بہت سے طرف دار پیدا کر لیے اور مسلمانوں دو گروہوں میں بٹ گئے۔

اس کے علاوہ عباسی خاندان کے خلیفوں نے جانشین مقرر کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا اس کی وجہ سے بھی بڑے فساد اٹھے دیکھو سفاح وصیت کر گیا تھا کہ میرے بعد

پہلے میرا بھائی منصور اس کے بعد عیسیٰ بن موسیٰ خلیفہ ہوگا۔منصور کے ہاتھ میں خلافت کی باگ ڈور آئی تو اس نے عیسیٰ کا حق چھین کر اپنے بیٹے مہدی کو دے دیا اور عیسیٰ پر بڑی سختیاں کیں۔مہدی نے بھی اپنے زمانے میں یہی کیا۔اور اپنے دو بیٹوں ہادی اور ہارون کو اپنا جانشین مقرر کر گیا۔ہادی نے بیٹے کے لیے بھائی پر بڑے ظلم کیے۔ہارون کے بعد امین اور مامون میں بھی ولی عہدی کے لیے جھگڑا ہوا۔ان جھگڑوں نے ایک تو خلافت کو کمزور کیا دوسرے ان خلیفوں نے اپنے بھائیوں سے جو بے وفائیاں کی تھیں ان کی وجہ سے امیروں کو بھی ان پر اعتبار نہ رہا۔

عباسیوں نے کئی سو سال کی حکومت میں سسلی کے سوا کوئی نیا ملک فتح نہیں کیا بلکہ امویوں کے زمانے میں جو علاقے خلافت میں تھے ان میں سے بہت سے ان کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ہسپانیہ تو ابتدا ہی میں ان کی فرمانبرداری کا جوتا اتار پھینکا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد مراکش میں حضرت علیؓ کے خاندان کے ایک شخص نے اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی اور بہت بڑا علاقہ دبا بیٹھا۔یہ دونوں سلطنتیں خلیفہ بغداد کی سخت دشمن تھیں۔اور اسے سرے سے خلیفہ ہی نہیں سمجھتی تھیں۔ہارون الرشید نے انہیں مٹانے کی بڑی کوشش کی۔مراکش کے حاکم کو زہر دلوانا چاہا اور فرانس کے عیسائی بادشاہ کو ہسپانیہ پر حملہ کرنے کے لیے ابھارا لیکن ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکا۔

ہارون نے اپنے ایک سردار اغلب کو افریقہ کا حاکم بنا کے بھیجا تھا۔مامون کے زمانے میں وہ بھی خود مختار ہو گیا۔ادھر خراسان میں طاہری خاندان نے بڑا اقتدار

حاصل کیا۔ اور خلیفہ کے ہاتھوں سے نکلنے لگا۔ واثق کے جانشینوں کے زمانے میں دوسرے ملکوں کے حاکم بھی بغداد کی خلافت سے ٹوٹ کر الگ ہو گئے اور کئی نئی سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ یہ سلطنتیں اگر چہ اپنے اپنے علاقے میں بالکل آزاد تھیں اور ان پر خلیفہ کا کوئی زور نہیں چلتا تھا پھر بھی وہ سب خلیفہ کو دنیا بھر کے مسلمانوں کا پیشوا سمجھتی تھیں۔ اور اس کا نام نماز جمعہ کے خطبہ میں ضرور لیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ انہیں اس بات کا بھی بڑا خیال تھا کہ انہیں کسی طرح خلافت کے دربار سے حکومت کی سند مل جائے۔

یہ فرمانروا آپس میں ہمیشہ لڑتے بھڑتے اور اپنی اپنی سلطنت کو بڑھانے کی فکر میں لگے رہتے تھے۔ اگر چہ خلافت کی کمزوری اور ان حکمرانوں کے باہمی لڑائی جھگڑوں سے مسلمانوں کا جتھا ٹوٹ گیا اور اسلام کی شوکت کو بہت نقصان پہنچا۔ لیکن ان کے خاندانوں میں کئی ایسے دلاور اٹھے جن کا کارناموں کی بدولت اسلامی حکومت کے زوال میں بھی اقبال کی چمک دمک نظر آتی ہے۔ ان جوانمردوں کی کہانیاں جو شجاعت کی پیشانی کا نور ہیں اپنی اپنی جگہ آئیں گی۔

☆☆☆

جلد سوئم

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

پہلا باب

ترک غلاموں کا عروج متوکل اور اس کے جانشین

واثق کی موت کے بعد سارے امیروں وزیروں نے اکٹھے ہو کر مشورہ کیا کہ خلافت کی گدی پر کس کو بٹھایا جائے۔ وزیر اعظم اور قاضی احمد بن ابی داؤد واثق کے نابالغ بیٹے کو خلیفہ بنانے کے حق میں تھے۔ لیکن وصیف نے جو بڑے پایہ کا ترک سردار تھا، رائے دی کہ شاہزادہ ابھی کم عمر ہے۔ اس کے جسم پر خلافت کی عبا بھی پوری نہیں آتی۔ اس لیے عباسی خاندان کے کسی دوسرے شہزادے کو خلیفہ بنانا چاہئے۔ یہ بات سب کے دل کو لگی اور واثق کے چھوٹے بھائی جعفر کو متوکل علی اللہ کے لقب سے خلافت کے تخت پر بٹھایا گیا۔

متوکل کو خلیفہ مقرر ہوئے تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ اس کے جوہر کھلنے لگے۔ اس نے سب سے پہلے وزیر اعظم کو سخت عذاب دے دے کے مارا۔ پھر قاضی احمد بن ابی داؤد کو قید خانے میں بھیج دیا۔ ایتاخ مشہور ترک سردار تھا۔ متوکل اس سے بھی کسی بات پر ناراض ہو گیا اور اسے قتل کروا ڈالا۔

متوکل کے زمانے میں معتزلہ فرقہ کا اقتدار بھی مٹ گیا۔ اس فرقہ کے عالم دربار

سے نکال دیئے گئے کسی کی جائیداد ضبط ہوئی۔ کسی کو قید کرلیا گیا۔ ان کے ساتھ حضرت علیؓ کے خاندان کے لوگوں اور ان کے حامیوں پر بھی بڑی سختیاں ہوئیں۔ متوکل کو سیدوں اور ان کے ماننے والوں سے جو شیعہ کہلاتے تھے، کچھ ایسی ضد ہوگئی تھی کہ اس نے کربلا پہنچ کر حضرت امام حسینؓ کے مزار کی بھی بے حرمتی کی۔ اس کی ان حرکتوں سے لوگ بہت ناراض ہوئے۔ اور تو اور اس کا بڑا بیٹا اس کا دشمن بن گیا۔

جعفریہ:

متوکل کی طبیعت کا میلان عربوں کی طرف تھا۔ اس نے ترکوں کا اقتدار مٹانے اور عربوں کی طاقت بڑھانے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ لیکن ترک ایسے اونچے رتبوں پر پہنچ چکے تھے کہ انہیں گرانا بڑا کٹھن کام تھا۔ متوکل اچھی طرح جانتا تھا کہ جب تک سامرہ دارالخلافہ ہے ان کا زور کسی طرح نہیں ٹوٹ سکتا۔ اس لئے سامرہ کو چھوڑ کر دمشق کو پایا تخت بنایا۔ لیکن وہاں پہنچے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ بے موسم برف پڑنی شروع ہوگئی۔ شاہی خاندان کے لوگ جنہوں نے کبھی اتنی سردی نہ دیکھی تھی، گھبرائے۔ ورناچار پھر سامرہ کا رخ کیا۔ یہاں متوکل نے دجلہ کے کنارے ایک بستی بسائی اور اس کا نام جعفریہ رکھا۔ جعفریہ کی تعمیر اور آرائش پر ان گنت دولت خرچ ہوئی تھی۔ اس کے درمیان خلیفہ کا محل جو سارا سنگ مرمر کا بنا ہوا تھا دور سے ہیرے کے ترشے ترشائے نگینے کی طرح چمکتا نظر آتا تھا۔ اس میں بلور کے جڑاؤ جھاڑ

اور فانوس جن میں راتوں کو عنبر اور کافور کی شمعیں روشن ہوتی تھیں، اور ان کے نور سے دجلہ کا سینہ جگمگا اٹھتا تھا۔ محل کے گرداگرد باغ تھے جنہیں نہروں نے گھیر رکھا تھا۔ لیکن متوکل کی موت کے بعد یہ کارخانہ درہم برہم ہو گیا۔ اور ان محلوں اور باغوں پر اداسی اور ویرانی برسنے لگی۔

بغاوتیں:

متوکل کے زمانے میں کئی بغاوتیں ہوئیں۔ سیستان میں ایک معمولی شخص نے جس کا نام یعقوب بن لیث تھا، سر اٹھایا۔ یہ شخص ابتدا میں ٹھٹھیرے کا کام کرتا تھا، لیکن بڑا مستقل مزاج اور باہمت شخص تھا۔ تھوڑے عرصہ میں ہی اچھا خاصا لشکر جمع کر کے سیستان کے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ اس زمانے میں خراسان کی حکومت مامون کے مشہور سپہ سالار طاہر کے خاندان کے قبضہ میں تھی۔ طاہریوں نے یعقوب کو نیچا دکھانے کے لیے بڑا زور مارا، لیکن منہ کی کھائی اور اس کا کچھ بھی بگاڑ نہ سکے۔ اس باہمت شخص نے ایک نئے حکمران خاندان کی بنیاد ڈالی۔ جو صفاری خاندان کہلاتا ہے کیونکہ عربی زبان میں ٹھٹھیرے کو صفار کہتے ہیں۔ شام، آرمینیا، آذربائیجان اور مصر میں بھی بغاوتیں ہوئیں۔ جنہیں بڑی مشکل سے دبا دیا گیا۔ رومی جو ہمیشہ ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے تھے، کشتیوں اور جہازوں میں بیٹھ کر اسکندریہ تک آ گئے، لیکن مسلمانوں نے انہیں مار بھگایا۔ پھر انہوں نے ایشیائے کوچک کے سرحدی علاقوں پر

چھاپے مارنے شروع کیۓ اور ہزاروں مسلمانوں کو قید کر کے لے گئے۔ جو مسلمان عیسائی مذہب قبول کر لیتا تھا، اس کی جان بخشی کر دی جاتی تھی، جو انکار کر دیتا اسے فوراً قتل کر دیا جاتا۔ اس کامیابی سے مغرور ہو کر انہوں نے شام کی طرف قدم بڑھایا۔ لیکن شکست کھائی اور مسلمانوں نے ان کے علاقے میں گھس کر کئی قلعے چھین لئے۔

متوکل کا قتل:

متوکل کے دو بیٹے تھے منتصر اور معتز پہلے اس نے ساری سلطنت دونوں بیٹوں میں بانٹ دی۔ لیکن آہستہ آہستہ اس کی طبیعت منتصر کی طرف سے ہٹتی گئی اور چھوٹے بیٹے معتز پر مہربانیاں ہونے لگیں پہلے خزانہ اس کے حوالے کیا۔ پھر سکوں پر اس کا نام اپنے نام کے ساتھ کندہ کرایا۔ منتصر پہلے ہی باپ کی حرکتوں سے بیزار تھا، یہ دیکھ کر جل گیا۔ اور خلافت پر قبضہ کرنے کے منصوبے باندھنے لگا۔ متوکل نے ترک سرداروں سے بھی کوئی اچھا سلوک نہیں کیا تھا ایتاخ پر جو گزری اس کا حال پہلے آ چکا ہے۔ خلیفہ نے وصیف کی جائیداد بھی ضبط کر کے اپنے ایک مصاحب کے حوالے کر دی تھی اس لئے منتصر نے بڑی آسانی سے انہیں اپنے ساتھ ملا لیا۔ آخر متوکل انہیں لوگوں کے ہاتھوں مارا گیا۔

متوکل کے قتل کے حالات بھی عجیب وغریب ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنے مصاحبوں میں بیٹھا تھا کہ تلواروں کا ذکر چھڑ گیا۔ مصاحبوں میں سے کسی نے کہا کہ

جیسی تلوار بصرہ کے ایک شخص کے پاس ہے، میری نظر سے کہیں نہیں گزری۔ اس تلوار کی تعریف سن کر متوکل کو بہت شوق ہوا۔ اسی وقت بصرہ کے حاکم کے نام فرمان لکھوایا کہ فلاں شخص کے پاس ایک بے نظیر تلوار ہے، منہ مانگی قیمت دے کر اسے خرید لو اور دربار میں بھجوا دو۔ تلوار آئی متوکل اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اپنے وزیر سے کہنے لگا کہ اب کوئی ایسا بہادر نوجوان ڈھونڈو جو اس تلوار کو کمر میں لگا کر میرے ساتھ رہا کرے۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں ایک ترک غلام جس کا نام باغر تھا، سامنے آتا دکھائی دیا۔ باغر بڑا سجیلا اور بہادر نوجوان تھا اور متوکل کو اس پر بھروسہ تھا۔ اسے بلا کے اپنے ہاتھ سے اس کی کمر میں تلوار باندھی اور حکم دیا کہ آج سے تم میرے ساتھ ساتھ رہا کرو۔ لیکن اس تلوار کو کبھی میان سے نکالنے اور اس کی روانی اور کاٹ کا امتحان کرنے کا موقع نہیں آیا۔ آخر اس نے خود متوکل اور اس کے وزیر کا خون چاٹ کے پیاس بجھائی۔

وصیف نے جب منتصر سے مل کر خلیفہ کے قتل کا بیڑا اٹھایا تو باغر کو جو اس کا ہم قوم اور ہم وطن تھا، اپنے ساتھ ملا لیا۔ ایک رات کو خلیفہ اپنے وزیر کے ساتھ محل میں بیٹھا تھا کہ باغر دس ترک سپاہیوں کے ساتھ گھس آیا اور وہی تلوار میان سے نکال کر ایسا وار کیا کہ متوکل کی گردن کٹ کر گر پڑی۔ وزیر گھبرا کے اٹھا، لیکن ترک سپاہیوں نے اسے بھی کاٹ کے ڈال دیا۔

متوکل 247ھ میں پندرہ سال حکومت کر کے مارا گیا۔ متوکل کے قتل میں منتصر کا

بھی ہاتھ تھا۔ پہلے تو حکومت کے نشہ میں اسے اپنے جرم کا خیال نہ آیا، لیکن جب اپنی بے بسی اور ترکوں کی خودسری پر نظر ڈالی تو جی نے کہا کہ افسوس جس سلطنت کے لئے اتنا بڑا گناہ کیا، وہ بھی اپنے قبضہ میں نہیں۔ اب یہ خیال اسے ستانے لگا۔ بیٹھے بیٹھے چونک پڑتا۔ راتیں آنکھوں میں کٹ جاتیں۔ آخر چھ مہینے کی سلطنت کے بعد اسی طرح گھل گھل کے انتقال کیا۔

مستعین:

منتصر کی موت کے بعد ترک امیروں نے معتصم کے ایک پوتے کو مستعین کے لقب سے خلافت کے تخت پر بٹھایا۔ لیکن ابھی نئے خلیفہ نے خلافت کی مسند پر قدم ہی رکھا تھا، اور امیر اور خلیفہ بیعت بھی نہیں کر پائے تھے کہ باہر سے شور سا سنائی دیا۔ دریافت کیا گیا تو معلوم ہوا کہ عرب سپاہیوں کے ایک دستہ نے جو منتصر کے چھوٹے بھائی معتز کو خلیفہ بنانے پر تلا ہوا ہے، محل کو گھیر لیا ہے۔ یہ سن کر درباریوں کے چہروں پر ہوائیاں چھوٹنے لگیں۔ بلوائیوں نے محل کے دروازے توڑ ڈالے۔ وہاں جتنی تلواریں، زرہیں، ڈھالیں ملیں، ان پر قبضہ کرلیا۔ اتنے میں سفید پھریرے لہراتے نظر آئے اور ترک اور بربری بھی آپہنچے ایک ترک سردار نے بڑھ کر بلوائیوں کو مار ہٹایا لیکن بڑی مشکل یہ آپڑی کہ قیدی بندی خانے کے دروازے توڑ کر نکل آئے۔ غرض مستعین کی خلافت عجب طرح سے شروع ہوئی۔ ادھر ترک سردار اس کے ہاتھ پر

بیعت کر رہے تھے، خلعت اور انعام تقسیم ہو رہے تھے، ادھر محل کے ارد گرد دور تک تلوار چل رہی تھی۔ آخر ترک سرداروں نے بڑی مشکل سے یہ فساد مٹایا۔

مستعین نے پونے چار سال حکومت کی۔ لیکن منتصر کی حکومت بھی برائے نام تھی۔ ترک کسی کی پیش نہیں چلنے دیتے تھے وہ بھی یک دل نہیں تھے اور برابر ایک دوسرے کا زور گھٹانے کے منصوبے باندھتے رہتے تھے۔ منتصر کے زمانے میں وصیف اور بغا کا طوطی بولتا تھا۔ مستعین کے عہد میں ایک اور ترک سردار اتامش نے زور پکڑا۔ اور سیاہ و سپید کا مالک بن گیا۔ خزانہ میں جتنا روپیہ آتا۔ اتامش اور دو تین دوسرے عہدے دار آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ آخر بغا اور وصیف کے اشارے سے ترک سپاہیوں نے اتامش کو قتل کر ڈالا۔ ادھر باغر نے جس کے ہاتھوں متوکل قتل ہوا تھا جب دیکھا کہ بغا اور وصیف دربار کے مالک ہیں اور انہیں کے بھائی بندے سارے کاروبار میں پھیلے ہوئے ہیں، تو کچھ ترکوں کو ساتھ ملا کر ان دونوں اور خلیفہ کے قتل کی سازش کی اور چاہا کہ معتصم کے ایک بیٹے کو خلیفہ بنائے، لیکن اس سازش کا بھید کھل گیا۔ اور باغر اس جرم میں قتل کر ڈالا گیا۔ اس پر ترک سپاہی بھڑک اٹھے۔ پہلے شاہی اصطبل کو لوٹا، پھر محل کو گھیر لیا۔ بغا اور وصیف خلیفہ کو ساتھ لے کر بھاگے۔ اور بغداد پہنچ کے دم لیا۔ ادھر باغر کے ساتھیوں نے منتصر کے چھوٹے بھائی معتز کو قید خانے کی کوٹھڑی سے نکالا اور خلافت کی مسند پر بٹھا دیا۔ اب بغداد پر فوجیں بڑھیں۔ برابر سال بھر تک معرکے ہوتے رہے۔ ان دنوں مامون کے مشہور سپہ سالار طاہر کا پوتا

محمد بن عبداللہ بغداد کا حاکم تھا۔ وہ بڑی بہادری سے لڑا۔ اور ترک فوجوں کے منہ پھیر دیئے آخر اس نے بھی مستعین سے بدگمان ہو کر اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ مستعین نے مجبور ہو کر خلافت سے ہاتھ اٹھایا۔ اور واسط کے شہر میں زندگی بسر کرنے لگا۔ لیکن معتز نے سال بھر کے اندر اندر اسے قتل کروا ڈالا۔

ان آپس کے لڑائی جھگڑوں نے لوگوں کے دلوں سے خلافت کا رعب اٹھا دیا۔ صوبوں میں بغاوت کے آثار نظر آنے لگے۔ طبرستان میں علوی خاندان کے ایک شخص حسن بن زید نے حکومت قائم کر لی۔ جو برابر سو سال تک رہی۔ ادھر رومیوں نے سرحد پر چھاپے مارے۔ دو جیالے سردار جو بڑی بہادری سے اب تک رومیوں کو روکے ہوئے تھے، میدان میں کام آئے۔ اور عیسائیوں کی فوجوں نے سرحدی علاقوں کو بے کھٹکے روندنا شروع کر دیا۔ جب بغداد میں یہ خبریں پہنچیں تو ہر طرف سے نالہ و زاری کا غل اٹھا۔ لوگ جہاد کا ارادہ لے کر سر سے کفن باندھے، گھروں سے نکل کھڑے ہوئے۔ اکثر دولت مند لوگوں نے اپنی ساری دولت لا کر ان کے قدموں پر ڈال دی۔ لیکن کوئی ایسا سپہ سالار نہ ملا جو اس فوج کو لے جا کر رومیوں سے لڑاتا۔ آخر لوگ مایوس ہو کر اپنے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے۔

معتز:

معتز 253ھ میں خلیفہ مقرر ہوا۔ سال بھر کا عرصہ تو مستعین سے لڑنے میں گز گیا۔ یہ جھگڑا ختم ہوا تو فوج نے پھر فساد پر کمر باندھی۔ اس زمانے میں وصیف اور بغا نے پھر اقتدار حاصل کر لیا تھا۔ ایک دفعہ ترک سپاہیوں نے جن کی تنخواہ مدت سے رکی ہوئی تھی، ان دونوں کو گھیر لیا اور تنخواہ مانگنے لگے۔ وصیف تو مارا گیا۔ بغا اس ہنگامہ میں بچ نکلا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد اسے بھی ایک ترک سردار نے قتل کروا ڈالا۔ معتز کے زمانے میں ایک ترک غلام احمد بن طولون کو بڑا عروج حاصل ہوا اسے مصر کا حاکم مقرر کیا گیا تھا۔ مصر پہنچ کے اس نے بڑا زور پکڑا اور آہستہ آہستہ بالکل خود مختار ہو گیا۔

غرض معتز کی حکومت کا زمانہ بڑی بدامنی کا زمانہ تھا۔ سلطنت کی ساری آمدنی امیر وزیر آپس میں بانٹ لیتے تھے۔ فوج کو کئی کئی مہینہ تک تنخواہیں نہیں ملتی تھیں۔ انہوں نے تنگ آ کر خلیفہ کے محل کو گھیر لیا۔ اس نے کہلا بھیجا کہ میں بیمار ہوں، باہر نہیں آ سکتا لیکن بدمزاج سپاہی یہ باتیں کب مانتے تھے۔ محل میں گھس کر معتز کو گھسیٹتے ہوئے باہر لے آئے۔ اس وقت خلیفہ کا عجب حال تھا۔ کپڑے تار تار چہرے پر زردی۔ ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی۔ ان ظالموں نے اسے ننگے پاؤں پتھر کے تپتے ہوئے فرش پر کھڑا کر دیا۔ اتنے میں قاضی صاحب آئے اور کہا کہ اب خلافت سے ہاتھ اٹھایئے، بچارے نے ایک سرد آہ بھر کر آسمان کی طرف دیکھا اور دست برداری کے کاغذ پر دستخط

کر دیئے۔ وہاں سے اسے قید خانے میں پہنچایا گیا۔ تین دن بھوکا پیاسا رکھا گیا آخر یونہی تڑپ تڑپ کر مر گیا۔

مہتدی:

ترک سرداروں کو ایسے خلیفہ کی ضرورت تھی جو کٹ پتلی کی طرح ان سے اشاروں پر چلتا۔ عباسی خاندان کے شہزادے تو کئی تھے۔ لیکن ان سب میں انہیں واثق کا بیٹا محمد اپنے ڈھب کا نظر آیا۔ اسے بڑے عہد و پیان کر کے محل میں لائے اور مہتدی باللہ کے لقب سے تخت پر بٹھایا ان کا خیال تھا کہ یہ بھولا بھالا شہزادہ ناچ رنگ میں پڑ کر سلطنت کے کاروبار کو بھول جائے گا۔ لیکن مہتدیؒ کو عیش و عشرت کی طرف بالکل رغبت نہ تھی۔ اس نے محل میں پہنچ کے دیکھا تو ہر طرف کنیزوں، گویوں، مسخروں اور نقالوں کا ہجوم نظر آیا۔ ہر درو دیوار سے نغموں اور ترانوں کی صدائیں اٹھ رہی تھیں۔ باغ میں ہرن، پاڑے، چیتے، شیر، باز، عقاب، طوطے غرض **ملک ملک** کے جانور موجود۔ جن کی نگرانی کے لئے ایک الگ محکمہ قائم تھا۔ اس نے سب سے پہلے ان گویوں مسخروں اور نقالوں کو نکالا پھر ان جانوروں سے باغ خالی کیا۔ اور حکم دیا کہ جس شخص کو کسی عہدہ دار سے شکایت ہو، خلیفہ سے عرض کرے۔ خلیفہ دن بھر دربار میں بیٹھا لوگوں کی فریادیں سنتا۔ مناسب حکم احکام جاری کرتا۔ ان کاموں سے جو وقت ملتا، عبادت میں گزار دیتا۔ ترک سردار یہ دیکھ کر بہت گھبرائے اور مہتدی کو تخت خلافت سے اتارنے کی سازشیں

کرنے لگے۔

دربار خلافت کے بعض عہدے داروں نے شاہی خزانہ لوٹ کے اپنے گھر بھر لئے تھے۔ترک سرداروں نے موقع پا کر ان سے سب کچھ چھین لیا۔معتز کی ماں کے پاس بڑی دولت تھی۔نقد روپے کے علاوہ لعل و جواہر کا کوئی حد و شمار نہیں تھا۔ایک ترک سردار نے اس ساری دولت پر قبضہ کر لیا۔ادھر سے فارغ ہو کر انہوں نے مہتدی کو راستے سے ہٹانے کا ارادہ کیا۔لیکن ایک تو خلیفہ خود بڑا بہادر اور با تدبیر شخص تھا، دوسرے رعایا جاں نثاری پر آمادہ تھی۔اس لئے ترکوں نے اسے تخت سے اتارنے کے جتنے منصوبے باندھے، سب خاک میں مل گئے۔دوسری مرتبہ انہوں نے پھر محل پر یورش کی۔خلیفہ کے ساتھ تھوڑے سے سپاہی تھے۔ان میں سے بھی کچھ ترک تھے جو لڑائی چھڑتے ہی اپنے بھائی بندوں سے جا ملے۔یہ دیکھ کر مہتدی خود تلوار کھینچ کر اپنے لشکر والوں کو للکارتا بڑھا۔لیکن کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا۔آخر ہر طرف سے ناچار ہو کر قید خانے کا دروازہ کھول دیا کہ شاید قیدی میری مدد کریں۔انہوں نے بھی آنکھ چرائی۔ خلیفہ پکڑا گیا اور کچھ دن قید رہ کر قید حیات سے رہائی پائی۔

مہتدی کوئی ساڑھے گیارہ مہینے خلیفہ رہا۔افسوس کہ زمانے نے اس کا ساتھ نہ دیا ورنہ وہ اپنی خوبیوں کے لحاظ سے ہارون، مامون اور معتصم کی صف میں کھڑا ہونے کے قابل تھا۔

دوسرا باب

عباسیوں کی اقبال مندی کا آخری دور معتمد سے مکتفی تک

مہتدی کے بعد 256ھ میں ترک امیروں نے متوکل کے ایک بیٹے کو معتمد کے لقب سے مسند خلافت پر بٹھایا۔ اس خلیفہ کے زمانے میں عباسیوں کے اقبال کے ستارے نے پھر آنکھ کھولی اور ترک سردار جو بڑے زوروں پر تھے، آہستہ آہستہ بالکل دب گئے۔ اصل میں معتمد کا نام ہی نام ہے۔ وہ عیش و عشرت میں پڑا رہتا تھا۔ اور اس کے پردہ میں اس کا بھائی موفق جو تدبیر میں بے نظیر اور شجاعت میں ایسی ہوا باندھی کہ سلطنت کا سلسلہ انتظام ترکوں کے قبضہ سے نکل کر اس کے ہاتھوں میں آ گیا بغا کا بیٹا موسیٰ جو ترکوں کی شورشوں میں ہمیشہ پیش رہا تھا، کچھ اس طرح مطیع ہوا کہ خلافت کی حمایت میں تلواریں مارتے عمر گزار دی۔

زنگیوں کی شورش:

مہتدی کے زمانے میں ایک ایرانی نے جو اپنے آپ کو حضرت علیؓ کی اولاد میں سے کہتا تھا سرکشی کا جھنڈا لہرایا۔ مدت تک وہ عرب میں مارا مارا پھرا۔ پھر بحرین میں

کچھ لوگ جمع کر کے لڑائی کا ڈھنگ ڈالا۔ لیکن شکست کھا کے بھاگا۔ آخر بصرہ پہنچ کر کچھ دنوں اٹکا اور تو کسی نے اس کی بات نہ سنی۔ لیکن زنجبار اور حبش کے غلام جو گھر گھر پھیلے ہوئے تھے، اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ اس شخص نے انہیں سلطنت اور حکومت کے سبز باغ دکھا کر ایسا متوجہ کیا کہ زنگی اور حبشی غلام جوق در جوق اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ یہ لوگ دو سال کے اندر دریائے فرات کی وادی پر کالی گھٹا کی طرح چھا گئے۔ دربار خلافت سے کئی لشکر بھیجے گئے لیکن اس سیاہ آندھی کے سامنے کسی کے قدم نہ ٹھہر سکے۔ زنگیوں نے بصرہ کو خوب لوٹا کھسوٹا۔ تین دن تک برابر قتل و غارت کا بازار گرم رہا۔ چوتھے دن امن کے سپید جھنڈے لہرانے لگے۔ اور ان کے سردار نے شہر کے لوگوں کو ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا۔ جب سارے لوگ اکٹھے ہو گئے تو اس نے ان سب کو قتل کروا ڈالا۔ پھر شہر میں آگ لگانے کا حکم دیا۔ بصرہ کی خوبصورت جامع مسجد جس کی تعمیر پر بے شمار دولت خرچ ہوئی تھی جلا کر راکھ کر دی گئی۔ دربار خلافت میں جب زنگیوں کے ظلم وستم کی خبریں پہنچیں اور ساتھ ہی یہ بھی معلوم ہوا کہ ان ظالموں کے مقابلہ میں جو فوجیں بھیجی گئی تھیں انہوں نے شکست کھائی تو معتمد نے اپنے بھائی موفق کی سرداری میں ایک بڑی بھاری فوج بھیجی۔ لیکن ملک کے دوسرے حصوں میں بھی بدامنی پھیلی ہوئی تھی۔ ایک طرف صفار بڑھا چلا آتا تھا دوسری طرف احمد بن طولون نے آہستہ آہستہ شام کے علاقے پر قبضہ کرلیا۔ اس لئے موفق ان جھگڑوں میں ایسا الجھا کہ اسے دیر تک زنگیوں کا فساد مٹانے کا موقع نہ ملا۔ جب ادھر

سے فراغت ہوئی تو اپنے بیٹے ابو العباس کو ان کے مقابلہ پر بھیجا۔ وہ بڑی تدبیر سے لڑا اور زنگیوں کو خشکی اور دریا دونوں طرف سے گھیر کر قدم قدم پر شکست دیتا آگے بڑھا۔ اتنے میں موفق بھی یلغار کرتا آ پہنچا۔ اب ان دونوں باپ بیٹوں نے مل کر زنگیوں پر ایسا دباؤ ڈالا کہ یہ سیاہ بخت بھاگ کر مختارہ کے شہر میں جو دجلہ کے کنارے آباد تھا، جا چھپے۔ موفق نے اس شہر کے سامنے پہنچ کر ڈیرے ڈالے اور جنگی کشتیاں بنانے کا حکم دیا۔ پھر یہیں ایک شہر کی بنیاد ڈالی تا کہ اطمینان سے محاصرہ کر سکے۔ تھوڑے دنوں میں فوج کی بارکیں سرداروں کے رہنے کے مکان، دکانیں اور بازار بن کر طیار ہوئے۔ دور دور سے مال آ کر بکنے لگا شہر کے بیچوں بیچ ایک خوشنما مسجد بنوائی گئی۔ موفق نے اپنے نام پر اس شہر کا نام موفقیہ رکھا۔ اور کھانے پینے کے سامان کی طرف سے خاطر جمع ہوگئی تو مختارہ پر حملہ کر دیا۔ ابو العباس کی دلاوری اور موفق کی جنگی تدبیروں نے زنگیوں کے حوصلے پست کر دیئے اور اس میں سے اکثر امان امان پکارتے موفق کے لشکر میں پہنچے۔ اگر چہ ان لوگوں کے ظلم نے مسلمانوں کے دلوں میں گھاؤ ڈال رکھے تھے۔ لیکن وہ جوانمرد اس سے بڑی مروت کے ساتھ پیش آیا۔ اور ان کی ساری خطائیں معاف کر دیں۔ پہلے چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ ایک دن موافق بڑے زور و شور سے نکلا اور ہر طرف فوجیں پھیلا دیں۔ جنگی کشتیاں پھریرے اڑاتی بڑھیں۔ جاں باز سیڑھیوں اور کمندوں سے قلعہ کی فصیل پر پہنچے۔ دھسوں کو توڑ ڈالا۔ دمدموں کو آگ لگا دی روغن نفت کی ہزاروں پچکاریاں خالی کر دیں اور زنگیوں کے دل بادل کو ہٹاتے،

تیر اور تلوار کی بجلیاں چمکاتے مختارہ میں گھس گئے۔ بڑے گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ آخر زنگیوں کے سارے نامور سپاہی اور سردار مارے گئے۔ جو باقی بچے انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ہر طرف امن و امان ہو گیا۔ زنگیوں کی شورش چودہ سال چار مہینے تک رہی۔ ان لوگوں نے مسلمانوں پر بڑے ظلم کئے۔ صرف ایک شہر میں انہوں نے بیس ہزار آدمیوں کو قید کر رکھا تھا، جنہیں موفق نے چھڑایا۔

صفار اور احمد بن طولون:

معتمد کے زمانے میں یعقوب صفار کی طاقت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے فارس پر قبضہ کر کے چاہا کہ خلیفہ اسے اس زرخیز علاقے کا بھی حاکم مقرر کر دے، لیکن معتمد نہ مانا اور اعلان کر دیا کہ یعقوب نے خراسان اور فارس پر ہماری مرضی کے بغیر قبضہ کر لیا ہے۔ تاہم یعقوب کی قوت کو اس اعلان سے کوئی نقصان نہ پہنچا۔ اب اس نے خلیفہ سے ملاقات کا ارادہ کیا اور بھاری فوج لے کر بغداد کی طرف بڑھا۔ اصل میں وہ اس بہانے سے بغداد اور عراق پر قبضہ کرنا چاہتا تھا۔ خلیفہ نے اسے خط لکھا کہ تم اپنے علاقے میں رہو۔ یہاں تمہاری کوئی ضرورت نہیں، لیکن وہ طاقت کے گھمنڈ میں بڑھتا چلا آیا اور دجلہ سے اتر کے واسط سے ہوتا ہوا بغداد کے قریب پہنچ کے رکا۔ یہاں موافق سے لڑائی ہوئی جس میں صفار نے شکست کھائی اور وہ بھاگ کر خراسان چلا گیا۔ یہ آفت ٹلی تو احمد بن طولون سے چھیڑ چھاڑ شروع ہوئی خلیفہ نے موسیٰ بن بغا کو

فوج دے کر مصر پر بھیجا لیکن اسے پسپا ہونا پڑا۔ اس فتح نے ابن طولوں کے حوصلے بہت بڑھا دیئے۔ اور اس نے شام سے موصل تک سارے علاقے پر قبضہ کرلیا۔

تم پڑھ چکے ہو کہ عباسی خلافت کو موفق اور اس کے باہمت بیٹے نے کس طرح سنبھالا۔ معتمد باپ بیٹوں کا عروج دیکھ کر جی ہی میں کڑھتا تھا۔ لیکن موفق کے سامنے دم مارنے کی مجال نہ تھی۔

احمد بن طولون بھائیوں کی اس پھوٹ سے فائدہ اٹھانا چاہتا تھا کہ کسی طرح خلافت بغداد سے مصر میں آجائے۔ چنانچہ اس نے معتمد کو کئی پیغام بھیجے کہ آپ مصر چلے آئیں۔ معتمد بھی بھائی کے وسیع اختیارات اور اپنی بےبسی کا خیال کرکے مصر جانے پر آمادہ ہوگیا۔ لیکن موفق کو وقت پر خبر ہوگئی اور اس لئے معتمد کو راستہ میں ہی روک لیا۔

احمد بن طولون کی وفات کے بعد اس کے بیٹے سے موفق کی کئی لڑائیاں ہوئیں۔ ایک دفعہ رومی شام پر چڑھ آئے۔ احمد بن طولون کے سرداروں سے انہیں مار بھگایا۔ موصل میں خارجیوں نے سر اٹھایا۔ کوفہ میں علویوں نے فساد مچایا۔ موفق نے اپنی قوت بازو سے اس شورشوں کو بھی دبایا۔ اور خلافت میں پھر اگلی سی شان نظر آنے لگی۔

موفق شمالی صوبوں میں لڑ رہا تھا کہ اچانک بیمار ہوگیا۔ اسے پالکی میں ڈال کر سامرہ پہنچا دیا گیا۔ یہاں کچھ دن کے بعد اس نے انتقال کیا۔ اور اس کا بیٹا ابو العباس اس کا جانشین مقرر رہوا۔ سال بھر کے بعد معتمد نے بھی وفات پائی اور ابو العباس نے

معتضد کے لقب سے مسند خلافت کو رونق بخشی

معتضد:

معتضد کا لڑکپن سے یہ حال تھا کہ لڑائیوں میں باپ کے ساتھ رہتا۔ اور ہر معرکہ میں فوج سے آگے بڑھ کر لڑتا۔ زنگیوں کی شورش کے زمانے میں اس اقبال مند شہزادے سے ہمت اور تدبیر کے جو کارنامے ظہور میں آئے، انہیں دیکھ کر بڑے بڑے تجربہ کار سپہ سالار دنگ رہ جاتے تھے۔ اس نے اپنی دلاوری اور مردانگی کے طفیل لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیا تھا۔ اس کی ہر دلعزیزی کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ باپ بیٹے میں کسی بات پر ان بن ہو گئی۔ موفق نے بیٹے کو قید کر دیا۔ بغداد کے لوگوں کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ بے تاب ہو کر گھروں سے نکل آئے اور موفق کے سپہ سالاروں کو جنہوں نے معتضد کو قید کر رکھا تھا گھیر لیا۔ آخر موفق نے خود آ کر انہیں سمجھایا بجھایا اور کہا کہ یہ باپ بیٹے کا معاملہ ہے تم اس میں دخل دینے والے کون ہوتے ہو؟ میں نے بیٹے کو صرف دھمکانے کے طور پر تھوڑے دنوں کے لئے قید کر دیا ہے۔ یہ سن کر لوگ اپنے اپنے گھروں کو پلٹ گئے۔

موفق کی بیماری جب بہت بڑھ گئی اور اس نے معتمد اور اس کے بیٹوں کو بلوا بھیجا۔ لوگوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے سمجھا کہ شاید موفق اپنے بھتیجوں میں سے کسی کو اپنا جانشین مقرر کرنا چاہتا ہے۔ انہوں نے اس مکان پر جہاں معتضد نظر بند تھا حملہ کر دیا۔

قفل توڑ کے اسے نکال لائے اور موفق کے سرہانے لا کے بٹھا دیا۔ موفق اس وقت بیہوش تھا ہوش آیا تو معتضد کو بلا کے پیار کیا اور اس کا قصور معاف کر دیا۔

معتضد نے رومیوں کو کئی معرکوں میں شکست دی۔ کردوں کو جو آہستہ آہستہ عراق پر قبضہ کر رہے تھے، اس علاقے سے نکال دیا۔ موصل کا حاکم سرکشی پر آمادہ ہوا۔ معتضد نے اسے بھی زیر کیا۔ احمد بن طولون کے بیٹے سے جو مصر کا حاکم تھا، خراج لیا اور ایسا رام کیا کہ اس نے اپنی بیٹی خلیفہ کو بیاہ دی۔ ادھر خراسان میں صفاری خاندان کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ اس کے اقبال کا ستارہ بھی گردش میں آیا۔ یعنی سامانیوں نے صفاریوں کو شکست دے کر ان کی حکومت پر قبضہ کر لیا۔

معتضد نے سامرہ کو چھوڑ کر بغداد کو اپنا دارالخلافہ بنایا۔ سارے امیر وزیر بھی وہیں اٹھ گئے۔ سامرہ ویران ہو گیا۔ اس کی عمارتوں کا سارا ملبہ بغداد میں لا کر فروخت کیا گیا۔ اس طرح بغداد نے جس کی چہل پہل سامرہ کے دارالخلافہ بننے سے بہت کم ہو گئی تھی، پھر رونق پائی۔ اور دور دور کے لوگ وہاں آ کے بسنے لگے۔ شہر کا انتظام عرصہ سے خراب تھا۔ چوروں اور ڈاکوؤں کی کثرت تھی۔ ٹھگوں کا ایک گروہ ایسا تھا۔ جو دن بھر تو نجومیوں اور رمالوں کا بھیس بدل کر، لوگوں کو آئندہ کا حال بتاتے پھرتے تھے۔ یا محفلوں میں اگلے بہادروں اور ناموروں کی داستانیں سنا کے روپیہ کماتے تھے۔ اور راتوں کو ڈاکے ڈالتے تھے۔ معتضد نے ان سب کو شہر سے نکال دیا۔ دجلہ کی ایک نہر مدت سے خشک پڑی تھی، اس کی بھی مرمت کرائی اور آس پاس کا بہت سا بنجر علاقہ

سیراب ہونے لگا۔

معتضد کو اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے لوگوں کے آرام و آسائش کا فکر رہتا تھا۔ پرانی کتابوں میں اس کے متعلق ایک ایسا واقعہ نظر سے گزرا ہے جسے سن کر تعجب ہوتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک دن وہ دوپہر کے وقت سوتے سوتے چونک پڑا اور خادموں کو آواز دی۔ وہ بھاگے بھاگے آئے۔ حکم ہوا کہ اس وقت دجلہ کے کنارے جاؤ اور جو کشتی سب سے پہلے ملے اسے گھیر لو اور اس کے ملاح کو پکڑ کر میرے پاس لے آؤ۔ لوگ گئے تو دیکھا کہ ایک ملاح جو کچھ گھبرایا ہوا سا ہے، نہایت تیزی سے کشتی چلا رہا ہے۔ انہوں نے اسے آواز دی وہ پچھ رکا۔ خلیفہ کے سپاہی اسے پکڑ کر محل میں لائے۔ خلیفہ نے اسے دیکھتے ہی ڈانٹ کے کہا کہ تو نے آج جس عورت کو قتل کیا ہے، بتا اس کی لاش کہاں ہے؟ یہ سن کر ملاح جو پہلے ہی سہا ہوا تھا، بہت پریشان ہوا اور کہنے لگا کہ امیر المومنین میں سچ مچ گنہگار ہوں، آج ایک نہایت خوبصورت عورت جو بھاری زیور اور قیمتی کپڑے پہنے ہوئی تھی، میری کشتی میں سوار ہوئی، زیور دیکھ کر میری نیت میں فتور آ گیا۔ میں نے اسے گلا گھونٹ کے مار ڈالا اور اس کا زیور اور کپڑے اتار کر لاش دریا میں پھینک دی۔ خلیفہ نے پوچھا اور وہ زیور اور کپڑے کہاں ہیں۔ کہا میں نے انہیں کشتی میں تختوں کے نیچے چھپا رکھا ہے۔ خلیفہ نے ملاح کو قتل کر دیا۔ اور اس عورت کے وارثوں کی تلاش ہونے لگی۔ دوسرے دن ان کا پتہ مل گیا۔ خلیفہ نے انہیں بلوا کر کپڑے اور زیور دکھائے۔ جنہیں انہوں نے پہچان لیا۔ دربار کے لوگ یہ ماجرا دیکھ کر

حیران تھے۔ آخر ایک منہ چڑھے مصاحب نے پوچھا کہ آپ کو اس قتل کا حال کیونکر معلوم ہوا؟ خلیفہ نے جواب دیا میں سویا ہوا تھا۔ اتنے میں کسی نے مجھ سے کہا کہ اس وقت دجلہ میں جو کشتی ملے، اس کے ملاح کو گرفتار کر لے کیونکہ اس نے ایک عورت کو قتل کر ڈالا ہے میں چونک کے اٹھ بیٹھا اور سپاہیوں کو بلا کے ملاح کو پکڑوالیا اس سے زیادہ مجھے کچھ معلوم نہیں۔

معتضد کو موقع ملتا تو شاید وہ عباسی خلافت کو ایسے عروج پر پہنچا دیتا کہ لوگ ہارون اور مامون کے زمانے کو بھول جاتے۔ قرمطی فرقے کی شورشوں نے اسے کچھ کرنے نہ دیا۔ معتضد اور اس کے بیٹے نے اگرچہ اس فرقہ کو مٹانے کی بڑی کوششیں کیں اور انہیں اپنی کوششوں میں بہت کچھ کامیابی بھی ہوئی لیکن وہ اسے پوری طرح نہ مٹا سکے اور قرمطی برابر خلافت کی جڑ کو کھوکھلا کرتے رہے۔ معتضد نے دس سال حکومت کر کے 289ھ میں وفات پائی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا مکتفی خلیفہ مقرر ہوا۔

مکتفی:

مکتفی رقہ میں تھا کہ باپ کی موت کی اطلاع ملی۔ فوراً کشتی میں سوار ہو کر بغداد کو چلا۔ لوگ نئے خلیفہ کو دیکھنے کے اشتیاق میں دجلہ کے دونوں کناروں پر صفیں باندھے کھڑے تھے۔ مکتفی ان کے سلام لیتا محل سرا میں داخل ہوا۔ دوسرے دن دربار میں تخت خلافت پر جلوس کیا معتضد نے اپنے زمانے میں ایک زمین دوز قید خانہ بنوایا تھا۔

مکتفی نے اس قید خانے کو گرا کر اس کی جگہ ایک خوبصورت مسجد بنوا دی۔ معتضد نے اپنے نئے محل کی تعمیر کے لئے لوگوں کی بہت سی زمینوں اور باغوں پر بھی قبضہ کرلیا تھا، اس عادل خلیفہ نے سب زمینیں اور باغ ان کے مالکوں کو واپس کر دیئے۔

اس زمانے میں امیروں وزیروں کے درمیان پھر جھگڑے ہو گئے۔ ادھر قرمطی فرقہ نے بڑا زور پکڑا اور راستے لٹنے لگے۔ مکتفی نے تلوار کے زور سے اس فتنہ کو دبایا جو اس کی موت کے بعد پھر ابھرا۔ اور سارے اسلامی ملک اس کی لپیٹ میں آ گئے۔ ادھر افریقہ میں ایک دشمن نے سر اٹھایا۔ یعنی ایک معمولی شخص نے جس کا نام ابوعبداللہ تھا، اغلبی خاندان کے حاکموں سے جو افریقہ میں حکومت کرتے تھے، سلطنت چھین کے حضرت علیؓ کے خاندان کے ایک شخص عبیداللہ مہدی کو وہاں کا حکمران بنا دیا اور اس طرح فاطمی خلافت کی بنیاد پڑی جو تقریباً تین سو سال تک عباسی خلافت کی حریف بنی رہی۔ مکتفی کے زمانے کا ایک اہم واقعہ مصر کی طولونی حکومت کا خاتمہ ہے۔ اس خاندان کے مٹنے سے مصر اور شام پھر عباسیوں کے قبضہ میں آ گئے مکتفی نے پانچ سال حکومت کر کے 295 میں وفات پائی۔

مکتفی نیک اور عادل خلیفہ تھا اور اگر وہ کچھ دن اور زندہ رہتا تو عباسیوں کی خلافت بہت قوت حاصل کر لیتی۔ چونکہ اس زمانے میں افریقہ مصر اور خراسان کے تین بڑے بڑے حکمران خاندان مٹ گئے۔ اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مکتفی کے جانشینوں کا حال لکھنے سے پہلے مختصر طور پر ان کا ذکر کر دیا جائے۔

طولونی حکومت:

مصر کی طولونی سلطنت کا بانی احمد بن طولون ایک ترک سپاہی تھا اس کا باپ طولون خلیفہ مامون الرشید کا غلام تھا۔ احمد سامرہ میں پیدا ہوا۔ بچپن میں قرآن حفظ کیا۔ مدتوں عالموں فاضلوں کی صحبت سے فیض اٹھاتا رہا۔ اس کی عمر بیس سال کی تھی کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور وہ ترکی فوج میں بھرتی ہو گیا۔

خلیفہ معتز کے زمانے میں احمد بن طولون کے اقبال کا ستارہ چمکا اور اسے مصر کی فوج کا سردار بنا کر بھیج اگیا۔ اس کے ساتھ ایک اور سردار کو خراج کی وصولی کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ یہ شخص بڑا ظالم تھا۔ احمد بن طولون سے اس کی ان بن ہو گئی۔ ان دونوں میں دیر تک کشمکش رہی۔ آخر ابن طولون نے بڑی تدبیروں سے اپنے دشمن کو مصر سے نکالا۔ اور ملک کا سارا انتظام اپنے قبضہ میں کر لیا۔ ان دنوں مصر کے باشندوں پر حکومت نے بہت سے محصول لگا رکھے تھے۔ جن کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کی حالت بہت خراب تھی۔ ابن طولون نے مصر کے ایک عہدہ دار کو جس کے سپرد محصول کا حساب کتاب تھا، بلا کر کہا کہ میں یہ سارے محصول اٹھا دینا چاہتا ہوں۔ اس نے جواب دیا کہ اس طرح ایک لاکھ دینار سالانہ کا خسارہ ہو گا۔ جسے پورا کرنے کی کوئی صورت نہیں۔ یہ سن کر احمد بن طولون چپکا ہو رہا۔

طرسوس میں احمد کا ایک دوست تھا جو پرہیز گار اور نیک شخص تھا۔ اسے انتقال کے

مدت ہو چکی تھی۔ اس رات کو احمد خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ اس کا پرانا دوست سامنے کھڑا ہے اور کہہ رہا ہے کہ اگر تم نے یہ ناجائز محصول ہٹا دیئے تو خدا تمہیں اتنا دے گا کہ سمیٹ نہ سکو گے۔ یہ سن کر ابن طولون کی آنکھ کھل گئی۔ اسی وقت اٹھ کر ان ناجائز محصولوں کی منسوخی کا حکم لکھوایا اس حکم نے لوگوں کو اس کا گرویدہ بنا دیا اور گھر گھر اس کی نیکی اور خدا ترسی کے چرچے ہونے لگے۔

دوسرے دن سیر و شکار کے ارادے سے جنگل کا رخ کیا۔ بہت سے ترک گھڑ چڑھے ساتھ تھے۔ ایک جگہ ایک ترک سپاہی کے گھوڑے کا پاؤں زمین کے اندر دھنس گیا۔ سب گھوڑوں سے اتر پڑے۔ گھوڑے کا پاؤں نکالا تو ایک بڑا سوراخ نظر آیا جس کے اندر پختہ زینے بنے ہوئے تھے اندر اتر کے ایک تہ خانہ ملا۔ جس میں سونے چاندی اور جواہرات کے ڈھیر لگے تھے۔ انہیں باہر نکالا تو جنگلی پہاڑ ان کی جوت سے جگمگا اٹھے۔ جوہریوں اور صرافوں کو بلوایا گیا انہوں نے سارے سامان کی قیمت دس لاکھ دینار لگائی۔ احمد بن طولون نے اس خزانے کا ایک حصہ تو غریبوں اور مسکینوں کو بانٹ دیا۔ باقی سے ایک قلعہ اور شفاخانہ بنایا۔ احمد بن طولون کو لوگوں کے آرام و آسائش کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اسکندریہ کی نہر مدت سے بند پڑی تھی اسے صاف کرایا اور اس میں جگہ جگہ حوض بنوائے۔ ملک بھر میں کئی پل تعمیر کرائے۔ لیکن رفاہ عامہ کے ان کاموں کے ساتھ ساتھ وہ اپنی طاقت بھی برابر بڑھاتا رہتا تھا۔ جب اس نے اچھی خاصی فوج جمع کر لی تو بالکل خود مختار ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد فوج کی یہ کثرت

ہوئی کہ فسطاط میں بالکل گنجائش نہ رہی۔اس لئے ایک علیحدہ چھاؤنی بنائی۔یہیں ایک چھوٹا سا ٹیکرا تھا جسے لوگ یشکر کہتے تھے۔مشہور تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہاں عبادت کیا کرتے تھے۔ابن طولون نے اس ٹیکرے پر جامع مسجد بنانے کا ارادہ کیا۔ جب بنیادیں کھودی گئیں تو ایک تہ خانہ ملا جس سے کروڑوں روپے کا خزانہ ہاتھ آیا۔ یہ جامع مسجد لاکھوں روپے کی لاگت سے دو برس میں بن کر تیار ہوئی تو مصر کے ایک مشہور عالم کو وہاں حدیث پڑھانے پر مقرر کیا گیا۔ابن طولون اور اس کے بیٹے معمولی طالب علموں کی طرح ان سے حدیث پڑھتے تھے۔

ادھر سامرہ میں بابر ابن طولون کی دولت اور شان وشوکت کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔دربار خلافت کے بعد امیروں نے جو ابن طولون کے دشمن تھے،خلیفہ معتمد اور اس کے بھائی موفق کو بہت سی جھوٹی سچی باتیں سنا کر اس کا مخالف بنا دیا۔وہاں سے مشہور ترک سردار موسیٰ کو مصر پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا گیا۔لیکن یہ فوج رقہ سے آگے نہ بڑھنے پائی۔اور آخر رسد کی کمی کی وجہ سے واپس چلی گئی۔انہیں دنوں خبریں آئیں کہ عیسائی شام کی سرحد پر چھاپے مار رہے ہیں۔خلیفہ نے مجبور ہو کر ابن طولون کو لکھا اس نے رومیوں کو مار ہٹایا اور شام کے علاقہ پر قبضہ کرلیا ابن طولون نے پندرہ سال حکومت کر کے 270ھ میں وفات پائی اس کا زمانہ مصریوں کے لئے بڑی خوشحالی اور امن کا زمانہ تھا۔مصر کی سرزمین بڑی زرخیز ہے۔دریائے نیل چڑھتا ہے تو دور دور کے ملک کو سرسبز اور نہروں اور چشموں کو لبالب کر دیتا ہے۔مصر کے کسانوں کو

جب ناجائز محصولوں کے بوجھ سے نجات ملی، اور ابن طولون کی سخاوت کے طفیل، طبیعتوں کے اطمینان اور فراغت کے سارے سامان مہیا ہو گئے، تو انہوں نے مشقت کا پسینہ بہا کر ہر طرف گلزار کھلا دیئے۔ اس طرح ملک کی آمدنی بڑھی اور خزانہ روپے سے بھرپور نظر آنے لگا۔ لیکن ابن طولون کو مال سمیٹنے کا شوق نہیں تھا۔ اس کا فیاض ہاتھ بخشش میں نیل کی موجوں کا مقابلہ کرتا تھا۔ جتنا روپیہ خزانہ میں آتا، بے دریغ لٹا دیتا۔ تین ہزار دینار ہر ہفتے یتیموں اور بیواؤں میں تقسیم ہوتے تھے۔ خاص خاص تقریبوں میں تو دولت کا مینہ برس جاتا تھا۔

ابن طولون کے جانشین:

ابن طولون کے بعد اس کا بیٹا خمارویہ مصر کا حکمران ہوا۔ اگرچہ وہ ہمت اور تدبیر میں اپنے باپ کو نہیں پہنچتا، لیکن شان و شوکت میں وہ ابن طولون سے بھی بڑھا ہوا تھا۔ اسے عمارتیں بنانے اور انہیں نئے نئے طریقوں سے سجانے کا بڑا شوق تھا۔ طولونی محل کی دیواروں پر سونے کا رنگ پھیرا گیا۔ قیمتی لکڑی کے ستون اور دروازے بنے۔ جنہیں طرح طرح کے نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا۔ قصر شاہی کے ساتھ ایک کھلا میدان تھا۔ خمارویہ نے اسے بھی محل میں شامل کر لیا اور اس میں ہر قسم کے درخت لگوائے۔ پختہ نہریں اور سنگ مرمر کے حوض جنہیں سنگ سرخ کے حاشئے نے گلرنگ کر رکھا تھا، تعمیر کرائے۔ میلوں کے گھیر میں یہ باغ تھا۔ جس میں طرح طرح کے

درختوں کے ساتھ رنگا رنگ پھولوں کے چمن کھلے تھے۔ دور دور سے خوش آواز پرند منگوا کر اس میں چھوڑے گئے۔ پاس ہی ایک احاطہ تھا جس میں ہرن، چیتل، پاڑے، چیتے اور شیر پنجروں میں بند تھے اور سینکڑوں آدمی ان کی نگہبانی پر مقرر تھے۔

خمارویہ کو شیروں اور چیتوں کا بڑا شوق تھا۔ اور یہ جانور بھی اس سے بہت ہلے ہوئے تھے۔ دربار لگا تا تو سامنے شیر اور چیتے بندھے رہتے۔ ان میں سے بعض تو اس کے پیچھے گھومتے پھرتے تھے۔ تخت پر بیٹھتا تو کھڑے پہرہ دیتے رہتے۔

تاریخ کی کتابوں میں خمارویہ کی بہت سی ایجادوں کا ذکر ہے ان میں سے ایک حوض بہت مشہور ہے جس میں وہ رات کو سویا کرتا تھا۔ کہتے ہیں کہ اسے راتوں کو نیند نہیں آتی تھی۔ نیند لانے کے لئے اس نے ایک حوض بنوایا۔ جسے پارہ سے لبالب کر دیا گیا۔ اس پارہ پر چمڑے کا ایک گدا تھا جس میں ہوا بھری ہوئی تھی۔ گدے کے کناروں پر ریشم کی ڈوریاں جنہیں چاندی کے لٹوں سے باندھ دیا گیا تھا، خمارویہ اسی بستر پر سوتا تھا۔ پارہ ہلکورے لیتا تھا۔ اور اسے نیند آ جاتی تھی۔ ابن طولون تو خلیفہ کی پرواہ نہ کرتا تھا۔ لیکن خمارویہ نے دربار خلافت سے نا اتفاقی پیدا کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس زمانے میں معتضد خلیفہ تھا۔ خمارویہ نے اس کے لئے بہت سے تحفے بھیجے جن میں بیس خچر اشرفیوں سے لدے ہوئے تھے۔ دس غلام، زیور کے دو صندوق۔ سترہ اصیل گھوڑے جن کا ساز و براق سارا سونے کا تھا 37 اونٹ جن پر زربفت کی جھولیں پڑی تھیں۔ ان کے علاوہ سواری کے پانچ خچر تھے اور ایک زرافہ جو افریقہ کا مشہور جانور

ہے ان تحفوں کے ساتھ بیس سوار تھے جو ریشمی کپڑے پہنے اور سونے کی پٹیاں لگائے ہوئے تھے۔ خمارویہ نے عباسی خاندان سے تعلقات بڑھانے کے خیال سے اپنی بیٹی خلیفہ کو بیاہ دی تھی۔ یہ بیاہ اس دھوم دھام سے ہوا اور خمارویہ نے بیٹی کو اتنا جہیز دیا کہ آج پرانی کتابوں میں اس کے حالات پڑھتے ہیں تو تعجب ہوتا ہے۔ کہتے ہیں اس موقع پر اس نے اپنی بیٹی کے بیٹھنے کے لئے سونے کا ایک تخت بنوایا جس کے چاروں گوشوں پر جڑاؤ ستون کھڑے تھے۔ اس پر جڑاؤ دارقبہ جو سونے کے تاروں سے بنایا گیا تھا، اس جالی دارقبہ کے حلقوں میں ایک بیش بہا موتی سونے کے تار سے لٹکتا تھا۔ جب شہزادی کے بغداد روانہ ہونے کا وقت آیا تو خمارویہ نے مصر سے بغداد تک ہر منزل پر ایک ایک محل بالکل اپنے محل جیسا بنوایا اس طرح گویا شہزادی بغداد تک اپنے باپ کے گھر میں ہی ٹھہرتی چلی آئی۔

خمارویہ اپنے ایک غلام کے ہاتھوں مارا گیا اس کے بعد اس کے دو بیٹے مصر کے تخت پر بیٹھے۔ جن کے زمانے میں طولونی خاندان کی حکومت بہت کمزور ہو گئی اور 293ھ میں وہاں پھر عباسیوں کا قبضہ ہو گیا۔ تیس سال کے بعد ایک ترک سردار نے جو اخشید کے لقب سے مشہور تھا مصر میں خود مختار حکومت قائم کر لی۔ پچیس سال تک اخشیدی خاندان اس ملک میں یکتائی کا نقارہ بجاتا رہا۔ پھر 358ھ میں عبید اللہ مہدی کے جانشینوں نے جو فاطمی کہلاتے تھے، نیل کے ساحل پر اپنی خلافت کا سپید پھریرا لہرایا۔ فاطمی خاندان کے حالات آگے چل کر آئیں گے۔ طولونی خاندان کے زمانہ

میں مصر نے بڑی ترقی کی۔نہریں کھدیں۔پل بنے،کھیتی باڑی نے فروغ پایا۔جگہ جگہ مکتب کھلے اور گھر گھر علم کا چرچا ہونے لگا۔ہر فن کے صاحب کمال دور دور کے ملکوں سے کھچ کر مصر پہنچے اور طولونی فرمانرواؤں کی قدر دانی کے طفیل آرام سے زندگی بسر کرنے لگے۔اس خاندان کے حکمرانوں کو عمارتیں بنوانے کا بھی بڑا شوق تھا۔اس زمانے کی ایک مشہور عمارت وہ جامع مسجد ہے جو ابن طولون نے بنوائی تھی۔اس مسجد کے کھنڈر اب تک موجود ہیں۔

صفاری خاندان:

یعقوب بن لیث اور عمرو بن لیث دو بھائی سیستان میں پیتل کا کام کرتے تھے۔ ان دنوں سیستان میں صالح بن نصر ایک نیک اور پرہیز گار بزرگ تھے جنہوں نے خارجیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اچھی خاصی فوج فراہم کر لی تھی۔ یہ دونوں بھائی صالح کے پاس اکثر آیا جایا کرتے تھے۔ان کے اثر سے ان کے دلوں میں نیکی اور پرہیز گاری کا شوق پیدا ہوا اور وہ صالح کے ساتھ لڑائیوں میں بھی حصہ لینے لگے۔ان معرکوں میں ان دونوں بھائیوں نے اپنی بہادری کی وجہ سے بڑی ناموری حاصل کر لی۔چنانچہ صالح کی وفات کو تھوڑے ہی دن گزرے تھے کہ مسلمانوں نے یعقوب بن لیث کو اپنا امیر چن لیا۔اس بہادر شخص نے خارجیوں سے لڑ بھڑ کر سیستان اور ہرات پر قبضہ کر لیا۔اور ایسا زور پکڑا کہ آس پاس کے تمام سرداروں نے اس کی اطاعت قبول کر

لی۔

ان دنوں خراسان کا علاقہ طاہریوں کے قبضہ میں تھا اور فارس پر ایک شخص علی بن حسین نے اپنا تسلط جما رکھا تھا اور یعقوب چاہتا تھا کہ کسی طرح مجھے دربار خلافت سے فارس کی حکومت کا فرمان مل جائے۔ چنانچہ اس نے ایلچیوں کے ہاتھ خلیفہ کے لئے بہت سے قیمتی تحفے بھیجے۔ ان میں سے ایک چاندی کی مسجد تھی جس میں پندرہ نمازیوں کی مورتیں بھی بنیں ہوئی تھیں۔ ابھی ایلچیوں کو دربار خلافت سے کوئی جواب نہیں ملا تھا کہ یعقوب نے فوج لے کر فارس کا قصد کیا۔ اور اس علاقہ کو فتح کر کے کرمان سے ہوتا ہوا سیستان آیا۔ اس زمانے میں خراسان کی حکومت طاہری خاندان کے قبضہ میں تھی۔ فارس کی فتح کے بعد یعقوب خراسان کی طرف بڑھا۔ طاہریوں میں مقابلہ کرنے کی ہمت نہیں تھی۔ یعقوب نے نیشاپور اور خراسان کے دوسرے شہروں کو بڑی آسانی سے فتح کر لیا۔ اور دربار خلافت میں عرضی بھیجی کہ خراسان میں بڑی شورش برپا تھی جسے میں نے تلوار کے زور سے مٹایا مجھے اس علاقے کی حکومت کی سند ملنی چاہیے۔ معتز کا زمانہ ہوتا تو اسے خراسان کی حکومت مل جاتی لیکن اس زمانے میں خلافت کی مسند پر معتمد بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کا بھائی موفق جو ہمت اور تدبیر میں بے نظیر تھا، **ملک** کا انتظام کرتا تھا۔ اس نے جواب میں لکھا کہ تم نے ہماری اجازت کے بغیر خراسان پر قبضہ کر لیا ہے، اس لئے بہتر یہی ہے کہ یہ علاقہ طاہریوں کے حوالے کر کے خود سیستان چلے جاؤ۔ ورنہ تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔ یعقوب اس دھمکی کی کب

پروا کرتا تھا اس نے خراسان کا قبضہ نہ چھوڑا۔ آخر خلیفہ نے مجبور ہو کر اسے خراسان، رے اور فارس کا حاکم تسلیم کر لیا۔

اب یعقوب کے حوصلے بڑھے اور اس نے خلیفہ کی ملاقات کے بہانے بغداد پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ یہ خبر سن کر خلیفہ اور اس کا بھائی دونوں سامرہ سے بغداد آئے اور وہاں سے فوج لے کر واسط کے قریب اسے روکا۔ لڑائی کے آغاز میں صفاری فوجیں اس خوبصورتی سے لڑیں کہ خلیفہ کے لشکر کے قدم اکھڑنے لگے، لیکن موفق خود گھوڑا مار کے سامنے آیا اور فوج کو للکارتا ہوا بڑھا۔ اس کی بہادری سے ٹوٹی ہوئی ہمتیں بندھ گئیں۔ ادھر یعقوب بن لیث کے بعض سرداروں کے دل میں خدا نے یہ بات ڈال دی کہ عباسی خلیفہ سارے مسلمانوں کا سردار ہے۔ اس کا مقابلہ کرنا ٹھیک نہیں۔ یہ سوچ کر وہ جنگ سے جی چرانے لگے۔ آخر یعقوب کی فوج نے شکست کھائی۔ اس کے کئی سردار میدان میں کام آئے اور خلیفہ کی فتح مند فوج دس ہزار خچر جو لوٹ کے مال سے لدے ہوئے تھے، ساتھ لے کر بغداد پہنچی۔

یعقوب واسط سے بھاگ کر فارس پہنچا۔ ان دنوں زنگی بڑے زور پر تھے۔ ان کے سردار نے یعقوب کو پیغام بھیجا کہ آؤ ہم تم مل کر پھر بغداد پر جا پڑیں۔ اس غیرت مند نے صاف انکار کر دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ نے اپنا ایلچی صلح کا پیغام لے کر یعقوب کے پاس بھیجا۔ یہ سفیر جب یعقوب کے پاس پہنچا تو اس کا آخری وقت تھا لیکن اس حالت میں بھی اس کی سپاہیانہ شان میں کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ وہ بیماری کے

بستر پر پڑا تھا۔ ایک پہلو میں تلوار جس کے قبضہ پر اس کا ہاتھ بار بار پہنچتا تھا، دوسرے پہلو میں روٹی کا ایک ٹکڑا اور پیاز کی ایک گٹھی۔ خلیفہ کا یہ پیغام سن کر وہ سے کہنے لگا۔ اپنے آقا سے کہہ دیجیو کہ میں بیماری کے بستر پر پڑا ہوں، اگر مر گیا تو یہ سمجھو ہمارے تمہارے سب جھگڑے ختم ہو گئے اور جیتا بچا تو یہ تلوار سارے فساد مٹا دیگی۔ یا تو میں بغداد فتح کر کے شکست کا انتقام لوں گا، ورنہ سلطنت سے ہاتھ اٹھا کر اس روٹی کے ٹکڑے اور پیاز پر قناعت کرتوں گا ابھی ایلچی یہ پیغام لے کر سامرہ نہیں پہنچا تھا کہ یعقوب کا انتقال ہو گیا۔

عمرو بن لیث :

یعقوب بن لیث کے بعد اس کے بھائی عمرو بن لیث نے بڑی خوش اسلوبی سے سلطنت کا انتظام سنبھالا پہلے خلیفہ معتمد اور اس کا بھائی موفق دونوں عمرو بن لیث سے ناراض تھے۔ لیکن عمرو نے تحفے تحائف بھیج کر ان دونوں کو خوش کر لیا۔ چنانچہ معتمد نے عمرو بن لیث کو خراسان اور رے کی سند حکومت عطا کی۔ اس کا نام ڈھالوں پر کندہ کرایا۔ ساتھ ہی اسے بغداد کا کوتوال بھی مقرر کیا جو اس زمانے میں بہت بڑا عہدہ سمجھا جاتا تھا۔

خلیفہ معتضد کے زمانے میں عمرو بن لیث نے دربار خلافت میں لکھ بھیجا کہ ماوراء النہر کی حکومت بھی مجھے عطا کی جائے۔ خلیفہ نے اسے ماوراءالنہر پر قبضہ کرنے کی

اجازت دے دی۔ عمرو نے حکمرانی کی سند پا کر بہت سامال خزانہ خلیفہ کے لئے بھیجا۔ نقد روپیہ کے علاوہ بیس گھوڑے اور ڈیڑھ سو اونٹ بھی تھے جن پر زرکار جھولیں پڑی تھیں۔

ان دنوں ماوراء النہر میں سامانی خاندان اپنے قدم جما چکا تھا۔ عمرو بن لیث نے اس علاقہ پر حملہ کرنے کے لئے بہت بڑی فوج جمع کی اور اپنے ایک سپہ سالار کو ئی نامی سردار اور بڑا لاؤ لشکر دے کر سامانیوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ صفاریوں کی فوج دریائے جیحون سے اتری، تو اسمٰعیل بن احمد سامانی نے جو ماوراء النہر کا حکمران تھا، آگا روکا، گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ صفاری سپہ سالار نے سپہ گری میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا۔ سارے سردار خوب لڑے، لیکن حریف زبردست تھا، شکست کھائی۔ کہتے ہیں کہ عمرو بن لیث کی فوج کے جو سپاہی اس معرکہ میں زندہ بچ گئے تھے۔ اسمٰعیل سامانی نے انہیں قید کرنے کے بجائے بہت سا روپیہ پیسہ دے کر رخصت کیا۔ درباریوں نے جب اس سے اس برتاؤ کا سبب پوچھا تو کہنے لگا کہ یہ بیچارے پیٹ کی خاطر عمرو کی فوج میں بھرتی ہو گئے ہیں، اب بیوی بچوں میں کچھ دن آرام کریں گے اور پھر ہم سے لڑنے نہیں آئیں گے۔ اب عمرو نے خود نکلنے کا ارادہ کیا اور اس شان اور ساز و سامان سے چلا کہ بھونچال سا آ گیا۔ اسمٰعیل کو اس کے آنے کی خبریں ملیں تو نہایت عاجزہ سے خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ

"میں سرحد کے ایک چھوٹے سے علاقہ کا حاکم ہوں۔ اور تم نے ایک دنیا پر قبضہ کر

رکھا ہے۔ اپنے ملک پر قناعت کرو اور مجھے یہیں پڑا رہنے دو'' لیکن عمرو نے دولت کے غرور اور کامیابی کے نشہ میں اس کی بات پر دھیان نہ دیا اور بلخ پہنچ کر رکا۔ یہاں سے بڑھنے کا ارادہ کیا تو سرداروں نے کہا کہ ان دنوں دریائے جیحوں بڑے جوش پر ہے۔ اسے عبور کرنے میں بڑی مشکل پیش آئے گی۔ عمرو نے جواب دیا کہ میں چاہوں تو دریا کو اشرفیوں سے پاٹ کر پار اتر جاؤں۔

عمرو بن لیث بلخ میں ہی پڑا تھا کہ اسمٰعیل نے جیحوں سے اتر کر اسے گھیر لیا۔ بخارائی ترکوں کی تلوار کے سامنے خراسانی سپاہیوں کے قدم نہ ٹھہر سکے۔ صفاری فوجیں بھاگ کھڑی ہوئیں۔ عمرو نے جب دیکھا کہ کھیل بگڑ گیا تو ساتھیوں سے الگ ہو کر بھاگنے کا ارادہ کیا۔ سامنے ایک دلدل دکھائی دی۔ چاہا کہ گھوڑا اڑا کر صاف نکل جائے، لیکن گھوڑے کے قدم کیچڑ میں پھنس گئے۔ اور سامانی سپاہیوں نے جو تعاقب میں چلے آتے تھے، اسے آسانی سے پکڑ لیا۔ اسمٰعیل اس کے ساتھ بڑی عزت سے پیش آیا اور چھ دن سمرقند میں رکھ کر بغداد بھیج دیا۔ وہاں وہ دو سال قید رہا اور آخر قتل کر ڈالا گیا۔ عمرو بن لیث بڑا بہادر اور عالی حوصلہ شخص تھا۔ اس نے خراسان کے سرکشوں کو نیچا دکھا کے اس ملک میں ایسا امن و امان قائم کیا، کہ چھوٹے بڑے مطمئن ہو گئے۔ جگہ جگہ پرچہ نویس مقرر تھے، جو اسے ملک بھر کی خبریں پہنچاتے تھے۔ اس کی دولت کا کوئی شمار نہیں تھا۔ چنانچہ اس کے خزانے کی کہانیاں مدت تک خراسان اور ترکستان میں مشہور رہیں۔ جس دن فوج میں تنخواہ تقسیم ہوئی تھی، خود معمولی سپاہیوں کی صف میں آ

کھڑا ہوتا۔ تنخواہ کے تین سو درہم لے کر انہیں بوسہ دیتا اور موزہ میں رکھ لیتا۔ جو خادم رات کو موزہ اتارتا، یہ تین سو درہم اسے انعام میں ملتے تھے۔

خراسان کے لوگ ہمیشہ عربوں کو اجنبی سمجھتے رہے۔ اور اگر چہ عباسی حکمرانوں نے ان پر بڑی مہربانیاں کیں، ان کے دلوں سے یہ خیال نہ نکلا کہ اس ملک پر یہیں کے لوگوں کی حکومت ہونی چاہیے۔ طاہریوں اور صفاریوں کی حکومت سے انہیں کسی قدر اطمینان ہوا، کیونکہ یہ خاندان خراسان کی خاک سے اٹھے تھے۔ اور خراسانی ان کی حکومت کو قومی حکومت جانتے تھے اس زمانے میں ایران کے پرانے بادشاہوں کے بہت سے قانون اور آئین تازہ ہوئے اور حکومت کی سرپرستی کے طفیل فارسی زبان اور شاعری نے بھی رونق پائی۔

مقتدر باللہ:

مکتفی نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا تھا۔ کچھ امیروں نے مکتفی کے چھوٹے بھائی جعفر کو جس کی عمر تیرہ سال کی تھی، مقتدر کے لقب سے خلافت کی مسند پر بٹھا دیا۔ لیکن بعض سردار معتز کے بیٹے عبداللہ کو جو بڑا قابل شخص تھا، خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ انہوں نے محل میں پہنچ کر مقتدر کو تخت سے اتارا اور عبداللہ کو خلیفہ بنا کر اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔

مقتدر کے پاس غلاموں اور نوکروں کا بڑا جتھا تھا۔ انہوں نے جب یہ خبر سنی تو

رات کو عبداللہ بن معتز کے محل میں گھس گئے۔ وہ سویا پڑا تھا، شور سن کر جاگا۔ اور یہ سمجھ کر کہ مقتدر فوج لے کر چڑھ آیا بھاگ کھڑا ہوا۔ اس حالت میں اس کے وزیر اور ایک جان نثار غلام کے سوا کسی نے اس کا ساتھ نہ دیا۔ اور رات بھر میں ادھر کی دنیا دھر ہو گئی۔ جو امیر وزیر عبداللہ کے بڑے حامی تھے، ان میں سے کچھ تو بھاگ کھڑے ہوئے، کچھ پکڑے گئے۔ مقتدر نے ان سب کو قتل کروا ڈالا۔ عبداللہ بن معتز بھی پکڑا ہوا آیا اور مارا گیا۔ مقتدر نے پچیس سال حکومت کی، لیکن اس کی حکومت کا سارا زمانہ جھگڑوں اور شورشوں میں گزر گیا۔ اسے خود تو سلطنت کا کاروبار چلانے کا سلیقہ نہیں تھا۔ سارا وقت لونڈی غلاموں میں گزار دیتا، البتہ سلطنت کے شروع میں اسے جو وزیر ہاتھ آئے، ان میں سے بعض بہت قابل تھے۔ مقتدر کی حکومت کے آخری زمانے میں اس کی ماں نے جو بڑی قابل خاتون تھی، سلطنت کے کاروبار پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ خود اپنے دستخطوں سے حکم جاری کرتی۔ شاہی محل میں اس کا دربار علیحدہ لگتا تھا۔ جمعہ کے دن اس کے دربار میں سارے امیر وزیر جمع ہوتے۔ لوگ عرضیاں پیش کرتے اور ان پر مناسب حکم لکھے جاتے تھے۔

مقتدر کے زمانے میں روم کے بادشاہ نے اپنے ایلچی بھیجے۔ خلیفہ نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار آراستہ کر کے انہیں بلوایا۔ صلح کی گفتگو ہوئی اور جو مسلمان رومیوں کی قید میں تھے، انہوں نے رہائی پائی۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد روم کے بادشاہ نے صلح توڑ دی اور لشکر لے کر مسلمانوں کے علاقہ پر چڑھ آیا۔ لوگ فریاد لے کر خلیفہ کے دربار

میں پہنچے، لیکن یہاں کسی نے پروانہ کی۔ آخر سرحدی شہروں کے مسلمانوں نے خود ہمت کر کے رومیوں کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست دے کر بھگا دیا۔ کچھ عرصہ کے بعد خلیفہ کو بھی خیال ہوا اپنے ایک غلام کو بھیجا جس نے رومیوں کی فوجوں کو تہس نہس کر کے انگورہ اور عموریہ تک بہادری کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

مقتدر کے زمانے تک خلافت کا رعب و داب اگرچہ قائم تھا، لیکن ملک میں جگہ جگہ سازشوں کے فتنے سر ابھار رہے تھے۔ اور صوبوں کے حاکم اس فکر میں تھے کہ کسی طرح بالکل آزاد ہو جائیں۔ مصر کے طولونی خاندان کی حکومت مٹ چکی تھی۔ اب وہاں انشیدیوں نے جو ترک نسل سے تھے، اپنی حکومت قائم کر لی۔ ادھر اسمٰعیلیوں نے سر اٹھایا اور اغلبی خاندان کی حکومت کو مٹا کے سارے شمالی افریقہ پر قبضہ کر لیا۔ قرمطیوں نے بھی جو اصل میں اسمٰعیلی گروہ کی شاخ تھے، بڑا فساد برپا کیا۔ اور بغداد تک آ پہنچے۔ ایک امیر نے موصل اور آس پاس کے بہت سے علاقہ میں اپنی خود مختار حکومت قائم کر لی اور بہت سی فوج لے کر بغداد کی طرف بڑھا۔ مقتدر مقابلہ کے لئے نکلا لیکن شکست کھا کر مارا گیا یہ واقعہ 320ھ کا ہے قتل کے وقت مقتدر کی عمر 38 سال تھی۔

قاہر:

مقتدر کے بعد سرداروں نے مکتفی کے چھوٹے بھائی کو قاہر کے لقب سے کلافت کے تخت پر بٹھایا۔ قاہر بڑا ظالم خلیفہ تھا۔ حکومت حاصل کرتے ہی سب سے پہلے

مقتدر کی ماں کو جو بیٹے کی موت کی غم میں نڈھال ہو رہی تھی، بلوا کر کہا کہ تم نے جو دولت جمع کر رکھی ہے میرے حوالے کر دو۔ اس نے کہا کہ میرے پاس کوڑی نہیں۔ جتنا روپیہ آیا سب خرچ ہو گیا قاہر نے اس کے محل کی تلاشی لی لیکن ایک پائی بھی ہاتھ نہ آئی۔

قاہر دو سال خلیفہ رہا لیکن لوگ اس کے ظلم وستم سے بہت تنگ تھے۔ آخر ایک دن فوج نے اس کے محل پر حملہ بول دیا۔ قاہر نے بھاگنا چاہا لیکن پکڑا گیا اور سپاہیوں نے اسے اندھا کر دیا۔ اس کتاب میں اسمٰعیلیوں اور قرمطیوں کا ذکر کئی جگہ آیا ہے چونکہ اس زمانے میں جس کے حالات بیان کر رہے ہیں، ان لوگوں نے بہت عروج حاصل کر لیا تھا، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس جگہ ان کا حال کسی قدر تفصیل سے بیان کر دیا جائے۔

اسمٰعیلی اور قرمطی:

تم پڑھ چکے ہو کہ حضرت علیؓ کے خاندان کے لوگوں نے خلافت حاصل کرنے کا بڑا زور مارا لیکن عباسیوں کے سامنے کوئی پیش نہ چلی پھر بھی مسلمانوں میں سے کچھ لوگ برابر ان کی خیر خواہی کا دم بھرتے رہے۔ یہ لوگ شیعہ کہلاتے ہیں حضرت علیؓ کی اولاد میں کئی نیک اور پرہیزگار بزرگ گزرے ہیں جو امام کے لقب سے مشہور ہیں۔ یوں تو سارا عالم اسلام نیکی، پرہیزگاری اور علم وفضل کی وجہ سے ان بزرگوں کی عزت

کرتا تھا، لیکن شیعہ فرقہ کے لوگ خاص طور پر ان کے جان نثار تھے۔ ان اماموں نے نہ تو کبھی سلطنت کی آرزو کی، نہ دربار کی سازشوں میں شریک ہوئے۔ البتہ ان کے خاندان کے دوسرے لوگوں نے کئی مرتبہ عباسیوں کی حکومت کے خلاف سرکشی کا جھنڈا لہرایا اور بہادری سے لڑ کر مارے گئے۔

اس خاندان کے چھٹے امام حضرت امام جعفر صادقؑ کے زمانے تک تو شیعوں میں ایکا رہا۔ پھر ان میں بھی پھوٹ پڑ گئی۔ ایک بہت بڑی جماعت ان کے بڑے بیٹے امام موسیٰ کاظم کو امام ماننے لگی اور کچھ لوگ ان کے دوسرے بیٹے اسمٰعیل کو امامت کا حقدار سمجھنے لگے۔ امام موسیٰ کاظم کی اولاد میں چھ پشت تک امامت چلی۔ امام حسن عسکری شیعوں کے گیارھویں امام تھے۔ جنھوں نے معتمد کے زمانے میں وفات پائی۔ ان کے فرزند جن کا لقب مہدی ہے، بچپن میں ہی غائب ہو گئے تھے۔ شیعہ انہیں امام غائب کہتے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ وہ کسی زمانے میں پھر ظاہر ہو کر دنیا کو سارے فتنوں سے پاک کریں گے۔

جن لوگوں نے اسمٰعیل کو امام مانا وہ اسمٰعیلی کہلاتے تھے۔ اس فرقہ کا ایک گروہ اپنے مذہبی عقیدوں کو عام لوگوں سے چھپاتا۔ اور چپکے چپکے اپنے خیالات پھیلاتا رہا۔ یہ گروہ باطنی کے نام سے مشہور تھا۔ باطنیوں نے سارے اسلامی ملکوں میں تبلیغ کا جال پھیلا رکھا تھا۔ ان کے مبلغ جو داعی کہلاتے تھے جگہ جگہ بھیس بدلے پھرے۔ اور لوگوں کو اپنے عقیدہ کی تعلیم دیتے تھے۔ ان کے مذہب میں بعض ایسے بھید تھے، جن سے

خاص خاص لوگوں کے سوا کوئی واقف نہیں تھا۔ دوسرا گروہ قرمطی کہلاتا تھا یہ جماعت اگرچہ بے انتظام تھی، لیکن بڑی نڈر اور دلیر، جدھر بڑھتی بستیوں کی بستیاں ویران کر ڈالتی۔

جن عالموں نے باطنیوں اور قرمطیوں کے حال کی تحقیق کی ہے وہ کہتے ہیں کہ ان لوگوں کے مذہبی عقیدوں پر ایرانیوں کے خیالات کا بہت گہرا اثر پڑا ہے۔ انہوں نے کچھ باتیں مجوسیوں سے لیں کچھ مسلمانوں سے، اور انہیں ملا کر ایک نئے مذہب کا ڈھانچہ تیار کر لیا۔ چنانچہ باطنیوں اور قرمطیوں میں جو لوگ بڑے نامور ہوئے ہیں۔ ان میں سے اکثر اصل اور نسل کے اعتبار سے ایرانی تھے۔ معتضد اور مکتفی کے زمانے میں ادھر عبید اللہ مہدی نے جو اپنا شجرہ نسب امام جعفر صادق کے فرزند اسمٰعیل سے ملاتا تھا، افریقہ پہنچ کر فاطمہ خلافت کی بنیاد ڈالی۔ ادھر باطنی اور قرمطی اٹھے اور عراق شام اور بحرین پر چھا گئے۔ کہتے ہیں کہ باطنی فرقہ کا بانی ایک شخص عبداللہ بن میمون قداح تھا۔ اس نے بیت المقدس میں اپنے خیالات کی تبلیغ شروع کی اور طرح طرح کے شعبدے دکھا کے بھولے بھالے لوگوں کو اپنا معتقد بنا لیا۔ اس شخص نے اپنے آدمی جگہ جگہ لگا رکھے تھے جو کبوتروں کے ذریعے اسے خبریں پہنچاتے تھے۔ لوگ اس کی زبانی دور دور کے شہروں کے حالات سنتے تو حیران رہ جاتے۔ رفتہ رفتہ ہر طرف یہ خبر مشہور ہو گئی کہ عبداللہ قداح غیب کے حالات جانتا ہے۔ یہ سن کر جوق در جوق اس کے گروہ میں شامل ہونے لگے۔ آخر اسے بیت المقدس سے نکال دیا گیا۔ وہاں سے وہ بصرہ

میں پہنچا پھر حمص کے ایک چھوٹے سے گاؤں سلمیہ میں اٹھ گیا اور وہاں سے اپنے داعی ہر طرف پھیلا دیئے۔ اب قرمطی جماعت کی داستان سنو۔ معتمد کی حکومت کے آخری دنوں میں خوزستان کا ایک شخص کوفہ پہنچا اور کہنے لگا کہ مجھے امام مہدی نے جو عنقریب ظاہر ہونے والے ہیں، لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا ہے۔ اس شخص کے رنگ ڈھنگ نرالے تھے۔ ساری رات نماز پڑھتا رہتا تھا، کہیں آنا جانا ہوتا تو بیل پر سوار ہو کے نکلتا۔ اتفاق سے اسے کوفہ کے لوگوں میں اپنے ڈھب کا ایک آدمی مل گیا۔ جس نے آس پاس کے دیہات کے لوگوں کو اس کا معتقد بنا دیا۔ اس کے پیرو رات دن عبادت میں گزار دیتے تھے۔ اس طرح کھیتی باڑی کی طرف سے ان کی توجہ ہٹ گئی۔ فصلوں کو نقصان پہنچا اور ان سے سرکاری لگان بھی ادا نہ ہو سکا۔ کوفہ کے حاکم نے جب دیکھا کہ اس شخص کی وجہ سے کسانوں کو سخت نقصان پہنچ رہا ہے تو اس نے خوزستانی کو قید کر دیا لیکن خوزستانی بڑا ہوشیار شخص تھا۔ رات کو حاکم کوفہ کی لونڈی کھانا لے کر اس کے پاس گئی تو اس نے لونڈی کے سامنے اپنی بے گناہی اور مظلومی کا ذکر کچھ اس انداز سے کیا کہ اسے ترس آ گیا۔ اس نے حاکم کوفہ کے سرہانے سے قید خانے کی چابی اڑا کر خوزستانی کو چپکے سے رہا کر دیا اور کوٹھڑی کا دروازہ بند کر کے چابی اپنی جگہ رکھ دی۔ صبح کو جب دروازہ کھولا گیا تو قیدی نہ ملا۔ لوگوں میں اس واقعہ کا بہت چرچا ہوا سب نے یہی سمجھا کہ خوزستانی اپنی بزرگی اور کرامت کے زور سے قید خانے سے نکل گیا۔ اب کیا تھا، خلقت بے تحاشا ٹوٹ پڑی۔ اور ہزاروں آدمی اس کے مرید

بن گئے، لیکن کوفہ میں اسے جان کا خوف تھا اس لئے وہ شام چلا گیا۔ اس شخص کو لوگ قرمط کہتے تھے اس لئے اس کے پیروکار قرمطی کہلائے۔

معتضد کے زمانے میں اس جماعت کے ایک اور سردار زکرویہ نے عراق میں سر اٹھایا۔ ادھر بحرین میں ایک قرمطی سردار نے لوٹ مار شروع کر دی اور بڑھ کر بصرہ کو گھیر لیا۔ معتضد نے فوج بھیجی جسے قرمطیوں نے شکست دے کر بھگا دیا۔ معتضد نے اپنے ایک سپہ سالار کو زکرویہ پر چڑھائی کا حکم دیا، لیکن قرمطی اسے دھکیلتے ہوئے رضافہ تک جو بغداد کے قریب واقع ہے، پہنچ گئے۔ راستے میں جو بستیاں آئیں انہیں آگ لگا دی۔ عورتوں اور بچوں تک کو قتل کر ڈالا۔ پھر رصافہ کی جامع مسجد کو جلا کر شام چلے گئے۔

شام میں ان لوگوں نے بڑی آفت برپا کی۔ خلیفہ مکتفی کو جب ان کے ظلم وستم کی خبریں ملیں تو اس نے اپنے ایک غلام کو دس ہزار سوار دے کر بھیجا۔ اس نے حلب کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈال دیئے، لیکن آدھی رات کو ایکا ایکی شور وغل کی آوازیں سنائی دیں۔ آنکھیں ملتا ہوا باہر نکلا تو کیا دیکھتا ہے کہ ہر طرف آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں اور قرمطی لوٹتے مارتے پھر رہے ہیں۔ بھاگ کر حلب پہنچا اور شہر کے پھاٹک بند کر کے بیٹھ گیا۔ مکتفی نے سنا تو خود فوج لے کر چلا۔ رقہ پہنچ کر رکا اور اپنے ایک سپہ سالار محمد کو فوج دے کر قرمطیوں کے مقابلہ پر بھیجا۔ اس معرکہ میں قرمطیوں نے شکست کھائی۔ محمد نے انہیں چن چن کر قتل کیا۔ ان کا ایک سردار جو اپنے آپ کو امام کہتا

تھا، تین سو آدمیوں کے ساتھ بھاگ کر ایک گاؤں میں پہنچا۔ گاؤں والوں نے جن کے دلوں میں قرمطیوں کے ظلم نے گھاؤ ڈال رکھے تھے، اسے پہچان لیا اور پکڑ کر خلیفہ کے پاس پہنچا دیا۔ خلیفہ اسے اپنے ساتھ بغداد لے گیا اور وہاں دوسرے قرمطی قیدیوں کے ساتھ قتل کر ڈالا۔

اگرچہ اس معرکہ میں قرمطیوں کو بہت نقصان پہنچا اور ان کے کئی نامور سردار مارے گئے۔ پھر بھی یہ فتنہ پوری طرح نہ مٹا۔ قرمطی کبھی ایک شہر میں سر ابھارتے کبھی دوسرے شہر میں فساد اٹھاتے۔ جس جگہ ان کا کوئی سردار بغاوت کا علم کھڑا کرتا، لوگ ہزاروں کی تعداد میں اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جاتے۔ چور اور لٹیرے بھی لوٹ مار کے لالچ میں ان سے آ ملتے۔ اس معرکہ کو سال بھر کا عرصہ ہوا تھا کہ قرمطی جو چپکے چپکے جنگ کی تیاریاں کر رہے تھے، بڑے زور و شور سے اٹھے۔ زکرویہ جو اس فتنہ کا سرچشمہ تھا، اب تک چھپا رہا تھا اور اس کے بیٹے اور خاص خاص جان نثاروں کے سوا کسی نے اس کی صورت تک نہیں دیکھی تھی۔ اب اس نے قرمطیوں کے مختلف گروہوں کو جگہ جگہ پھیلے ہوئے تھے، پیغام بھیجا کہ تمہاری ساری مصیبتیں ختم ہونے والی ہیں۔ فرشتے مجھے بتا گئے ہیں کہ مہدی کے ظہور کا زمانہ قریب ہے، اس لئے جنگ کو پوری تیار کر کے، عید قربان کے دن کوفہ کے شہر میں چلے جاؤ وہاں کے لوگ تمہارا ساتھ دیں گے۔ یہ پیغام سن کر قرمطیوں کا جوش پھر تازہ ہو گیا اور وہ عید کے دن کوفہ میں گھس گئے۔ اور جو سامنے آیا اسے قتل کر ڈالا۔ لیکن کوفہ کے لوگوں نے اس موقع پر بڑی بہادری

دکھائی۔ سب کے سب پیتا رسج کر مرنے مارنے پر تیار ہو گئے۔ قرمطی بھاگے اور کوفہ سے نکل کر شام کے دیہات پر چھاپے مارنے لگے۔ مکتفی نے ان کے مقابلے پر فوج بھیجی۔ لیکن قرمطیوں کے جوش کا طوفان ایک ہی ریلے میں اس فوج کو بہا لے گیا۔

انہیں دنوں زکرویہ نقاب چہرے پر ڈالے اپنے حجرے سے باہر نکلا۔ اسے دیکھ کر قرمطیوں کو جوش دس گنا ہو گیا زکرویہ بصرہ اور کوفہ کے درمیان ایک جگہ گھات لگا کر بیٹھ گیا اور حاجیوں کے قافلے لوٹنے لگا۔ مکتفی نے اپنے ترک جرنیل وصیف کو اس پر چڑھائی کا حکم دیا۔ اگرچہ قرمطی بڑی بہادری سے لڑے۔ زکرویہ آپ سانڈنی پر سوار، فوج کے بیچ کھڑا سپاہیوں کو لڑاتا اور کامیابی کے وعدے سے ان کے دل بڑھاتا تھا۔ اس کی سانڈنی جدھر بڑھتی ساری فوج ادھر ہی جھک پڑتی۔ لیکن وصیف نے لڑائی کا ڈھنگ بڑی عقلمندی سے ڈالا تھا۔ دہنے بائیں بڑے تجربہ کار افسر مقرر تھے۔ دو دن بڑی خونریز لڑائی ہوتی رہی۔ آخر زکرویہ زخموں سے چور چور ہو کر گرا اس کے گرتے ہی قرمطیوں کے قدم اکھڑ گئے۔ وصیف نے اکثر کو تلوار کے گھاٹ اتارا جو باقی بچے انہیں گرفتار کر لیا۔ تھوڑے سے قرمطی جو اس معرکہ سے جان بچا کر بھاگ نکلے تھے، جنگلوں پہاڑوں کی خاک چھانتے پھرے۔ زکرویہ نے کاری زخم کھائے تھے اس لئے وہ بغداد پہنچنے سے پہلے ہی مر گیا اور عباسیوں نے ایک خطرناک دشمن سے نجات پائی۔

مکتفی کے جانشین مقتدر کے زمانے میں بحرین کے قرمطیوں نے پھر لوٹ مار شروع کی۔ پہلے مدت تک حاجیوں کے قافلے لوٹتے رہے۔ پھر ایک دو معرکوں میں

خلیفہ کی فوجوں کو شکست دے کر ایسے مغرور ہوئے کہ بغداد پر حملہ کا ارادہ کیا اور دریائے فرات سے اتر انبار تک سارے علاقے کو پامال کر ڈالا۔ پھر ادھر سے ہٹے اور مارتے دھاڑتے روقہ پر جاپڑے۔ آخر مقتدر کے ایک سپہ سالار نے قرمطیوں کو ایسی شکست دی کہ دور دور تک ان کا نام ونشان مٹ گیا۔ اب قرمطیوں کا ایک لشکر مکہ کی طرف بڑھا اور حاجیوں کو لوٹتا مارتا خانہ کعبہ میں جا پہنچا، کعبہ کا غلاف اتار کر اسے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔

جو حاجی مارے گئے تھے ان کی لاشیں چاہ زمزم میں پھینک دیں۔ پھر حجر اسود کو اکھاڑا اور اپنے ساتھ لے گئے۔ اس زمانہ میں عبید اللہ مہدی جسے قرمطی بھی اپنا امام مانتے تھے، افریقہ کا حاکم تھا۔ اس نے انہیں بہت ڈانٹا۔ چنانچہ قرمطیوں نے حجر اسود واپس کر دیا۔ مکہ کے لوگوں اور حاجیوں کا بہت سامال و اسباب بھی لوٹا دیا۔ اس کے بعد بھی قرمطی کبھی کبھی سر اٹھاتے رہے۔ لیکن یہ شورشیں چنداں اہم نہیں۔ افریقہ کی اسمعیلی حکومت جسے فاطمی خلافت بھی کہتے ہیں، برابر ترقی کرتی گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد اسمعیلیوں کے باطنی گروہ نے بھی بڑا عروج حاصل کیا۔ فاطمیوں اور باطنیوں کے حالات آگے چل کر آئیں گے۔

تیسرا باب

دیلمیوں کا عروج راضی سے قادر تک

قاہر کے بعد ترک امیروں نے مقتدر کے بیٹے ابو العباس کو راضی باللہ کے لقب سے خلیفہ بنایا۔ راضی کے زمانے میں بعض سردار اپنی اپنی جگہ بالکل مختار ہو بیٹھے۔ فارس کے علاقے میں دیلمیوں نے زور پکڑا۔ تو ان میں سامانی خود مختار ہو گئے۔ افریقہ پر فاطمی چھائے۔ موصل میں حمدانی خاندان کے سردار خلیفہ کے ہاتھوں سے نکلنے لگے۔ خلیفہ ان کی طرف سے مطمئن نہیں ہوا تھا اتنے میں خبر آئی کہ بصرہ کے حاکم ابن رائق اور اہواز کے صوبہ دار ابو عبداللہ بریدی نے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اب نہ تو خلیفہ میں اتنی طاقت تھی کہ تلوار کے زور سے خراج لیتا، نہ اس کے امیروں وزیروں میں کوئی اس قابل تھا کہ اس وقت آڑے آتا، ناچار ہو کر ابن رائق کو لکھا کہ تم بغداد آ کر سلطنت کا کام سنبھالو۔ وہ بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ آیا اور خلیفہ نے اسے امیر الامرا کا لقب دے کر خزانہ کی کنجیاں حوالہ کر دیں۔ اب راضی نام کا خلیفہ تھا اور اس کے پردہ میں ابن رائق **ملک** پر حکومت کرتا تھا۔ لیکن امیروں کی سازشوں نے امیر الامرا کو بھی دم نہ لینے دیا۔ بڑے بڑے ہنگامے ہوئے۔ آخر ایک ترک امیر بجکم نے ابن

رائق کو شکست دے کر نکالا اور خود امیر الامرا بن بیٹھا۔

ادھر ان سرداروں کی باہمی لڑائیوں نے آفت برپا کر رکھی تھی۔ ادھر بغداد میں مذہبی جھگڑوں نے طول کھینچا۔ تم پڑھ چکے ہو کہ امام احمد حنبل ایک بزرگ ہو گزرے ہیں۔ ان کے پیرو شریعت کے بڑے پابند تھے۔ انہوں نے جب دیکھا کہ بغداد کے لوگ شریعت پر پوری طرح عمل نہیں کرتے، تو روک ٹوک کرنے لگے۔ کسی دکاندار کو کم تولتے دیکھا تو پکڑ کر پیٹ ڈالا۔ کسی گھر سے گانے بجانے کی آواز آئی تو گھس کر ساز توڑ ڈالے۔ امیر الامرا نے ان لوگوں پر بڑی سختیاں کیں تو کہیں امن ہوا۔ راضی نے چھ سال حکومت کر کے انتقال کیا۔ اس زمانے تک خلافت کی ظاہری آب و تاب میں زیادہ فرق نہ آیا تھا۔ دربار کے پرانے طور طریقے اور ادب آداب اپنی اپنی جگہ پر قائم تھے، لیکن اس کے آنکھیں بند کرتے ہی یہ سارے نقشے مٹ گئے اور امیر الامرا سیاہ و سپید کا مالک بن گیا۔

راضی بڑا پرہیز گار اور عالم فاضل خلیفہ تھا۔ اسے شعر و شاعری کا بھی شوق تھا۔ چنانچہ اس نے بہت سے اشعار اپنی یادگار چھوڑے ہیں۔ خود عالم تھا اور عالموں کا قدر دان۔ اگرچہ سلطنت کی آمدنی بہت کم ہو گئی تھی، اور جو کچھ آتا تھا اس میں خلیفہ کو امیر الامرا کی مرضی کے بغیر ایک پائی خرچ کرنے کا اختیار نہیں تھا۔ پھر بھی وہ شاعروں اور عالموں کو جی کھول کر انعام دیتا تھا۔

متقی:

راضی کے بعد اس کا بھائی متقی خلیفہ مقرر ہوا اس کے زمانے میں بجکم مارا گیا۔ اور ویلمی سرداروں نے بغداد پر قبضہ کرلیا۔ متقی نے ابن رائق کو بلایا، لیکن ویلمیوں کے مقابلہ میں اس کے قدم بھی ٹھہر نہ سکے۔ خلیفہ بغداد سے بھاگ کھڑا ہوا اور موصل پہنچا۔ اس علاقے میں ناصر الدولہ اور سیف الدولہ کی حکومت تھی۔ یہ دونوں بھائی بڑے قابل اور بہادر حکمران تھے۔ انہوں نے خلیفہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا اور اسے ساتھ لے کر بغداد پہنچے۔ کچھ دنوں تک امیر الامرائی کا عہدہ جس کے لئے یہ سارے جھگڑے ہو رہے تھے، ناصر الدولہ کے قبضہ میں رہا، لیکن ویلمیوں کے اقبال کا ستارہ چڑھا ہوا تھا۔ ان دونوں بھائیوں کو بغداد سے نکلنا پڑا۔ متقی کوئی چار سال کی حکومت کے بعد تخت سے اتارا گیا اور مکتفی کا ایک بیٹا مستکفی کے لقب سے خلافت کی مسند پر بیٹھا۔

مستکفی:

مستکفی کے زمانے میں بھی کئی اتار چڑھاؤ ہوئے۔ آخر ویلمی سردار بویہ کا بیٹا احمد جو بڑا قابل شخص تھا۔ معز الدولہ کے لقب سے امیر الامر مقرر ہوا اور بغداد میں اس کے نام کی دہائی پھر گئی۔ مستکفی اور اس کے جانشینوں کا حال بیان کرنے سے پہلے یہ بتا دینا

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ دیلمی کون تھے اور انہوں نے کس طرح عروج حاصل کیا؟ بحیرہ خزر کے جنوب مغربی ساحل پر گیلان کا علاقہ ہے، جسے میڈیا بھی کہتے ہیں۔ پرانے زمانے میں یہ علاقہ ایران کا ایک صوبہ سمجھا جاتا تھا، لیکن یہاں کے لوگ صورت شکل اور لباس میں ایرانیوں سے بالکل الگ تھے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایران اور ترکستان فتح ہوئے اور مسلمانوں کے قدم ادھر آئے تو دیلمیوں نے ان کی اطاعت قبول کر لی۔ لیکن اپنے باپ دادا کے مذہب کو نہ چھوڑا۔ انہوں نے کئی دفعہ سرکشی بھی کی اور لوٹ مار کے لالچ میں آس پاس کے علاقے پر چھاپے مارنے لگے۔ لیکن ہر دفعہ شکست کھائی۔ طبرستان کا علاقہ اس ملک کے پاس تھا۔ وہاں کے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ ان کے میل جول سے دیلمیوں میں بھی اسلامی عقیدوں کا چرچا ہونے لگا۔ کچھ عرصہ کے بعد ایک بزرگ حسن بن علی جو حضرت علیؓ کی اولاد میں سے تھے اس طرف آئے اور تیرہ سال تک دیلمیوں میں اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ حسن بن علی کانوں سے اونچا سنتے تھے۔ اس لئے لوگوں میں وہ اطروش کے لقب سے مشہور تھے۔ جس کے معنی بہرے کے ہیں۔ ان کی تبلیغ کا بڑا اثر ہوا۔ دیلمیوں نے بتوں کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیا۔ جگہ جگہ مسجدیں بننے لگیں اور بحیرہ خزر کا ساحل اذان کی آواز سے گونج اٹھا۔

اس زمانے میں اس طرف سامانیوں کی حکومت تھی۔ دیلمیوں نے موقع پا کر جرجان، طبرستان، رے اور قزوین کا علاقہ دبا لیا اور سامانیوں سے برابری کا دعوے

کرنے لگے ان کے ایک سردار مرداویج نے بڑا عروج پایا اور ہمدان، اصفہان اور اہواز پر قبضہ کر کے شاہانہ شان سے دربار سجایا۔ سونے کا تخت بنوایا اور جواہر نگار تاج سر پر رکھ کر حکومت کرنے لگا۔ جب آس پاس کے علاقے میں یہ خبریں پھیلیں کہ مرداویج نے بڑا نام و نمود حاصل کر لیا ہے، تو دیلمی اور ترک آ آ کر اس کی فوج میں بھرتی ہونے لگے۔ مقتدر کی خلافت کا زمانہ تھا۔ اس نے یہ خبر سنی تو بہت پیچ و تاب کھایا۔ اتنے میں مرداویج کی عرضی پہنچی کہ اگر مجھے اس علاقہ کی حکومت کی سند مل جائے تو دو لاکھ درہم سالانہ نذر کرتا رہونگا۔ مقتدر نے خوش ہو کر سند لکھ دی۔

کچھ عرصہ کے بعد دیلمیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ علی بن بویہ نے جو دیلمیوں کا ایک طاقتور سردار تھا۔ اپنے بھائیوں حسن اور احمد کے ساتھ مل کر فارس کے علاقہ میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ مرداویج اور علی بن بویہ میں بہت سے لڑائی جھگڑے ہوئے۔ اسی زمانے میں مرداویج ترک سرداروں کے ہاتھوں مارا گیا اور اس کا بھائی وشمگیر اس کا جانشین مقرر ہوا۔ اب دیلمیوں کی دو سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ اس میں بویہ خاندان حکمران تھا اور رے میں وشمگیر کی حکومت تھی۔ لیکن بویہ خاندان کی طاقت بہت بڑھی ہوئی تھی۔ علی بن بویہ نے فارس اور اہواز پر قبضہ کر کے اپنے بھائی احمد کو عراق کی طرف بھیجا۔ اس نے بغداد پر قبضہ کر لیا۔ خلیفہ بیچارہ بالکل بے دست و پا تھا، کیا کرتا؟ ناچار اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیا۔ احمد کو معز الدولہ، علی کو عماد الدولہ اور حسن کو رکن الدولہ کے خطاب دیئے، لیکن معز الدولہ کو بغداد میں چالیس دن بھی نہ ہوئے تھے کہ

خلیفہ مستکفی پر سازش کا الزام لگا۔ اور ویلمیوں نے اسے تخت سے اتار کے مقتدر کے ایک بیٹے کو مطیع کا لقب دے کر خلیفہ بنایا۔ مستکفی سال بھر خلیفہ رہا۔

مطیع:

اس خلیفہ کو سلطنت کے کاموں سے کوئی سروکار نہیں تھا۔ وہ نام کا ہی مطیع نہیں بلکہ سچ مچ ویلمیوں کا فرمانبردار تھا۔ اسے پانچ ہزار دینار روزانہ خرچ کے لئے ملتے تھے۔ معز الدولہ سلطان کے لقب سے مشہور تھا۔ خطبہ میں خلیفہ کے نام کے ساتھ ساتھ اس کا نام لیا جاتا تھا۔ سکوں پر بھی اس کا نام ہوتا تھا۔ لیکن اس کی فرمانروائی صرف عراق میں تھی۔ فارس اور اہواز میں اس کا بڑا بھائی عمادالدولہ حکمران تھا۔ رے کے آس پاس کے علاقے میں دوسرے بھائی رکن الدولہ کی حکومت تھی۔ جرجان اور طبرستان میں وشمگیر بالکل خودمختار تھا۔ اس کے علاقے کے ساتھ خراساں اور ماوراءالنہر تھا، جہاں سامانی اپنی یکتائی کا نقارہ بجا رہے تھے۔ وشمگیر سے رکن الدولہ کے لڑائی جھگڑے ہوتے رہتے تھے۔ کبھی وہ اس کے علاقے میں گھس آیا، کبھی یہ ان کے علاقے میں درانہ بڑھتا چلا گیا۔ ادھر مصر میں اخشیدی ترک زور پر تھے۔ ادھر موصل اور حلب میں سیف الدولہ اور ناصر الدولہ کی حکومت تھی۔ ان سے بھی معز الدولہ کی لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں، لیکن ان تمام ملکوں میں عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔ سکوں پر بھی اس کا نام کندہ ہوتا تھا۔ اور یہ سارے حکمران خطوں میں خلیفہ کو لمبے چوڑے

القاب لکھتے اور اپنے آپ کو اس کا غلام اور خادم ظاہر کرتے تھے۔ صرف ہسپانیہ اور افریقہ کے تاجدار عباسی خلیفہ سے برابری کا دعوی رکھتے تھے۔ افریقہ کا فاطمی فرمانروا اپنے آپ کو خلافت کا مستحق سمجھتا تھا۔ ادھر ہسپانیہ کے حکمران عبدالرحمٰن الناصر نے بھی خلیفہ کا لقب اختیار کر لیا تھا۔ معز الدولہ کی قابلیت اور بہادری میں تو کوئی شک نہیں تھا، لیکن ساری اسلامی دنیا چھوٹے چھوٹے حصوں میں بٹی ہوئی تھی۔ اور چھوٹے بڑے سردار سلطنت اور اقبال کے خواب دیکھ رہے تھے۔ معز الدولہ سے بڑی غلطی یہ ہوئی تھی کہ اس نے سارے عراق کو اپنی فوج کے سرداروں میں بانٹ دیا۔ ویلمی سپاہی بڑے اکھڑ اور بدمزاج تھے۔ ان کے ہاتھوں کسانوں پر بڑے ظلم ہوئے جن سے عراق کی زرخیزی میں فرق آ گیا۔ کسان گھر بار چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ کھیتیاں برباد ہو گئیں۔ ساتھ ہی ترکوں اور ویلمیوں کے جھگڑے بڑھے۔ ترکوں نے لوٹ مار شروع کر دی۔ راستے لٹنے لگے۔ بغداد میں ایسا قحط پڑا کہ آدمی آدمی کو کھانے لگا۔

معز الدولہ شیعہ تھا محرم کی دسویں کو حضرت امام حسین کا ماتم کرنے کی رسم اسی نے ڈالی تھی۔ اس دن سرکاری حکم سے ساری دکانیں بند ہو جاتی تھیں۔ لوگ ننگے سر ماتم کرتے تھے۔ اس پر بھی بڑے جھگڑے ہوئے۔ ترک سنی تھے اور ویلمی شیعہ آپس کی بحثوں نے بڑی خوفناک صورت اختیار کر لی اور خون خرابا ہونے لگا۔

معز الدولہ کے بڑے بھائی عماد الدولہ کے انتقال کے بعد اس کا بھتیجا عضد الدولہ اپنے باپ اور چچا کی طرح بڑا قابل حکمران تھا 356ھ میں معز الدولہ نے بھی

انتقال کیا اور عراق کی فرمانروائی اس کے بیٹے عزالدولہ بختیار کے ہاتھ آئی، لیکن بختیار بد بخت انتظام سلطنت کے سلیقہ سے بے بہرہ تھا۔ اپنا سارا وقت عیش و عشرت میں گزار دیتا تھا۔ اس لئے فتنے بڑھے اور ملک کا سارا انتظام خاک میں مل گیا۔ فاطمی اس موقع کی تلاش میں تھے وہ فوراً مصر پر جھپٹ پڑے اور اسے فتح کر کے عباسی خلافت کے نمونے پر فاطمی خلافت کا دربار آراستہ کیا اب ہسپانیہ، عراق اور مصر میں تین خلیفے تھے۔ اور تینوں اپنے آپ کو ساری اسلامی دنیا کی حکومت کا حقدار سمجھتے تھے۔ مسلمانوں کے ان جھگڑوں سے عیسائیوں نے بڑا فائدہ اٹھایا۔ وہ پرانے عہد و پیان طاق پر رکھ کر مسلمانوں کے علاقے میں گھس آئے اور لوٹ مار کرنے لگے۔ مسجدیں گرا دیں۔ کھیتیوں کو اجاڑ ڈالا۔ مسلمانوں کو تلوار کے زور سے عیسائی بنا لیا جس نے عیسائی بننے سے انکار کیا اس کی گردن اڑا دی۔ سارے مسلمان سردار اپنے اپنے محلوں میں نچنت بیٹھے رہے۔ صرف حمدانی سردار سیف الدولہ جس کی رگوں میں خالص عربی خون دوڑ رہا تھا، عیسائیوں سے ٹکرایا اور بار بار سینہ سپر ہو جاتا رہا۔ اگر ویلمی اس کی مدد کرتے تو رومیوں کی کیا مجال تھی کہ یوں بار بار مسلمانوں پر چڑھ آتے۔ لیکن ان کی آنکھوں پر خود غرضی کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ سیف الدولہ کو اپنا دشمن جانتے۔ اور اس کی شکست کی خبریں سن سن کر خوش ہوتے تھے۔ مشرقی علاقے کے مسلمانوں نے جب یہ خبریں سنیں کہ سیف الدولہ کو رومیوں نے بہت زچ کر رکھا ہے، تو امام ابوبکر محمد بن اسمعیل نے جو اس زمانے کے ایک نامور بزرگ تھے، جہاد کا پرچم لہرایا۔ دور دور سے لوگ آ آ

کران کے جھنڈے تلے جمع ہوتے گئے۔ جب بیس ہزار جانباز اکٹھے ہو چکے تو انہیں لے کر سرحد کی طرف بڑھے۔ راستہ میں رکن الدولہ ویلمی کا علاقہ پڑتا تھا انہوں نے انہیں روک دیا۔ انہوں نے بہتیرا کہا کہ ملک اور تاج تمہیں مبارک ہو۔ ہمیں سلطنت کی ہوس نہیں، صرف جہاد کا ارادہ لے کر گھر سے نکلے ہیں، لیکن رکن الدولہ نہ مانا اور اس لشکر کو تتر بتر کر دیا۔

اس موقع پر ذرا معتصم کے زمانے کی فاتحانہ یلغاروں کو دھیان میں لاؤ، پھر اس زمانے کے مسلمان حکمرانوں کی غفلت پر غور کرو۔ معتصم صرف اتنا سن کے کہ رومیوں کے ملک میں ایک مسلمان بڑھیا پر ظلم ہوا ہے، آندھی اور طوفان کی طرح سارے روم پر چھا جاتا۔ لیکن عیسائی بستیوں کی بستیاں اجاڑ دیتے ہیں، اور بختیار کے ماتھے پر بل تک نہیں پڑتا اگرچہ معتصم کے زمانے سے اس وقت تک صرف سوا سو سال کا عرصہ گزرا تھا۔ اور جو ملک اس وقت مسلمانوں کے قبضہ میں تھے، اب بھی ان پر مسلمانوں کی حکومت تھی، لیکن خلیفہ کی کمزوری اور بے اقبال، مسلمان سرداروں کی باہمی دشمنیوں نے عیسائیوں کے حوصلے بڑھا دیے تھے۔ اور وہ ہارون مامون اور معتصم کے زمانے کی شکستوں کا بدلہ لینے کیلئے آئے دن چھاپے مارتے رہتے۔

مطیع کوئی ساڑھے انتیس سال خلیفہ رہا۔ لیکن اس بچارے کی خلافت کیا تھی، رات دن محل میں پڑا رہتا تھا۔ جب امیر الامرا کو اس کی ضرورت پڑتی تو محل سے اٹھ کر دربار میں چلا آتا۔ نمائشی دربار لگتا۔ سارے امیر وزیر اپنی اپنی جگہوں پر کھڑے

ہوتے۔ نقیب اونچی آواز سے خلیفہ کے القاب دہراتے، لیکن اصل میں خلیفہ اور سارے درباری کھلونے تھے۔ اوران کی کل امیر الامرا کے ہاتھ میں تھی۔ مطیع کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ یہ محل سے اٹھ کے دربار میں آنا اور وہاں سے اٹھ کے پھر محل میں چلا جانا کیا ہے۔ آخری عمر میں جب طاقت نے بالکل جواب دے دیا، اور وہ خاص خاص تقریبوں پر دربار میں آنے کے قابل نہ رہا، تو اسے تخت سے اتار کر اس کے بیٹے طائع کو خلیفہ بنایا گیا۔

خلیفہ مطیع کے زمانے میں کئی بڑے بڑے عالم فاضل اور شاعر پیدا ہوئے۔ اور ادب، شاعری اور فلسفہ نے بڑی ترقی کی۔ مسعودی اس زمانے کا مشہور تاریخ دان ہے جس نے تاریخ کی بہت سی کتابیں اپنی یادگار چھوڑی ہیں۔ ابونصر فارابی جو بڑے پایہ کا فلسفی تھا اور جس کی کتابوں کو پورے یورپ میں بڑی قدر کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے، اسی عہد میں ہوگزرا ہے۔ ان باکمالوں کے علاوہ متنبّی اس زمانے کا مشہور شاعر تھا جس کے شعر آج بھی لوگوں کی زبانوں پر چڑھے ہوئے ہیں۔ سیف الدولہ حمدانی جس کی بہادری اور شجاعت کا حال تم پڑھ چکے ہو، متنبّی کا بڑا قدردان تھا۔

طائع:

طائع 362ھ میں خلافت کی مسند پر بیٹھا اس کے زمانے میں فاطمیوں کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ مصر پر تو وہ پہلے ہی قبضہ کر چکے تھے۔ اب انہوں نے شام کی طرف

قدم بڑھایا اور وہاں اپنی حکومت قائم کر کے حجاز تک پھیل گئے۔ ادھر عراق میں بختیار کی سختیوں کی وجہ سے ترکوں نے سر اٹھایا اور دیلمیوں سے ان کی جنگ چھڑ گئی۔ بختیار میں اس شورش کو فرو کرنے کی ہمت کہاں تھی، مجبور ہو کر عضد الدولہ کو لکھا۔ اس نے آ کر ترکوں کو نیچا دکھایا، اور بغداد پر قبضہ کر کے بختیار کو نکال دیا۔ پھر حمدانیوں سے موصل اور ڈشمگیر سے جرجان چھینا اور بحیرہ خزر کے ساحل سے بغداد تک سارے علاقے پر اپنی فرمانروائی قائم کر لی۔

عضد الدولہ بڑا بہادر اور عقلمند حکمران تھا۔ آئے دن کی شورشوں اور ہنگاموں کی وجہ سے بغداد کی اکثر عمارتیں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں۔ عضد الدولہ نے ان سب کی مرمت کرائی بہت سی نہریں اگلے حکمرانوں کی غفلت کے باعث بند ہو گئی تھیں، وہ پھر جاری ہو گئیں۔ اور اس طرح پانی کی کمیابی کی شکایت دور ہو گئی۔ یتیموں اور بیوہ عورتوں کے وظیفے مقرر کئے۔ بغداد سے مکہ تک راستہ میں بہت سے کنوئیں تھے جو مٹی سے اٹے ہوئے تھے، انہیں صاف کرایا، اور حاجیوں کو آسانی سے میٹھا پانی ملنے لگا۔ بغداد میں ایک شفاخانہ بھی بنوایا۔ جہاں بیماروں کو دوا اور غذا مفت ملتی تھی۔ مدینہ منورہ کی فصیل اسی کی بنوائی ہوئی ہے۔ فارس میں بھی کئی عمارتیں اس کی یادگار ہیں۔ اسے حضرت علیؓ سے بڑی عقیدت تھی۔ نجف میں ان کا بڑا عالیشان مقبرہ بنوایا جس پر ان گنت دولت خرچ ہوئی۔

عضد الدولہ نے 372ھ میں وفات پائی۔ اس کا ایک بیٹا شرف الدولہ فارس کا

حکمران تھا۔ دوسرا بیٹا صمصام الدولہ باپ کی جگہ امیر الامرا مقرر رہوا، لیکن دونوں بھائیوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ شرف الدولہ نے صمصام الدولہ کو قید کر کے امیر الامرائی کے عہدہ پر خود قبضہ کرلیا۔ وہ کوئی پونے تین سال تک بغداد کا حکمران رہنے کے بعد انتقال کرگیا۔ اوراس کا بھائی بہاء الدولہ اس کا جانشین ہوا۔ بہاء الدولہ نے طائع کو تخت سے اتار کر ایک اور عباسی شہزادہ قادر و جو مقتدر کا پوتا تھا، تخت پر بٹھایا، طائع کوئی پونے اٹھارہ سال خلیفہ رہا۔

قادر:

قادر 381ھ میں خلیفہ مقرر رہوا۔ اس کے زمانے میں بڑے بڑے انقلاب آئے۔ بہت سی پرانی سلطنتیں مٹیں اور ان کے کھنڈروں پر نئی حکومتیں قائم ہوئیں۔ غزنوی سامانیوں کے جانشین بنے۔ موصل، حلب، دیار بکر، یمن چھوٹی چھوٹی حکومتوں میں بٹ گئے۔ فاطمی ایک دفعہ بڑے زور شور سے بڑھے۔ اور حلب پر قبضہ کرلیا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد تین عرب سردار اٹھے، اور فاطمیوں کو ایسی شکستیں دیں کہ حلب اور شام میں کہیں بھی ان کے قدم جم نہ سکے۔ ان تینوں نے اس علاقے کے حصے بخرے کر لئے اور یہاں پھر عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔

اب ویلمیوں کے اقبال کا سورج بھی ڈھل چکا تھا۔ بہاء الدولہ کے بعد بویہ خاندان کے کئی شہزادے امیر الامرائی کی گدی پر بیٹھے لیکن ان میں سے کوئی ملکی نظم و

نسق اور عدل و انصاف میں عضد الدولہ کو نہیں پہنچتا تھا۔ عراق ہواز، فارس، طبرستان، رے اس خاندان کے سردار کے قبضہ میں تھے لیکن یہ سب آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ سب کے دلوں میں یہی آرزو موج مار رہی تھی کہ کسی امیر الامرائی کا منصب حاصل کر کے ساری اسلامی دنیا پر حکومت کریں۔ بہت سی شورشوں کے بعد بہاء الدولہ کا بیٹا جلال الدولہ امیر الامرا مقرر رہوا۔ یہ اس خاندان کا آخری حکمران ہے۔ اس نے اپنی نالائقی سے جس طرح حکومت چھنوائی اس کا ذکر آگے چل کر آئے گا۔

قادر اگرچہ بالکل بے بس اور مجبور تھا، لیکن دیلمیوں کو کمزور پا کر اس نے بھی پر پرزے نکالے اور سرداروں اور امیروں پر تھوڑا بہت اثر قائم کر لیا۔ مسلمان خلیفہ کو ابتدا سے دنیوی بادشاہ ہی نہیں، بلکہ روحانی پیشوا بھی سمجھتے تھے۔ قادر نے سوچا کہ دنیوی بادشاہت گئی تو کیا ہوا، روحانی پیشوائی تو باقی ہے، اس کی مدد سے لوگوں کے دلوں پر قبضہ کرنا چاہیے۔ چنانچہ شاہانہ درباروں کی جگہ علمی محفلیں آراستہ ہونے لگیں، جن میں دینی مسئلے پیش ہوتے اور ان پر بحثیں کی جاتی تھیں۔ قادر خود بڑا عالم فاضل اور پرہیز گار شخص تھا۔ اور معتزلیوں کے خیالات کو سخت ناپسند کرتا تھا۔ چنانچہ اس نے معتزلیوں کی دلیلوں کے جواب میں ایک کتاب بھی لکھی ہے۔ اس نے 41 سال حکومت کر کے 422ھ میں وفات پائی۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا قائم بامر اللہ خلیفہ مقرر رہوا۔

دیکھو راضی کی تخت نشینی سے قادر کی وفات تک پورے سو سال کا زمانہ گزرا ہے۔ سو سال کہنے کو تو دو لفظ ہیں، لیکن اس عرصہ میں مسلمانوں کا تمدن کہیں سے کہیں جا

پہنچا۔ ایرانیوں، ترکوں اور دیلمیوں کے میل جول سے معاشرے میں نئی نئی تبدیلیاں ہوئیں۔ علوم و فنون نے بڑی ترقی کی۔ ایسے ایسے عالم، فاضل، شاعر اور فلسفی پیدا ہوئے جن کے کارنامے ہمیشہ یادگار رہیں گے۔ کئی سلطنتیں بنیں اور بگڑیں۔ جب دیلمی، سامانی، حمدانی، اخشیدی اپنے اپنے اقبال کی بہار دکھا کر مٹ گئے تو افغانستان سے غزنوی اٹھے اور دیکھتے دیکھتے ہندوستان سے لے کر خراسان اور طبرستان تک چھا گئے۔ لیکن ہم دیلمیوں کی کہانی سنانے میں ایسے محو تھے کہ جوانمردوں کے حالات بیان کرنے کی مہلت نہ ملی۔ اب دیلمیوں کے عروج کی داستان ختم ہوئی اور سامانیوں، غزنویوں اور دوسرے حکمرانوں خاندانوں کی کہانی آتی ہے۔

چوتھا باب

سامانی، غزنوی اور دوسرے حکمران خاندان

عباسیوں کے زمانہ زوال میں جو چھوٹی بڑی خودمختار حکومتیں قائم ہوئیں۔ ان سب کا حال اس چھوٹی سی کتاب میں بیان کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے ہم یہاں بعض بڑے بڑے حکمران خاندانوں کے تھوڑے تھوڑے حالات بیان کئے دیتے ہیں۔

سامانی:

سامان بلخ کا ایک آتش پرست تھا، جس نے خراسان کی بغاوت میں وہاں کے حاکم اسد بن عبداللہ کی بہت مدد کی تھی۔ اسد اس کے ساتھ بڑی مہربانی سے پیش آیا۔ اور سامان نے اسلام قبول کرلیا۔ خلیفہ ماموں کے زمانے میں سامان کے پوتوں نے بڑا عروج حاصل کیا۔ ان میں سے ایک جس کا نام احمد تھا سارے بھائیوں سے بڑھ گیا۔ وہ پہلے فرغانہ کا حاکم تھا، پھر سمرقند کا علاقہ اس کے ہاتھ آیا۔ واثق کے زمانے میں احمد کا بیٹا اپنے باپ کا جانشین مقرر رہوا۔ اس نے طاہریوں کو نیچا دکھایا اور بخارا پر

قبضہ کرلیا۔نصر نے اسے اپنی طرف سے بخارا کا حاکم مقرر کر دیا۔

اگر چہ اسمعیل بڑے بھائی کو بہت مانتا۔اور اسے باپ کی جگہ جانتا تھا،لیکن نصر چھوٹے بھائی کی کامیابی اور فتح مندی کی خبریں سن سن کر دل ہی دل میں جلتا بھنتا رہتا تھا۔خوشامدی مصاحبوں نے اسے اور بھڑکایا۔اور دونوں بھائیوں کو آپس میں لڑوا دیا۔ اسمعیل پہلے تو چپکا بیٹھا دیکھتا رہا لیکن جب نصر کی فوجیں بخارا کے قریب آگئیں، تو لشکر لے کر بڑھا۔اسمعیل کی فوج میں خوارزم کے علاقہ کے بہت سے جنگجو شہسوار شریک ہو گئے تھے۔اگر چہ نصر نے بہادری کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا،لیکن خوارزمیوں کے حملے کے سامنے اس کی فوج کے قدم ٹھہر نہ سکے اور خود نصر کی جان خطرہ میں پڑ گئی۔ وہ ناچار گھوڑے سے کود پڑا اور اپنے آپ کو دشمن کے حوالے کر دیا۔اسمعیل کو معلوم ہوا تو دوڑا دوڑا آیا۔ بھائی کو تخت پر بٹھایا اور خود ادنیٰ چاکروں کی طرح ہاتھ باندھ کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔گڑ گڑا کر اپنے قصور کی معافی مانگی پھر اسے بڑی عزت کے ساتھ بخارا بھیج دیا۔اس واقعہ کے بعد نصر صرف پانچ سال تک زندہ رہا۔

ان دنوں ادھر خراسان میں صفاری بڑے زور پر تھے۔اور عمرو بن لیث دولت اور طاقت کے نشہ میں کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔اس نے جیحون سے اتر کر اسمعیل پر حملہ کر دیا،لیکن شکست کھائی۔

طاہریوں اور صفاریوں کا سارا ملک اسمعیل کے ہاتھ آیا۔ کچھ عرصہ کے بعد طبرستان پر بھی اسمعیل کا قبضہ ہو گیا۔ترکوں کے قبیلے آئے دن سمرقند اور بخارا پر

چھاپے مارتے رہتے تھے، اس جوانمرد نے ان کو بھی معقول سزا دی۔ اور بہت بڑی مملکت کا فرمانروا بن بیٹھا کہ جس کا ایک سرا چین سے اور دوسرا خلیج فارس سے ملا ہوا تھا۔ بلخ، بخارا، مرو، نیشاپور، سمرقند، ہرات، رے، اصفہان، قزوین اس سلطنت کے بڑے بڑے شہر تھے۔ بخارا پایہ تخت تھا اور باقی شہروں میں اسمٰعیل کی طرف سے حاکم مقرر تھے۔

سامانی نسل کے اعتبار سے ایرانی تھے۔ ان کے زمانے میں ایران کی پرانی رسموں نے جو عربوں کے اقتدار کے دور میں بالکل مٹ گئی تھیں، پھر رواج پایا، اور فارسی زبان آہستہ آہستہ عربی کی جگہ لینے لگی۔ بخارا آتش پرست ایرانیوں کے زمانے میں بہت بڑا علمی مرکز سمجھا جاتا تھا۔ مسلمانوں کے عہد حکومت میں بھی یہاں علمی چرچے رہنے لگے۔ امام بخاری جنہوں نے بڑی محنت اور جانفشانی سے چھ لاکھ حدیثیں جمع کیں، اسی خاک سے اٹھے تھے۔ اگرچہ اسمٰعیل کے باپ دادا کا وطن سمرقند تھا، لیکن اس نے بخارا کے لوگوں کی دینداری کی وجہ سے اس شہر کو اپنا صدر مقام بنالیا۔

امیر اسمٰعیل نے بخارا میں کئی مدرسے بنوائے، جن میں دور دور کے لوگ آ کر تعلیم حاصل کرتے تھے۔ سخاوت اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ بے دریغ روپیہ لٹاتا اور عالموں کو جی کھول کر انعام دیتا تھا۔ اسے عالیشان عمارتیں بنوانے کا بھی شوق تھا۔ پرانے ایرانی بادشاہوں کے زمانے کی ایک عمارت نا تمام پڑی تھی، اسمٰعیل نے اس کی تعمیر مکمل کی۔ اور اسے اپنا محل بنایا اس کے زمانے میں بخارا نے بڑی ترقی کی۔ زرفشاں

ندی کے کنارے ایک نیا شہر آباد ہو گیا۔ اور بڑے بڑے امیروں کے محل لاکھوں روپے کی لاگت سے تیار ہوئے۔ بخارا کی فصیل ٹوٹ پھوٹ گئی تھی، اسمعیل نے اس کی مرمت کرائی۔ اور اسے اتنی وسعت دی کہ شہر کے نو آباد حصے بھی اس کے اندر آ گئے۔ شہر کے پاس ایک نہر تھی جسے جوئے مولیان کہتے تھے، اس کے کنارے بھی سرائے مولیان کے نام سے ایک عالیشان عمارت بن کر تیار ہوئی۔ اس عمارت کے چاروں طرف پر بہار سبزہ زار اور باغ تھے۔ اور ان میں جگہ جگہ فوارے اور چشمے موج مارتے نظر آتے تھے۔ بادشاہ کبھی کبھی یہاں آتا اور دربار لگاتا تھا۔ اس نے دریا سے بہت سی نہریں بھی نکالیں جن کی وجہ سے گھر گھر پانی پہنچنے لگا۔

امیر اسمعیل کے جانشین:

امیر اسمعیل نے 34 سال حکومت کرنے کے بعد 295ھ میں وفات پائی۔ موت کے وقت اس کی عمر 61 سال کی تھی۔ اس کے بیٹے احمد کے زمانے میں ویلمیوں نے سر ابھارنا شروع کیا اور طبرستان کی سرحد پر چھاپے مارنے لگے۔ احمد چھ سال سلطنت کرنے کے بعد اپنے نوکروں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ کہتے ہیں کہ جب اسے طبرستان میں بغاوت کی خبر ملی تو اس نے ہاتھ اٹھا کے کہا کہ الٰہی اگر تجھے میری سلطنت چھیننی منظور ہے تو مجھے اس دنیا سے اٹھا لے۔ یہ دعا منظور ہوئی۔ اس رات خدمت گاروں نے اس کے خیمے میں گھس کر اسے قتل کر ڈالا اور اس کا بیٹا نصر جس کی عمر صرف

دس سال کی تھی، تخت پر بیٹھا۔ نصر اپنے دادا کی طرح بڑا دلیر اور عقلمند فرمانروا تھا۔ اس نے سارے سرکشوں کو نیچا دکھایا۔ جو علاقے اس کے باپ کے زمانے میں چھن گئے تھے، ان پر قبضہ کرلیا، بلکہ کئی نئے شہر فتح کر کے باپ دادا کی سلطنت کو وسیع کیا۔

مورخوں نے نصر کے رعب اور دبدبہ کی بہت سی حکایتیں لکھی ہیں۔ ایک مورخ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ نصر نے کسی باغی سردار پر فوج بھیجنے کا ارادہ کیا۔ فوج کے سردار امیر علی کو بلوایا۔ اور فوج کو لڑانے کے طریقوں اور جنگی تدبیروں کے متعلق کئی ہدایتیں دیں۔ لیکن درباری دیکھ رہے تھے کہ امیر علی کے چہرے پر ایک رنگ آتا اور ایک جاتا ہے۔ جب امیر علی دربار سے نکلا تو اس نے کپڑوں میں ہاتھ ڈال کر ایک بچھو نکال پھینکا۔ جس نے ڈنک مار مار کے اس کی پیٹھ کو لہولہان کر دیا تھا۔ بادشاہ کو بھی اس واقعہ کی خبر ہوئی۔ سپہ سالار کو طلب کر کے پوچھا کہ تم اس حالت میں اتنی دیر کیوں کھڑے رہے۔ اس نے جواب دیا کہ جہاں پناہ! جو سپاہی اپنے آقا کے حضور میں بچھو کے ڈنک کی تاب نہیں لاسکتا، وہ میدان جنگ میں تلواریں کیا کھائے گا۔

فارسی زبان کا مشہور شاعر رودکی جس نے پہلے فارسی کو عربی الفاظ سے پاک کر کے، ایران کی سیدھی سادی بولی میں شعر کہنا شروع کیا، اسی بادشاہ کے دربار کا شاعر تھا۔ رودکی اندھا تھا۔ اور شاعری کے علاوہ راگ میں بھی دخل رکھتا تھا۔ مولیان کی نہر کے کنارے بیٹھ کر جب وہ اپنے شعر سناتا تھا، تو سننے والوں کے دل آب ہو جاتے تھے۔ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ نصر بن احمد نے ایک سیر گاہ میں ڈیرہ ڈالا۔ اور عیش وعشرت

میں ایسا ڈوبا کہ کئی مہینے وہیں گزر گئے۔ کیا لشکری کیا درباری سب کے دلوں میں وطن کی یاد چٹکیاں لے رہی تھی، لیکن کسی کو حوصلہ نہ پڑتا تھا کہ نصر کو واپس بخارا چلنے کے لئے کہے۔ آخر سب نے رودکی کی منت سماجت کی اور کہا کہ کسی طرح بادشاہ کو بخارا چلنے پر آمادہ کرو۔ اس نے رات کو جب شاہی خیمے میں اس کے اور بادشاہ کے سوا کوئی نہیں تھا، ایک غزل گائی۔ جس میں بخارا اور مولیان کی نہر کا ذکر بڑے دلنشین انداز میں کیا گیا تھا، سیدھے سادے بول تھے، لیکن انہوں نے بادشاہ پر ایسا اثر کیا کہ وہ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہو کر بخارا کی طرف چل پڑا۔

نصر نے 38 سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس کے جانشینوں کے زمانے میں یہ وسیع سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔ ملک کا کچھ حصہ ویلمیوں نے دبایا۔ کچھ ترکوں کے ہاتھ آیا۔ ابھی خراساں اور ماوراء النہر میں لڑائی جھگڑے ہو رہے تھے۔ کہ غزنوی خاندان کے اقبال کا ستارہ چمکا۔ اور اس نے ویلمیوں اور سامانیوں کو دبا کر اس سارے علاقے پر اپنی حکومت قائم کر لی۔

سامانی خاندان ڈیڑھ سو سال اقبال و زوال کی نیرنگیاں دیکھ کر 395ھ میں بالکل مٹ گیا۔ عبدالملک اس خاندان کا آخری حکمران تھا۔ سامانی اگرچہ خالص ایرانی تھے، اور فارسی زبان اور ایرانی تمدن پر ان کا بڑا احسان ہے، لیکن اس کے ساتھ وہ بڑے دیندار مسلمان بھی تھے۔ یہ انہی کی دینداری کا اثر تھا کہ بلخ اور بخارا ان کے بعد بھی صدیوں تک دینی اور علمی چرچوں کے مرکز بنے رہے۔

غزنوی خاندان:

سامانی خاندان کا چھٹا بادشاہ منصور اپنے ایک ترک غلام الپتگین سے کسی بات پر ناراض ہو گیا۔ الپتگین چند جان نثاروں کے ساتھ بھاگ کر غزنی پہنچا اور اس طرف کے سرکشوں کو اپنا تابع فرمان بنا کر ہرات سیستان اور بلخ پر قبضہ کر لیا۔ اس کی موت کے بعد کئی الٹ پھیر ہوئے۔ آخر اس کا داماد سبکتگین جو خود بھی ابتدا میں ایک ترک غلام تھا، تخت سلطنت پر بیٹھا۔ اس کے بادشاہ بننے سے پہلے ہی شمالی ہندوستان کے راجاؤں سے غزنویوں کی چھیڑ چھاڑ شروع ہو چکی تھی۔

سبکتگین کے زمانے میں پنجاب کے راجہ جے پال نے غزنی پر چڑھائی کا ارادہ کیا۔ مسلمانوں نے راستہ میں روکا۔ جے پال نے شکست کھائی اور خراج دینے کا وعدہ کر کے لوٹا، لیکن گھر پہنچ کر اس کی نیت ڈانواں ڈول ہو گئی۔ سبکتگین کو معلوم ہوا تو وہ اگلے سال بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ چڑھ آیا۔ اور جے پال کو شکست دے کر فتح وظفر کا پرچم لہراتا واپس غزنی چلا گیا۔

ان دنوں سامانی بادشاہ بڑی مصیبت میں تھے۔ ایک طرف ویلمی چڑھے چلے آتے تھے۔ دوسری طرف دو بہادر سرداروں نے بغاوت کر رکھی تھی۔ سامانی فرمانروا نوح نے سبکتگین کو مدد کے لئے لکھا۔ وہ فوج لے کر گیا اور سب کو شکست دے کر سامانیوں کے پرچم اقبال کو گرتے گرتے سنبھال لیا۔ سبکتگین نے 387ھ میں انتقال

کیا۔وہ بڑا دیندار اور عادل فرمانروا تھا۔

سلطان محمود غزنوی:

محمود اور اسمعیل سبکتگین کے دو بیٹے تھے۔محمود بڑا تھا اور باپ کی زندگی میں ہی سب پر اپنی شجاعت کا سکہ بٹھا چکا تھا۔سبکتگین کی وفات کے وقت وہ نیشاپور میں لڑ رہا تھا۔اسمعیل نے موقع پا کر غزنی میں اپنی بادشاہی کا اعلان کر دیا اور اپنی سخاوت اور فیاضی سے سپاہیوں کے دل مٹھی میں کر لئے۔محمود نے یہ حال سنا تو اسے لکھا کہ آپس میں لڑنے جھگڑنے سے یہ اچھا ہے کہ ہم دونوں شریعت کے حکم کے مطابق ملک اور مال آپس میں تقسیم کر لیں۔لیکن اسمعیل نے بھائی کی نصیحت پر دھیان نہ دیا۔آخر محمود فوج لے کر غزنی پر بڑھا۔اسمعیل نے مقابلہ کیا،لیکن شکست کھائی۔محمود بھائی سے بڑے پیار اور محبت کے ساتھ پیش آیا اور اسکا قصور معاف کر دیا۔

اس زمانے میں سامانیون کی سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہو چکی تھی۔خراسان میں کئی سرداروں نے سرکشی کا علم بلند کر رکھا تھا۔محمود نے ان سب کو نیچا دکھا کے اس علاقے میں اپنی حکومت قائم کی اور بلخ،رے،طبرستان اور جرجان کو زیر وزبر کر کے اپنی سلطنت کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔وہ کئی مرتبہ ہندوستان پر چڑھ آیا اور سارے ملک میں ہل چل ڈال دی۔ہندوستان کے معرکوں میں سومنات کی لڑائی سب سے زیادہ مشہور ہے۔

سومنات گجرات کاٹھیاواڑ کے علاقہ میں سمندر کے کنارے ایک مقام ہے جہاں ہندوؤں کا ایک مشہور مندر ہے۔محمود کو معلوم ہوا تو غزنی سے تیر کی طرح اڑا اور سومنات پر آ گرا۔ذرا غور کرو، کہاں غزنی اور کہاں گجرات، راستے میں ہر طرف لق و دق میدان اور سنسان ریگستان پھیلے ہوئے ہیں، جن میں کوسوں تک پانی کا نشان نہیں ملتا۔محمود نے کھانے پینے کی چیزیں ملتان سے ساتھ لیں۔ہر سپاہی پانی اور کھانے کا ذخیرہ اٹھائے ہوئے تھا۔اس کے علاوہ دو ہزار اونٹ ضروری سامان سے لدے ہوئے ساتھ تھے۔وہ اس سازو سامان کے ساتھ یلغار کرتا، راجپوت راجاؤں کو قدم قدم پر شکست دیتا، اس طرح سامنات کے سامنے جا پہنچا کہ راجپوت حیران رہ گئے۔ ہندو سومنات کو بڑا پوتر استھان سمجھتے تھے۔اس لئے بہت سے راجپوت راجا محمود کو روکنے کے لئے اپنی اپنی فوجیں لے کر چل چکے تھے۔لیکن محمود ان سے پہلے پہنچا۔اور جاتے ہی سومنات کو گھیر لیا۔کئی چھوٹے چھوٹے معرکوں کے بعد ایک دن محمود بڑے زور سے نکلا اور اس کے بہادر سپاہی کمندوں کے سہارے شہر کی فصیل پر چڑھ گئے۔ اتنے میں خبر آئی کہ کئی راجپوت راجہ اپنی فوج کے ساتھ آ پہنچے ہیں۔یہ بڑا نازک وقت تھا۔غزنوی فوجیں راجپوتوں کے لشکر میں گھری ہوئی تھیں۔لیکن محمود ذرا بھی نہ گھبرایا۔ کچھ فوج کو شہر والوں کے مقابلے پر چھوڑا اور باقی فوج لے کر کمکی لشکر کو جا روکا دونوں فوجوں میں بڑے زور کی لڑائی ہو رہی تھی کہ انہلواڑہ کا راجا فوج لے کر آ پہنچا۔محمود نے یہ خبر سنی تو گھوڑے سے کود کر خاک پر پیشانی رکھ دی اور نہایت عاجزی کے ساتھ

دعا مانگی۔ پھر گھوڑے پر سوار ہوکر ایک دل ہلا دینے والی تقریر کی۔ یہ تقریر کام کر گئی۔ ترک اور افغان اس طرح گھوڑے اڑاتے راجپوتوں پر گرے کہ ان کے قدم اکھڑ گئے۔ اب شہر کا فتح کر لینا کیا بڑی بات تھی۔ سومنات کے دروازے آن کی آن میں کھل گئے اور محمود فتح کے نوبت نقارے بجاتا داخل ہوا۔

کہتے ہیں کہ سومنات کا مندر عجائبات کا نمونہ تھا۔ ہندوستان کے کاریگروں نے اسے بنانے میں اپنی ساری دانائی اور کاریگری خرچ کر ڈالی تھی۔ سنگ مرمر کے مرصع ستون، جڑاؤ چھت، اس کے بیچوں بیچ سومنات دیوتا کی مورتی کھڑی تھی۔ یہ مورتی سونے کی بنی ہوئی تھی اور اس میں جگہ جگہ ایسے جواہرات جڑے تھے۔ جن میں ایک ایک مول تول میں کئی سلطنتوں کے خراج کے برابر تھا۔ دو ہزار برہمن پوجا کے لئے مقرر تھے۔ تین سو گویے رات دن بھجن گاتے رہتے تھے۔ محمود نے مندر میں داخل ہوتے ہی سومنات کو توڑنے کا حکم دیا۔ یہ سن کر سارے پجاری دوڑ پڑے اور اس کے پاؤں پڑ کر کہنے لگے کہ جتنی دولت چاہو لو لیکن اسے نہ توڑو۔ محمود نے یہ سن کر جواب دیا کہ بت فروش کہلانے سے بت شکن کے نام سے مشہور ہونا بہتر ہے۔ یہ کہہ کر اس زور سے فولادی گرز مارا کہ سومنات کا بت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر گر پڑا۔ یہ بت اندر سے کھوکھلا تھا اور اس میں بہت سے جواہرات بھرے پڑے تھے۔ جو اس کے ٹوٹتے ہی ہر طرف بکھر گئے۔ خدا کی قدرت دیکھو پجاری جتنا روپیہ دیتے تھے، اس سے کئی گنا زیادہ دولت ہاتھ آئی۔

محمود کی حکومت دور دور پھیلی ہوئی تھی اور ہندوستان کی فتوحات نے ملکوں ملکوں اس کی بہادری کا سکہ بٹھا دیا تھا۔ عباسی خلیفہ قادر باللہ کو یہ خبریں پہنچیں تو اس نے محمود کو یمین الدولہ کا خطاب دیا۔ اور خراسان کی بادشاہت کا پروانہ اور خلعت بھیجا۔ محمود بڑا بہادر اور باتدبیر بادشاہ تھا۔ اگرچہ اس کی عمر لڑتے بھڑتے گزری، لیکن اس نے کسی معرکہ میں شکست نہیں کھائی۔ وہ عالموں، فاضلوں اور شاعروں کا بھی بڑا قدردان تھا۔ چنانچہ فردوسی جس نے ساٹھ ہزار بیتوں میں ایران کے پرانے بادشاہوں کے حالات لکھے ہیں، اسی کے دربار کا شاعر تھا۔ فردوسی اور محمود کے متعلق جو کہانیاں مشہور ہیں، ان کی کوئی اصل معلوم نہیں ہوتی۔ اس زمانے کے عالموں کا خیال ہے کہ یہ کہانیاں محمود کے دشمنوں کی پھیلائی ہوئی ہیں اس کے خزانہ سے بہت سے شاعروں اور عالموں کو وظیفے ملتے تھے۔ فردوسی کے علاوہ عنصری، فرخی، منوچہری وغیرہ اس کے دربار کے مشہور شاعر گزرے ہیں۔ ابوریحان بیرونی بھی اسی زمانے کا ایک مشہور عالم تھا جو مدت تک بھیس بدل کر ہندوستان میں رہا اور یہاں کے لوگوں کی معاشرت، مذہب وغیرہ کے متعلق بہت سی کتابیں لکھ گیا۔ بیرونی کی کتابیں آج بھی بڑی قدرو منزلت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ محمود کے زمانے میں فارسی زبان نے بڑی ترقی کی اور اس بولی میں بہت سی کتابیں لکھی گئیں۔ ہندوستان کے لوگوں سے بھی مسلمانوں کا میل جول بڑھا۔ بہت سے ہندو محمود کی فوج میں نوکر ہو گئے۔ جب محمود نے تاج سر پر رکھا تو غزنی ایک چھوٹا سا شہر تھا۔ اس نے اپنی حکومت کے زمانے میں اسے بہت ترقی

دی۔ جگہ جگہ سرائیں، حمام، مدرسے اور مسجدیں بنوائیں۔ ہندوستان سے جوان گنت روپیہ ہاتھ آیا تھا۔ اس میں سے بہت سا اسی شہر کی آرائش میں صرف ہوگیا۔ محمود نے 32 سال حکومت کر کے 461ھ میں انتقال کیا۔

محمود کے جانشین:

محمود کے بعد اس کا بیٹا محمد غزنی کے تخت پر بیٹھا، لیکن اس کے بھائی مسعود نے اسے تخت سے اتار کر خود سلطنت پر قبضہ کرلیا۔ محمود کے بعد اس کی اولاد میں کوئی ڈیڑھ سو سال تک حکومت رہی۔ آخر غوری خاندان کے سرداروں نے غزنی پر قبضہ کرلیا۔ غوریوں اور غزنویوں کی لڑائیوں میں غزنی کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ ار یہ شہر ایسا ویران ہوا کہ پھر کبھی اسے پہلی سی رونق نصیب نہ ہوئی۔

اخشیدی:

تم پڑھ چکے ہو کہ طولونی حکومت کے مٹنے کے بعد کچھ دیر تک مصر عباسی خلیفہ کے قبضہ میں رہا۔ پھر اخشیدیوں کے قبضہ میں آیا۔ اس خاندان کا بانی محمد بن طغج فرغانہ کے بادشاہوں کی نسل میں سے تھا۔ راضی باللہ کے زمانہ میں وہ مصر کا حاکم مقرر ہوا۔ وہاں پہنچتے ہی اس نے اپنی خودمختاری کا اعلان کر دیا۔ خلیفہ نے مجبور ہو کر اسے خشید کا

خطاب عطا کیا۔فرغانہ کی زبان میں اخشید شہنشاہ کو کہتے ہیں۔

کچھ عرصہ کے بعد اخشید نے موقع پا کر شام پر قبضہ کرلیا۔اور حمص کے لئے سیف الدولہ حمدانی سے اس کے کئی معرکے ہوئے۔آخر اس شرط پر صلح ہوئی کہ دمشق اخشید کے قبضہ میں رہے۔اور حمص اور حلب میں سیف الدولہ کی حکومت ہو۔اس بادشاہ کے زمانے میں مصر کی فوج میں چار لاکھ سپاہی تھے۔وہ بڑا بہادر اور فیاض حکمران تھا۔ گیارہ سال حکومت کر کے وفات پائی۔اور پہلے اس کا بیٹا اور پھر بھائی مصر کا حاکم مقرر ہوا۔آخر اخشید کے حبشی غلام کافور کے قبضہ میں حکومت آئی۔اس نے بڑے سلیقہ سے حکومت کی۔کافور عالموں کی بہت عزت کرتا تھا۔عربی زبان کا مشہور شاعر متنبّی کسی بات پر سیف الدولہ سے ناراض ہو کر کافور کے دربار میں چلا آیا تھا۔کافور نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔مصر کے علاوہ شام اور حجاز میں بھی اس کا نام خلیفہ کے نام کے ساتھ ساتھ خطبوں میں لیا جاتا تھا۔لیکن اتنے بڑے رتبہ کو پہنچنے پر بھی وہ غلامی کے زمانے کو نہیں بھولا۔اور دولت اور اختیار کا نشہ اسے بدمست نہ کر سکا۔ایک مرتبہ اپنے مصاحبوں کے ساتھ گھوڑے پر سوار ہو کر سیر کو نکلا۔راستہ میں اس کے ہاتھ سے کوڑا گر گیا۔ایک مصاحب نے فوراً گھوڑے سے کود کر کوڑا اٹھایا۔اور کافور کو دے دیا۔یہ دیکھ کر اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور کہنے لگا کہ اللہ اکبر کہاں میں اور کہاں یہ رتبہ میں تو ایک ادنیٰ غلام ہوں۔

کافور کے بعد اخشید کا پوتا تخت پر بیٹھا۔اس کے زمانے میں بڑے جھگڑے

ہوئے۔ آخر فاطمیوں نے 358ھ میں مصر پر قبضہ کرلیا۔ مصر پر اخشیدیوں کی حکومت صرف پچیس سال رہی۔

حمدانی:

حمدانی خاندان کا بانی حسین بن حمدان ایک بہادر اور باتدبیر عرب امیر تھا۔ مقتدر کے زمانے میں اس نے موصل میں آہستہ آہستہ قدم جمانے شروع کیے۔ راضی کے عہد میں اس کے بیٹوں ناصر الدولہ اور سیف الدولہ نے بڑا زور پکڑا۔ اور خودمختاری کا دم مارنے لگے۔ آخر دیلمیوں نے انہیں دبایا۔ سیف الدولہ بڑا بہادر شخص تھا۔ اور عیسائیوں سے مدتوں لڑتا بھڑتا رہا۔ ایک دفعہ روم کے علاقے میں دور تک بڑھتا چلا گیا۔ واپسی پر رومیوں نے اس کا راستہ روک لیا۔ ساری فوج نرغہ میں آ گئی اور سیف الدولہ بڑی مشکل سے جان بچا کر بھاگا۔ رومی بار بار بڑے لاؤلشکر کے ساتھ اسلامی علاقہ پر چڑھ آتے تھے اور یہ بہادر اکیلا ان کو جواب دیتا تھا۔ اس کی موت کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ دیلمیوں نے اس کے ملک پر قبضہ کرلیا۔

پانچواں باب

سلجوقی خاندان کا زمانہ اقتدار قائم سے مقتفی تک

قائم:

قادر کے بعد اس کا بیٹا قائم بامر اللہ 462ھ میں خلیفہ مقرر ہوا۔ اس کے زمانے میں بویہ خاندان کے سردار بہت کمزور ہو گئے تھے۔ یہ دیکھ کر جگہ جگہ ڈاکوؤں نے سر اٹھایا اور راستے لٹنے لگے۔ رفتہ رفتہ ان لٹیروں کی جرأت ایسی بڑھی کہ بغداد کے آس پاس کے علاقے پر چھاپے مارنے لگے۔ ادھر بساسیری نے جو اس زمانے کا ایک مشہور سردار تھا، بڑا زور پکڑا اور بغداد پر قبضہ کر کے حکم دے دیا کہ آئندہ خطبہ میں عباسی خلیفہ کی جگہ فاطمی خلیفہ کا نام لیا جائے۔ قائم نے مجبور ہو کر سلجوقی سردار طغرل بیگ کو بلا بھیجا۔ اس نے آ کر خلیفہ کو بساسیری کی قید سے چھڑایا۔ اور سارے فتنے مٹا کے امن قائم کر دیا۔

سلجوقی خاندان:

اب سلجوقی خاندان کا حال سنو۔ سلجوق جو اس خاندان کا بانی تھا، ترکستان کے ایک مشہور قبیلہ غز سے تعلق رکھتا تھا۔ کسی بات پر ترکستان کے بادشاہ سے اس کی ان بن ہو گئی اور وہ سو سوار، ایک ہزار اونٹ اور پچاس ہزار بھیڑیں لے کر جند کے علاقے میں جو بخارا کے قریب واقع ہے، اٹھ آیا۔ یہاں اس نے اسلام قبول کر لیا۔ سلجوق بڑا پکا مسلمان تھا۔ جب کبھی وحشی ترک آس پاس کی بستیوں پر لوٹ مار کی نیت سے چڑھ آتے، سلجوق سینہ سپر ہو جاتا اور اپنے بھائی بندوں سے لڑ بھڑ کر مسلمانوں کا جان و مال بچاتا۔ اس نے کئی دفعہ سامانی بادشاہوں کی بھی مدد کی اور آہستہ آہستہ ماوراء النہر کے علاقے میں ایک چھوٹی سی ریاست کا ملک بن بیٹھا۔

سلجوق نے بہت لمبی عمر پائی۔ اور بہت سے بیٹے، پوتے یادگار چھوڑ کر انتقال کیا۔ اس کے دو پوتے طغرل بیگ اور چغر بیگ بہت نامور ہوئے۔ ان کے زمانے میں بہت سے خانہ بدوش غز جو وسط ایشیا کے میدانوں میں بھیڑ بکریاں چراتے پھرتے تھے، ان کے پاس آ گئے۔ اور آہستہ آہستہ سلجوقی خاندان کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ اگرچہ اس خاندان کے لوگ اب بارونق شہروں میں رہتے تھے۔ لیکن وہ ابھی تک باپ دادا کے رسم و رواج کو نہیں بھولے تھے۔ یہ ترکمان قسمت آزما کبھی ایک جگہ زیادہ دیر تک جم کر نہیں بیٹھتے تھے۔ کسی طاقتور دشمن سے مقابلہ پڑ جاتا تو بال بچوں کو کسی محفوظ

صحرائی مقام میں بھیج کر، خود مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے۔ اور تلواروں کے میان توڑ کر اس طرح لڑتے تھے کہ دشمن ان کے مقابلہ میں بے بس ہو جاتا تھا۔ اس زمانے میں سلطان محمود غزنوی کے اقبال کا ستارہ عروج پر تھا۔ اس نے جب یہ خبریں سنیں تو سلجوقی سرداروں کو اپنے دربار میں بلا بھیجا۔ ادھر سے سلجوق کا ایک بیٹا اسرائیل سفیر بن کر گیا۔ کہتے ہیں کہ جب وہ محمود کے دربار میں پہنچا، تو محمود نے اس سے پوچھا کہ تمہارے قبیلہ میں کتنے آدمی لڑنے کے قابل ہیں۔ اسرائیل نے ترکش سے ایک تیر نکالا اور کہا کہ اسے میرے قبیلہ میں بھیج دیجئے۔ دس ہزار گھڑ چڑھے فوراً پہنچ جائیں گے۔ محمود نے پوچھا اگر اس سے زیادہ آدمیوں کی ضرورت ہو تو تم کیا کرو گے۔ اسرائیل نے ایک اور تیر نکال کے کہا کہ دوسرا تیر بھیج دوں گا۔ پچاس ہزار بہادر سپاہی اور آ جائیں گے۔ محمود کہنے لگا فرض کرو کہ پچاس ہزار بھی کافی نہیں تو پھر، اسرائیل بولا میں اپنی کمان بھیج دوں گا۔ جسے دیکھتے ہی دو لاکھ جنگجو ترک حاضر ہو جائیں گے۔ یہ سن کر محمود نے سوچا کہ ایسے زبردست حریف سے غافل رہنا مناسب نہیں۔ چنانچہ اس نے اسرائیل کو قید کر لیا اور اپنے صوبیداروں کے نام حکم نامے لکھے کہ جس طرح ہو سکے قبیلہ غز کا زور توڑنے کی کوشش کرو۔

اس کہانی کے سچ جھوٹ کا حال تو ہمیں معلوم نہیں البتہ یہ صحیح ہے کہ قبلہ غز اپنے نئے وطن میں بہت پھلا پھولا۔ اور چند سالوں میں اس کی تعداد دس گنی ہو گئی۔ اسی زمانے میں قبلہ غز کی طرح ترکوں کے کئی دوسرے قبیلے بھی اپنے باپ دادا کی سرزمین

سے قسمت آزمائی کرنے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ان میں ایسے اکثر طغرل اور چقر بیگ کی فوج میں شامل ہو گئے۔

یہ دونوں بھائی مدت تک بخارا اور کاشغر کے بادشاہوں اور محمود کے صوبیداروں سے ٹکراتے رہے۔ ایک دفعہ خوارزم شاہ نے جو غز نویوں کا خراج گزار تھا، انہیں بڑا دھوکا دیا۔ یعنی ان سے کہا کہ تم میرے ملک میں آکر آباد ہو جاؤ۔ جب یہ دونوں بھائی تھوڑی سی فوج کے ساتھ خوارزم کی طرف روانہ ہوئے، تو راستہ میں ان پر حملہ کر کے ان کے بہت سے ساتھیوں کو قتل کر ڈالا۔ آخر طغرل اور چقر مجبور ہو کر دریائے جیجون سے پار اترے اور خراسان کے علاقہ میں پہنچ کے ادھر کے سرداروں پر چھاپے مارنے لگے۔

سلطان محمد کے بیٹے مسعود نے طغرل بیگ اور چقر بیگ کے مقابلہ میں کئی لشکر بھیجے۔ لیکن ہلمند اور راٹک پار کے افغان اور ہندوستان کے ہاتھی ان صحراؤں میں لسنے والے ترکمانوں کے مقابلہ میں بالکل بے بس تھے۔ سلجوقیوں نے بہت سے شہر فتح کر لئے۔ اور مرو پر جو پرانے زمانے سے خراسان کا صدر مقام سمجھا جاتا تھا، فتح کا جھنڈا جا گاڑا۔ آخر مسعود ستر ہزار سوار، تیس ہزار پیادے اور بیشمار گھوڑے ہاتھی لے کر خود مقابلہ پر آیا۔ سلجوقی قسمت آزما جنگی چالوں کو اچھی طرح سمجھتے تھے۔ مسعود کو بڑھتے دیکھ کر سامنے سے ہٹ گئے۔ جب وہ بلخ اور نیشاپور پر قبضہ کر چکا، تو سلجوقی اپنی فوجیں سمیٹ کر مقابلہ پر بڑھے۔ پہلے طغرل بیگ لشکر لے کر آیا۔ ابھی اس سے لڑائی ہو رہی

تھی کہ چقر بیگ آپڑا۔ مسعود شکست کھا کر بھاگا۔ اور غزنی پہنچ کر تھوڑے دنوں میں وفات پائی۔

اب سلجوقیوں کا کوئی حریف نہیں رہا تھا۔ انہوں نے خراسان کے سارے شہروں پر بڑی آسانی سے قبضہ کر لیا۔ ان کی سلطنت کے دو مرکز تھے۔ مشرق میں بلخ اور مغرب میں نیشاپور۔ یہیں سے ان کا اثر آہستہ آہستہ دوسرے شہروں میں پھیل گیا۔ ان دونوں بھائیوں نے ملکی اختیارات آپس میں تقسیم کر لئے تھے۔ طغرل بیگ ملک کا انتظام کرتا تھا۔ اور چقر بیگ فوج کا سردار تھا۔ تھوڑے دنوں میں خوارزم کا علاقہ بھی ہاتھ آیا۔ اب طغرل بیگ نے بھائی کو خراسان میں چھوڑا اور خود کرمان، ہمدان، جرجان اور آذربائیجان کو فتح کر کے چھوٹے بڑے سرداروں سے خراج لیتا، بغداد کی طرف بڑھا۔ ایک دفعہ روم کے علاقے پر جا پڑا اور ارض روم تک سارا ملک فتح کر کے لوٹا۔ اسی زمانے میں چقر بیگ کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کی جگہ بیٹا الپ ارسلان خراسان کی گدی پر بیٹھا۔ چونکہ بغداد کی مہم بڑی سخت تھی اس لئے الپ ارسلان فوج لے کر طغرل کی مدد کو چلا۔ اور یہ دونوں چچا بھتیجا دشمنوں کو شکستیں دیتے، بساسیری کے عرب سپاہیوں اور دیلمیوں کو ہٹاتے بغداد میں داخل ہوئے۔

کہتے ہیں کہ جب طغرل خلیفہ قائم کے سامنے حاضر ہوا۔ تو خلیفہ چہرہ پر نقاب ڈالے ہوئے تھے۔ اگرچہ قائم بیچارا نام کا خلیفہ تھا۔ لیکن اب بھی خلافت کے رعب کا یہ حال تھا کہ طغرل بیگ گھوڑے سے اتر پڑا۔ اور بڑھ کر خلیفہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔

خلیفہ نے خلعت منگوایا، اس کے سر پر تاج رکھا۔ طغرل عربی نہیں جانتا تھا اور قائم ترکی زبان سے ناواقف تھا۔ اس لئے طغرل کے وزیر کندری کی معرفت باتیں ہوئیں۔ طغرل نے اپنی بھتیجی ارسلان خاتون خلیفہ کو بیاہ دی۔ اور جب بغداد میں ہر طرف امن ہو گیا تو واپس لوٹا۔ کچھ عرصہ کے بعد طغرل بیگ نے خلیفہ کی بیٹی سے بیاہ کرنا چاہا۔ قائم نے پہلے تو صاف انکار کر دیا، لیکن کندری نے جو بڑا قابل شخص تھا، اسے سمجھا بجھا کر رضامند کر لیا۔ بڑی دھوم دھام سے بیاہ کی رسمیں ادا کی گئیں۔ مگر ابھی دلہن راستہ میں ہی تھی کہ رے میں طغرل کا انتقال ہو گیا۔

اگرچہ طغرل کو ابتدائی زمانے میں کبھی ایک جگہ جم کر بیٹھنے کا موقع نہیں ملا۔ لیکن جب اس نے خراسان میں ایک مرتبہ قدم جما لئے تو شہر پر شہر فتح کرتا چلا گیا اور جیحون سے دجلہ تک سارے علاقے پر قبضہ کر کے لوٹا۔ ایک مرتبہ روم پر جا چڑھا۔ اور عثمانی ترکوں کے لئے جو بعد میں روم کی حکومت کے وارث بنے میدان صاف کر گیا۔ لیکن اس کا سب سے بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے بساسیری کو شکست دے کر خلافت کو بربادی سے بچا لیا۔ ورنہ عباسی خلافت کے مٹنے سے کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی۔

الپ ارسلان:

طغرل کے بعد اس کا بھتیجا الپ ارسلان تخت پر بیٹھا الپ ارسلان ترکوں کی زبان میں بہادر شیر کو کہتے ہیں۔ وہ بڑے ڈیل ڈول کا آدمی اور صورت شکل سے سچ مچ

شیر معلوم ہوتا تھا۔ الپ ارسلان جنگ کے میدان میں پیدا ہوا۔ تلواروں کے سائے میں پرورش پائی اور ساری عمر لڑتے بھڑتے گزر گئی۔ اس کا باپ چغر بیگ دریائے جیجون کے کنارے خوارزم کے حاکم کی فوجوں سے لڑ رہا تھا کہ فرزند کے پیدا ہونے کی خوش خبری ملی۔ الپ ارسلان نام رکھا اور جب وہ بڑا ہوا تو اسے بڑی محنت سے سپاہ گری کے داؤ پیچ سکھائے اور لڑائیوں میں اپنے ساتھ رکھنے لگا۔ باپ کی وفات کے بعد الپ ارسلان خراسان کا حاکم مقرر ہوا۔ اور چچا کی موت پر وہ اس وسیع سلطنت کا مالک بن گیا۔ جو جیجون سے دریائے فرات تک پھیلی ہوئی تھی۔

ملاذ کرد کی لڑائی:

اس زمانے میں روم کی عیسائی حکومت بڑی طاقتور تھی اور مشرق میں انطاکیہ اور آرمینیا کی سرحد تک سارا ملک اس کے قبضے میں تھا۔ طغرل بیگ نے روم پر حملہ کیا تھا۔ روم کے عیسائی سرداروں کو اس کا بڑا ملال تھا۔ اور وہ اس فکر میں تھے کہ بغداد پر فتح کا جھنڈا گاڑ کے عباسی خلافت کو بالکل مٹا دیں۔ الپ ارسلان کو جب یہ خبریں پہنچیں تو اس نے پیش دستی کر کے روم پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اور فرات سے پار اتر کے شہر پر شہر فتح کرتا آرمینیا اور گرجستان پر جا چڑھا۔ ارمنوں اور گرجستانیوں نے بڑی دلیری سے مقابلہ کیا۔ کاکیشیا کے پہاڑوں میں ایسے جنگل اور درے کثرت سے ہیں جن میں تھوڑی سی فوج کے ساتھ بڑے بڑے لشکروں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ

قدرتی قلعے بھی ترکمان سپاہیوں کو نہ روک سکے اور انہوں نے آسانی سے گرجستان اور آرمینیا پر قبضہ کر لیا۔

اس زمانے میں روم کے تخت پر ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی اسے جب مسلمانوں کے پے در پے حملوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے ایک بہادر سردار رومانوس سے جس کی شجاعت کے چرچے سارے ملک میں تھے، بیاہ کر کے ملک کا سارا انتظام اس کے حوالے کر دیا۔ رومانوس نے ایک بہت بڑا لشکر جس میں فرانس، نارمنڈی، مقدونیہ اور بلغاریہ کے بہادروں کے علاوہ بہت سے وحشی ترک قبیلے بھی شامل تھے، جمع کیا، ور اسے ساتھ لے کر مسلمانوں کے مقابلہ پر چلا۔ یہ فوج ایک لاکھ سے اوپر تھی۔ لیکن راستے میں اور لشکر بھی آ آ کے ملتے جاتے تھے۔ ارض روم کے شہر سے کچھ فاصلہ پر ملاذکرو کا قلعہ تھا۔ رومانوس اس کی فتح کا ارادہ لے کر روانہ ہوا تھا۔ ادھر سے الپ ارسلان صرف چالیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ مقابلہ پر آیا۔ اس نے پہلے رومانوس کو صلح کا پیغام بھیجا کہ اگر صلح چاہتے ہو تو رے کا شہر جو تمہارا صدر مقام ہے، ہمارے حوالے کر دو۔ رومانوس یہ سن کر مسکرایا اور کہنے لگا افسوس اس معرکہ میں بہت سے مسلمانوں کی جانیں ضائع ہوں گی۔

تین دن دونوں لشکر آمنے سامنے پڑے رہے۔ جمعہ کے دن لڑائی شروع ہوئی۔ سلطان نے جنگ شروع ہونے سے پہلے منادی کرا دی کہ جس کو اپنی جان عزیز ہو پلٹ جائے۔ پھر سپید لباس پہنا عطر لگایا، تیر و کمان پھینک، گرز ہاتھ میں لیا اور اپنی

فوج کے سرداروں کی طرف رخ کر کے کہنے لگا۔ کہ اگر میں اس معرکے میں شہادت پاؤں تو جس مقام پر میں جان دوں وہیں مجھے دفن کرنا۔

الپ ارسلان نے اپنے سواروں کو نیم دائرہ کی شکل میں آراستہ کیا۔ وہ نیم دائرہ موقع کے مطابق سمٹتا اور پھیلتا تھا۔ آگے آگے ترکمان تیر انداز جو آواز پر تیر مارتے تھے، گلے میں کمانیں لٹکائے، پشت پر ترکش ڈالے، کھڑے تھے۔ دہنے بائیں نیزہ باز اور شمشیر زن لشکر کے بیچوں بیچ خود سلطان گرز ہاتھ میں لئے پہاڑ کی طرح ڈٹا ہوا تھا۔ ادھر رومانوس بھی گھوڑے پر سوار ہوا۔ اور نیزہ ہاتھ میں لے کر لشکر کو آراستہ کرنے لگا، لیکن اس نے فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم نہیں کیا بلکہ سارا لشکر ایک جگہ پاؤں جمائے کھڑا رہا۔

رومانوس کا خیال تھا کہ اتنی بڑی فوج جب یکبارگی مسلمانوں پر بڑھے گی تو انہیں آن کی آن میں کچل ڈالے گی۔ چنانچہ اس نے ساری فوج کو حملہ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بڑھا چلا آ رہا ہے۔ سلطان نے دشمن کو بڑی خوبصورتی سے روکا۔ رومانوس اور اس کے سپاہی تھک کر چور ہو گئے، لیکن مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکے۔ آخر رومانوس نے فوج کو پیچھے ہٹنے کا حکم دیا۔ یہ ہٹنا قیامت ہو گیا۔ ترکمان تیر اندازوں نے کمانیں سنبھالیں اور تیروں کی بوچھاڑ کر دی۔ سواروں کے نیم دائرہ نے پھیل کر دائرہ کی شکل اختیار کر لی۔ سلطان خود بڑھ بڑھ کے لڑتا اور جدھر جا پڑتا صفیں الٹ کے رکھ دیتا تھا۔ اگرچہ اصل میں لڑائی

کا فیصلہ ہو چکا تھا، لیکن رومانوس نے ہمت نہ ہاری اور شام تک لڑتا رہا۔ اس کے داہنے بائیں فوجیں کھڑی تھیں وہ مسلمانوں کے حملہ کی تاب نہ لا کر ہوا ہو گئیں۔ اور اس کے جھنڈے تلے صرف چند جان نثار رہ گئے۔ ایک غلام نے اسے تا کا۔ اور تلوار کا وار کیا۔ قیصر نے اوچھا سا زخم کھایا۔ غلام نے پھر تلوار اٹھائی لیکن رومانوس پکار اٹھا کہ خبردار میں روم کا بادشاہ ہوں۔ مجھے زندہ گرفتار کر کے اپنے سلطان کے پاس لے چل۔ یہ سن کر غلام نے ہاتھ روک لیا اور قیصر کو سلطان کی بارگاہ میں پہنچا دیا۔ اس لڑائی میں بے حد و حساب عیسائی مارے گئے۔

الپ ارسلان رومانوس سے بڑی عزت کے ساتھ پیش آیا۔ اس سے تین مرتبہ مصافحہ کیا اور کہا کہ تمہاری جان پر کوئی آنچ نہیں آنے پائے گی۔ پھر اسے تھوڑی دیر تک دربار میں بٹھا کر دوسرے خیمے میں بھیج دیا جس کا ساز و سامان قیصر کے رتبہ اور شان کے مطابق تھا۔ الپ ارسلان کے سردار اس کی خدمت کو کمر بستہ حاضر رہتے تھے۔ آٹھ دن اسی طرح مہمانیاں ہوتی رہیں۔ سلطان کو ان عیسائی سرداروں پر بڑا افسوس تھا۔ جو قیصر کو میدان جنگ میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے۔ چنانچہ اس نے باتوں باتوں میں ان کی بے وفائی کا ذکر کیا۔ ساتھ ہی فوج کو لڑانے میں رومانوس سے جو غلطیاں ہوئی تھیں وہ بھی جتا دیں۔

اثنائے گفتگو میں سلطان نے پوچھا کہ بتاؤ تم سے کیا سلوک کیا جائے۔ قیصر نے جواب دیا اگر تم ظالم ہو تو مجھے قتل کرا دو اور دنیا پر اپنی بڑائی جتانا چاہتے ہو تو اپنا غلام بنا

لو۔ یا قید کر دو۔ لیکن تمہارا فائدہ اسی میں ہے کہ مجھے فدیہ لے کر آزاد کر دو۔ سلطان نے پھر پوچھا اب یہ بتاؤ کہ اگر میں اس طرح تمہارے ہاتھ آ جاتا تو تم مجھ سے کیا سلوک کرتے۔ رومانوس کہنے لگا میں تمہیں کوڑوں سے پٹواتا۔ سلطان نے مسکرا کے کہا کہ بہر حال میں تم سے ایسا سلوک نہیں کروں گا۔

اب صلح کی شرطوں پر گفتگو شروع ہوئی۔ اور یہ طے پایا کہ رومانوس دس لاکھ اشرفیاں فدیہ کے طور پر ادا کر دے۔ اور تین لاکھ ساٹھ ہزار اشرفیاں سالانہ خراج دیتا رہے۔ اس کے علاوہ اپنی بیٹی سلطان کے لڑکے کو بیاہ دے اور اس کی قید میں جتنے مسلمان ہیں سب کو رہا کر دیا جائے۔ چنانچہ سلطان کے فرزند سے قیصر کی لڑکی کا بیاہ بڑی شان وشوکت سے ہوا اور رومانوس کو رہا کر دیا گیا۔

یہاں سے لوٹے تو ترکستان کے خاقان کی لڑکی سے ولی عہد سلطنت شہزادہ **ملک** شاہ کا بیاہ رچایا گیا۔ برات سمرقند گئی۔ اور وہاں کئی دن جشن ہوتا رہا۔ کہتے ہیں کہ سمرقند کی شہزادی نیا پشور پہنچی۔ تو اس کی پالکی کے آگے آگے ایک ہزار غلام اور ایک ہزار کنیزیں جہیز کا سامان اٹھائے ہوئے تھیں۔ جدھر سے پالکی گزرتی قدم قدم پر عنبر اور مشک کی گولیاں نچھاور کی جاتی تھیں۔

ترکستان الپ ارسلان کے باپ دادا کا وطن تھا۔ اس **ملک** کی فتح کا شوق رہ رہ کے اس کے دل میں چٹکیاں لیتا تھا۔ رومیوں کی لڑائیوں سے فارغ ہو کر اس نے ادھر کا قصد کیا اور یہاں کے پہاڑوں اور صحراؤں میں فتح کا پرچم لہرا کے لوٹا۔ حجاز اور حلب

پر مصر کے فاطمیوں نے قبضہ کر لیا تھا، الپ ارسلان نے ان علاقوں کو بزور شمشیر ان سے چھین لیا۔ اور یہاں پھر عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔

یہ زمانہ اس کی حکومت کے عروج کا زمانہ تھا اس کی سلطنت بحیرہ اسود کے ساحل تک پھیلی ہوئی تھی بڑے بڑے گردن کش اس کا نام سن کر کانپ اٹھتے تھے۔ جب اس کی سواری نکلتی تھی تو بارہ سو شہزادے زرق برق لباس پہنے اسے حلقے میں لئے ہوتے تھے۔

خدا جانے ترکستان کی مٹی میں کیا کشش تھی کہ وہاں سے ایک معمولی شورش کی خبر آئی تو سلطان خود اسے فرو کرنے روانہ ہوا۔ اتنا بڑا لشکر ساتھ تھا کہ دریائے جیحون کو عبور کرنے میں بیس دن صرف ہو گئے۔ دریا سے پار اتر کے معلوم ہوا کہ ادھر کے پہاڑوں میں یوسف نامی ایک قلعدار، سلطانی لشکر کے مقابلہ میں اڑا ہوا ہے۔ الپ ارسلان کے سامنے بیچارے یوسف کی کیا بساط تھی؟ سلطان نے پہنچتے ہی اسے گرفتار کر کے منگوایا۔ یوسف نے بڑی گستاخی سے باتیں کیں۔ سلطان نے غصہ میں آ کر حکم دیا کہ اسے قتل کر ڈالا جائے۔ یوسف نے یہ سن کر خنجر نکال لیا۔ اور سلطان کی طرف بڑھنا چاہا۔ درباری اسے روکنے کو جھپٹے، لیکن سلطان نے کہا کہ اسے آنے دو میں خود اسے تیر کا نشانہ بناؤں گا۔ الپ ارسلان تیر اندازی میں بڑا ماہر تھا۔ آواز پر تیر مارتا تھا۔ عمر بھر اس کا نشانہ کبھی خالی نہیں گیا تھا، لیکن اس موقع پر خدا جانے کیا ہوا کہ تیر کمان میں جوڑتے ہی پاؤں پھسلا اور تیر نشانے پر نہ بیٹھا۔ جب تک وہ سنبھلے، یوسف کا خنجر

کام کر گیا تھا۔ سلطان نے کاری زخم کھایا۔ جراح دوڑے دوڑے آئے، بہت سی تدبیریں کیں، لیکن موت کے سامنے کسی کا زور نہ چلا۔

آخری وقت میں اس نے اپنے خاندان کے لوگوں کو بڑی کارآمد نصیحتیں کیں اور کہا کہ جوانی میں مجھے ایک بزرگ نے کہا تھا۔ کہ اپنے آپ کو خدا کا عاجز بندہ سمجھو۔ اپنی طاقت پر ناز نہ کرو۔ اور دشمن کو کبھی حقیر نہ جانو۔ میں نے یہ تینوں باتیں بھلا دیں۔ اور آج مجھے اس غلطی کی سزا ملی ہے۔ کل میں نے ایک ٹیکرے پر کھڑے ہو کر اپنے لشکر پر نظر دوڑائی تو ایسا معلوم ہوا کہ زمین میرے رعب اور دبدبہ سے تھرا رہی ہے میں نے جی میں کہا کہ میں ساری دنیا کا بادشاہ ہوں اور کوئی جنگجو سپاہی میرا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ آج یہ فوج بھی میرے قبضہ میں نہیں رہی۔ اور اپنی طاقت پر بھروسہ کرنے اور دشمن کو حقیر جاننے کا نتیجہ جو کچھ ہوا وہ تم دیکھ رہے ہو۔

الپ ارسلان نے بارہ سال حکومت کر کے 465ھ میں وفات پائی اور اس کی جگہ اس کا بیٹا **ملک** شاہ تخت سلطنت پر بیٹھا۔ الپ ارسلان کا زمانہ فتوحات کے علاوہ علمی ترقی اور ملکی خوشحالی کے لئے بھی بہت مشہور ہے۔ اصل میں ان کارناموں کا سہرا اس کے وزیر نظام الملک کے سر ہے۔ جو بڑا دانشمند شخص تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ برمکی خاندان کے وزیروں کے سوا اسلامی دنیا میں اس پایہ کا کوئی مدبر نہیں گزرا۔ سلجوقی دربار میں اس کی رسائی طغرل کے عہد حکومت میں ہوئی تھی۔ الپ ارسلان کے زمانہ حکومت میں وہ کندری کی جگہ وزیر اعظم مقرر رہا اور **ملک** شاہ نے بھی اسی کو اپنا وزیر

مقرر کیا۔

خلیفہ مقتدی:

الپ ارسلان کے انتقال کو دو سال ہوئے تھے کہ خلیفہ قائم بامر اللہ کا انتقال ہو گیا۔ اور اس کا بیٹا مقتدی خلافت کی مسند پر بیٹھا۔ اس زمانہ میں عباسی خلافت کا ستارہ پھر کسی قدر چمک گیا تھا۔ سلجوقی خاندان کے فرمانروا خلیفہ کے معاملات میں زیادہ دخل نہیں دیتے تھے۔ اس لئے بغداد اور اس کے آس پاس کے علاقہ میں خلیفہ بڑی شان و شوکت سے حکومت کرتا تھا۔ اور جگہ جگہ خطبہ میں اس کا نام لیا جاتا تھا۔

مقتدی:

شریعت کا بڑا پابند تھا۔ بغداد میں گانے بجانے کا بہت چرچا تھا لوگ عیش وعشرت میں پڑے رہتے تھے۔ امیروں وزیروں کو کبوتر بازی کے سوا کوئی کام نہیں تھا۔ مقتدی نے ان سب کرابیوں کی اصلاح کی۔ اسے خلیفہ کی نیک نیتی کا اثر سمجھو یا صرف اتفاق کہہ لو کہ اس زمانے میں فصلیں بھی خوب ہونے لگیں۔ غلہ سستا ہو گیا اور قحط کا نام و نشان نہ رہا۔ بغداد کی رونق بھی بڑھی اور کئی نئے محلے آباد ہو گئے۔

ملک شاہ:

ملک شاہ تخت پر بیٹھا تو اس کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ اسے نا تجربہ کار سمجھ کر چچا اور بھائی بغاوت پر آمادہ ہو گئے لیکن ایک تو ملک شاہ خود بڑا شجاع سپاہی تھا، دوسرے نظام الملک طوسی جیسا وزیر سلطنت کو سنبھالے ہوئے تھا۔ اس لئے باغیوں کی کوئی پیش نہ چلی۔ کہتے ہیں کہ جب ملک شاہ اپنے سرکش بھائی کے مقابلے پر روانہ ہوا تو طوس پہنچ کر تھوڑی دیر کے لئے امام علی رضا کے مزار پر فاتحہ پڑھنے کے لئے رک گیا۔ نظام الملک کے ساتھ تھا۔ دونوں نے فاتحہ پڑھ کر دعا مانگی۔ سلطان نے وزیر سے پوچھا خواجہ حسن! تم نے کیا دعا مانگی۔ وزیر نے کہا آپ کی فتح مندی اور سرخروئی کے سوا اس موقع پر کیا دعا ہو سکتی تھی۔ سلطان کہنے لگا اور میں نے دعا کی ہے کہ الٰہی اگر میرا بھائی حکمرانی کے لئے مجھ سے زیادہ موزوں ہے اور اس کے بادشاہ بننے سے مسلمانوں کا بھلا ہوتا ہے تو اسے فتح دے۔

جب سلطنت کے سارے دعوے دار طاقت آزما کے ہار چکے اور اندرونی شورشوں کا کوئی خدشہ نہ رہا تو ملک شاہ نے ترکستان کا قصد کیا، کیونکہ ادھر کے گردن کش ابھی تک پوری طرح قابو میں نہیں آئے تھے۔ دریائے سیحون سے پار اتر کے ترکمانوں کو پے در پے شکستیں دیں۔ اور چین کی سرحد تک پہنچ گیا۔ کاشغر میں اس کا نام سکہ پر کندا ہوا۔ نماز جمعہ کے خطبہ میں اس کا نام لیا جانے لگا۔ یہاں سے لوٹا تو مغربی اور جنوبی

سرحدوں کی طرف بڑھا۔ اور جہانگیری کا نقارہ بجاتا گرجستان تک جا پہنچا۔

رومیوں کے علاقے پر بھی حملے کیے اور اطاکیہ سے قسطنطنیہ تک سارا علاقہ فتح کر ڈالا۔ آخر قیصر نے مجبور ہو کر جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے صلح کر لی۔ **ملک** شاہ کو عیش و عشرت کی طرف زیادہ رغبت نہیں تھی۔ سارا وقت سلطنت کے کام کاج میں گزار دیتا۔ دار السلطنت میں کبھی جم کے نہیں بیٹھا۔ ہمیشہ **ملک** کا دورہ کرتا رہتا تھا۔ اس کی سلطنت کی وسعت کا یہ حال تھا کہ ایک طرف تو اس کا ڈانڈا چین سے جاملتا تھا، دوسری طرف اس کی حکومت روم تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے بارہ مرتبہ اس وسیع علاقہ کا دورہ کیا۔ ہر صوبہ میں پہنچا وہاں کے حالات دیکھ کر مناسب حکم احکام جاری کیے۔ پل بنوائے، نہریں کھدوائیں، مدرسے، شفاخانے اور مسجدیں تعمیر کرائیں۔ سڑکوں پر جگہ جگہ سرائیں بنوائیں۔ جن میں مسافروں کے آرام و آسائش کے سارے سامان موجود رہتے تھے۔ ایک دفعہ حج کو روانہ ہوا اور جن راستوں سے اس کی سواری گزری، وہاں کے لوگ نہال ہو گئے۔ سلجوقیوں میں وہ سب سے زیادہ با اقبال بادشاہ گزرا ہے۔ مورخ اس کی دینداری اور انصاف پسندی کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے۔

ملک شاہ نے اپنی بیٹی خلیفہ مقتدی کو بیاہ دی تھی۔ شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ کہتے ہیں کہ جب سلجوقی شہزادی کی ڈولی بغداد پہنچی تو جہیز کا سامان دیکھ کر لوگوں کی عقل دنگ رہ گئی۔ اس کے محافہ کے ساتھ ساتھ کوئی ڈیڑھ ہزار اونٹ روم کے ریشمی کپڑوں سے لدے ہوئے تھے۔ 74 خچریں اور 33 اونٹ جن پر جواہرات بار تھے،

ان کے علاوہ تھے۔ ان خچروں اور اونٹوں کا سارا ساز و براق سونے کا تھا۔

ملک شاہ نے اپنی زندگی میں ہی اپنی سلطنت کے مختلف حصوں پر اپنے رشتہ داروں کو حاکم مقرر کر دیا تھا۔ ایشیائے کوچک کا علاقہ جو رومیوں سے چھینا گیا تھا، سلیمان بن قطلمش کے ہاتھ آیا۔ سلیمان سلجوق کا پوتا اور اسرائیل کا پوتا تھا۔ وہ اور اس کے بھائی مدتوں تو رومیوں سے لڑتے بھڑتے رہے۔ اور ارض روم سے قسطنطنیہ اور قسطنطنیہ سے بحیرہ اسود تک سارا علاقہ فتح کر ڈالا۔ اس نے روم کے عیسائی بادشاہوں کا زور بالکل توڑ ڈالا تھا۔ اور ان کی سلطنت صرف باسفورس اور اس کے آس پاس کے علاقے میں رہ گئی تھی۔ ان ترکمان بہادروں نے پہاڑوں کے دروں میں جگہ جگہ قلعے بنا لئے۔ جن میں فوجی دستے رہتے تھے ملک میں مسجدوں اور مکتبوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ ترکمان قبیلے جہاں تہاں پھیلے ہوئے تھے ان قبیلوں کے ساتھ بہت سے عالم فاضل اور مبلغ بھی آئے۔ جن کی کوششوں سے بہت سے عیسائیوں نے اسلام قبول کر لیا۔ مولانا جلال الدین رومی جن کی مثنوی بہت مشہور ہے، اسی خاندان کے عہد میں ہوئے ہیں۔ رومی سلجوقیوں کا پایہ تخت قونیہ تھا۔ اس خاندان میں کوئی سوا سو سال تک سلطنت رہی۔

روم کے علاوہ کرمان، کردستان اور شام میں بھی سلجوقیوں کی تین علیحدہ علیحدہ سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ کرمان میں ملک شاہ کا چچا حکمران تھا اور شام اور فلسطین میں اس کا بھائی تتش کردستان کی خود مختار حکومت ملک شاہ کی وفات کے بعد قائم ہوئی۔

ملک شاہ کی زندگی کے آخری دنوں میں اس کی جانشینی کے جھگڑے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس کی بیگم ترکان خاتون جو سمرقند کے حاکم کی بیٹی اور بڑی عقلمند عورت تھی، چھوٹے بیٹے محمود کو ولی عہد بنانے کی فکر میں تھی۔ اس نے کئی منصوبے کھیلے لیکن وزیر کے سامنے پیش نہ گئی آخر مجبور ہو کر ملک شاہ کے کان بھرنے شروع کئے۔ دربار میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں تھی جو نظام الملک کا رتبہ اور شان دیکھ دیکھ کر جلتے تھے۔ انہوں نے ترکان خاتون کو وزیر کا مخالف پایا تو ہمت بندھی، اور نظام الملک کو سلطان کی نظروں سے گرانے کی کوششیں کرنے لگے۔ اگرچہ سلطان بڑا عقلمند تھا لیکن جب ہر طرف سے وزیر کی شکائتیں آنے لگیں تو وہ بھی اس سے بدگمان ہو گیا۔ آخر ایک دن اسے کہلا بھیجا کہ تم بہت دنوں وزارت کر چکے۔ میری ساری سلطنت تمہارے کنبہ کے لوگوں میں بٹی ہوئی ہے۔ اب مجھے اجازت دے دو کہ میں وزارت کا قلمدان تمہارے سامنے سے اٹھا کر کسی دوسرے کے آگے رکھ دوں۔ نظام الملک جس کا سر اس خاندان کی خدمت میں سپید ہو گیا تھا، یہ پیغام سن کر سناٹے میں آ گیا۔ لیکن وہ بڑے حوصلے والا شخص تھا، دل پر میل نہ لایا۔ ہاں جو امیر پیغام لے کر آیا تھا اس سے اتنا کہا کہ یہ قلمدان حاضر ہے، مگر سلطان سے کہہ دینا کہ آج میرے سامنے سے قلمدان اٹھ گیا تو کل اس کے سر پر تاج بھی نہیں رہے گا۔

اس واقعہ کو تھوڑا ہی عرصہ ہوا تھا کہ ایک شخص نے نظام الملک کو قتل کر ڈالا۔ کہتے ہیں کہ اس کا قاتل باطنی فرقہ کا ایک فدائی تھا۔ باطنی گروہ اصل میں اسمعیلی فرقہ کی

ایک شاخ کا نام ہے۔ یہ لوگ بڑے خطرناک تھے اور جسے اپنا مخالف پاتے تھے، اسے کسی نہ کسی طرح قتل کر ڈالتے تھے۔ نظام الملک کے قتل کے بعد **ملک** شاہ صرف 33 دن زندہ رہا اور شاہ وزیر دونوں نے 458ھ میں انتقال کیا۔

نظام الملک کے کارنامے:

اصل میں **ملک** شاہ جس پایہ کا سلطان تھا، نظام الملک اسی پایہ کا وزیر تھا۔ وہ بڑا عالم فاضل شخص تھا۔ ہر فن کے صاحب کمال اس کی قدردانی کا حال سن کر سلجوقی دربار میں کھچے چلے آتے تھے۔ اس زمانے میں سلطنت کے انتظام کے لئے جو قاعدے اور قانون بنے ان سب کو اسی شخص کی قابلیت کا نتیجہ سمجھنا چاہئے۔

نظام الملک نے سیاست نامہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں حکومت کے بندوبست اور انتظام کے طریقے اور حکمرانی کے اصول اور قاعدے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ کتاب پڑھنے سے سلجوقیوں کے عہد حکومت کے متعلق بہت سی کارآمد باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

اس نیک دل وزیر سے پہلے **ملک** میں مذہبی جھگڑوں کا زور تھا۔ بعض فرقوں پر نماز جمعہ میں لعنت بھیجی جاتی تھی۔ یہ حال دیکھ کر بہت سے عالم دوسرے ملکوں کو چلے گئے۔ لیکن نظام الملک نے اس کی ممانعت کر دی۔ جو عالم ناراض ہو کر چلے گئے تھے انہیں بڑی عزت اور احترام سے واپس بلوالیا۔ اس نے **ملک** میں کئی مدرسے قائم کیے، جن

میں بغداد اور نیشاپور کے مدرسے جو اس کے نام پر نظامیہ کہلاتے تھے، بہت مشہور ہیں۔ بغداد کا مدرسہ نظامیہ بہت بڑا تھا۔ اور اس میں ملکوں ملکوں کے لوگ کالے کوسوں کی منزلیں طے کر کے پڑھنے آتے تھے۔

نظام الملک کو رعایا کی خوشحالی کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اس نے بہت سے محصول جو اگلے بادشاہوں کے زمانے سے چلے آتے تھے، ہٹا دیئے اور پرانے مالی انتظام میں بہت سی اصلاحات کیں۔ ان خوبیوں کے ساتھ وہ بڑا پرہیز گار شخص تھا۔ کیسا ہی ضروری کام کیوں نہ ہو اذان کی آواز سنتے ہی نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوتا تھا۔

ملک شاہ کے جانشین:

سلجوقیوں کے اقبال کی بہار ملک شاہ اور نظام الملک طوسی کے ساتھ ختم ہو گئی۔ ملک شاہ کی زندگی میں ہی اس کے بیٹوں میں سلطنت کے لئے جھگڑا شروع ہو گیا تھا۔ اس کے چار بیٹے تھے۔ برکیاروق، محمد، سنجر اور محمود، محمود سب سے چھوٹا تھا۔ لیکن اس کی ماں ترکان خاتون بڑی عقلمند خاتون تھی۔ اور ملک شاہ اس کا کہا بہت مانتا تھا۔ ترکان خاتون نے محمود کو تخت پر بٹھانے کے لئے بڑے جوڑتوڑ کئے، مگر کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی۔ اور سلطنت سلطان کے سب سے بڑے بیٹے برکیاروق کے ہاتھ آئی۔ لیکن ایک تو نظام الملک جیسا کوئی وزیر نہیں تھا، جو سلطنت کو سنبھالے رکھتا، دوسرے برکیاروق میں الپ ارسلان اور ملک شاہ کی خوبیاں نام کو نہ تھیں۔ اس پر ستم یہ ہوا کہ

سلطنت کے کئی دعوے دار اٹھ کھڑے ہوئے۔ محمد نے آذر بائیجان، اصفہان اور آرمینیا کا علاقہ دبا لیا۔ سنجر نے جرجان سے ماوراءالنہر تک اپنی سلطنت قائم کر لی۔ اور برکیاروق کے پاس طبرستان، خوزستان، فارس، دیار بکر اور رے کے علاقے رہ گئے۔ برکیاروق نے 497ھ میں انتقال کیا اور اس کے بھائی اور بیٹے میں لڑائیاں شروع ہو گئیں ادھر ملک شاہ کے سب سے چھوٹے بیٹے محمود نے زور پکڑا اور سنجر سے اس کے کئی معرکے ہوئے محمود کے بیٹوں میں بھی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ جنہوں نے سلجوقی سلطنت کو بہت نقصان پہنچایا۔

سلطان سنجر سلجوقی خاندان کے شہزادوں میں سب سے زیادہ بہادر اور عقلمند فرمانروا گزرا ہے۔ اس کی ساری عمر لڑتے بھڑتے گزر گئی۔ سنجر کو ایران میں تو بڑی کامیابی ہوئی، لیکن مشرقی ملکوں خصوصاً ترکستان اور ماوراءالنہر میں اس کے قدم زیادہ دیر تک نہ جمے رہ سکے۔ ایک دفعہ سمرقند پر چڑھ گیا اور وہاں کے حاکم کو پکڑ کر خراسان لے آیا۔ لیکن کچھ دنوں کے بعد سمرقند کے ایک سردار نے پھر بغاوت کر دی۔ سنجر نے پھر چڑھائی کی اور بڑی مشکل سے سمرقندی بہادروں کو نیچا دکھایا۔ لیکن اس لڑائی کے بعد قراختائی ترکمانوں اور کرغیزیوں کے ساتھ جنگوں کا بہت لمبا سلسلہ شروع ہو گیا۔ دریائے جیحون کے کنارے سنجر نے ترکمانوں کے ہاتھوں شکست کھائی اور مدتوں بھاگا بھاگا پھرا۔ ایک معرکہ میں ترکمان وحشیوں نے اسے گرفتار کر لیا اور تین سال قید رکھا۔ آخر کسی طرح قید سے نکل بھاگا۔ لیکن بڑھاپے میں جو مصیبتیں اٹھائی تھیں، ان کا اثر

دماغ پر پڑا۔اور دیوانگی کے آثار ظاہر ہونے لگے اس نے 522ھ میں انتقال کیا۔ اس کے بعد سلجوقیوں کی طاقت بہت کمزور ہوگئی ایک طرف خوارزم شاہیوں اور ترکمانوں نے سر ابھارا، دوسری طرف غوری طاقت پکڑنے لگے۔ ساتھ ہی سلجوقی خاندان کے اکثر صوبیدار بھی اپنے اپنے علاقوں میں خودمختار ہو بیٹھے۔

مستظہر مسترشد اور راشد:

ملک شاہ نے خلیفہ مقتدی کے زمانہ میں وفات پائی تھی اس کی وفات کو دو سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ مقتدی نے بھی انتقال کیا اور اس کا بیٹا مستظہر خلیفہ مقرر ہوا۔اس نے پچیس سال سے کچھ اوپر سلطنت کر کے وفات پائی۔ مستظہر بڑا نیک خلیفہ گزرا ہے۔اس کا زمانہ بغداد کے لوگوں کے لئے بہت مبارک تھا۔اس کے بعد اس کا فرزند مسترشد تخت خلافت پر بیٹھا اور سترہ سال حکومت کی۔ اسے ایک باطنی نے قتل کر ڈالا۔اس کا بیٹا راشد اس کا جانشین ہوا۔لیکن وہ سال بھر ہی حکومت کرنے پایا تھا کہ سلجوقیوں کے آخری سلطان مسعود نے اسے تخت سے اتار کر اس کی جگہ مستظہر کے ایک بیٹے کو مقتفی لامر اللہ کے لقب سے حکومت کی گدی پر بٹھایا۔

مقتفی:

دیلمیوں کے اقتدار کے زمانے سے اس وقت تک جتنے خلیفے گزرے تھے، مقتفی ان سب سے زیادہ عقلمند خلیفہ تھا۔ اسے اس بات کا بڑا خیال تھا کہ کسی طرح عباسی خلافت اپنی کھوئی ہوئی طاقت حاصل کرلے، لیکن اس آرزو کا پورا ہونا محال تھا۔ ہر طرف چھوٹی چھوٹی سلطنتیں پھیلی ہوئی تھیں۔ جو آپس میں لڑتی جھگڑتی رہتی تھیں۔ پھر یورپ کے عیسائی فلسطین کے علاقہ پر جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے، قبضہ کرنے کی غرض سے حملے کر رہے تھے۔ ملکوں ملکوں کے عیسائی مسلمانوں سے لڑنے کو ثواب کا کام سمجھ کر سفر کی مصیبتیں اٹھاتے بڑھے چلے آتے تھے۔ اس پر ایک بڑی مصیبت یہ ہوئی کہ باطنی گروہ کے ہاتھوں کسی کو پناہ پانی مشکل تھی۔ جو شخص ان کی مخالفت کرتا تھا، وہ اسے کسی نہ کسی طریقہ سے موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ خلیفہ مسترشد انہیں کے ہاتھ سے مارا گیا تھا۔ راشد نے حکومت حاصل کرنے کے لئے پھر ہاتھ پاؤں مارنے شروع کئے لیکن وہ بھی باطنیوں کے خنجر کا شکار ہوگیا۔

547ھ میں سلجوقی سلطان مسعود کا انتقال ہوگیا، اور اس خاندان کے ہاتھ سے حکومت بالکل ہی نکل گئی۔ مقتفی کو اپنی طاقت بڑھانے کا موقع ہاتھ آیا۔ سلجوقیوں کی طرف سے جو لوگ بغداد میں مختلف عہدوں پر مقرر تھے، ان سب کو نکال کر ان کی جگہ اپنے آدمی مقرر کئے۔ پھر کچھ فوج جمع کرکے واسط۔ حلہ اور عراق پر قبضہ کرلیا۔ اس

نے چوبیس سال حکومت کر کے 555ھ میں وفات پائی۔

سلجوقیوں کے کارناموں پر ایک نظر:

سلجوقیوں کا چمن اقبال کوئی سو سال تک پر باہر رہا۔اس کے بعد خزاں کا دور دورہ شروع ہو گیا۔قوموں کی زندگی میں سو سال کی مدت کوئی چیز نہیں۔ اکثر حکمران خاندان کئی کئی سو سال تک بر سر اقتدار رہے ہیں لیکن مورخ ان کے کارنامے لکھنے بیٹھتا ہے تو چند صفحوں میں سارے حالات بیان کر جاتا ہے۔اور پڑھنے والے کو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سارے واقعات صرف چند سال کے عرصہ میں گزرے ہوں گے۔اور سلجوقیوں کے حالات بیان کرنا چاہو،تو سو سال کی مدت میں انہوں نے جو کارنامے انجام دیئے ہیں،ان سب کا ذکر کرنے کے لئے پوری کتاب چاہیے۔اصل میں سلجوقیوں کی شوکت کا مقابلہ کوئی دوسرا حکمران خاندان نہیں کر سکتا۔ان کی سلطنت کے پھیلاؤ پر نظر ڈالو تو معلوم ہوتا ہے کہ عباسی خاندان کے زوال کے بعد اتنی لمبی چوڑی سلطنت کسی خاندان کے قبضہ میں نہیں آئی۔اور سلطنت کے بندوبست،حکمرانی کے طور طریقوں اور علمی فتح مندیوں پر غور کرو تو دوسرا ہی عالم نظر آتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے کہ سلجوقی فرمانرواؤں کو اپنے قبیلہ کے لوگوں کا بڑا خیال رہتا تھا۔ اصل میں تمام ترکمان خاندان کا یہی دستور ہے کہ انہیں جو کچھ ہاتھ آتا ہے۔اس پر سارے قبیلہ کا حق سمجھا جاتا ہے۔اس لئے سلجوقیوں نے بھی سلطنت کو سارے قبیلہ کی

ملکیت سمجھا۔ تم پڑھ چکے ہو کہ طغرل بیگ اور چغر بیگ دونوں بھائی سلطنت میں برابر کے شریک تھے۔ ایک نے ملک کا انتظام سنبھال رکھا تھا۔ دوسرا فوج کا سردار تھا۔ یوں سمجھو کہ ایک ہی سلطنت میں دو بادشاہوں کی حکمرانی تھی۔ تاریخ میں بھائیوں کے اتفاق اور محبت کی ایسی مثالیں بہت کم ملتی ہیں۔ پھر تم یہ بھی پڑھ چکے ہو کہ الپ ارسلان اور ملک شاہ نے اپنی زندگی میں ہی کس طرح اپنی سلطنت کے حصے بخرے کر کے اپنے بھائیوں اور بھتیجوں میں بانٹ دیا۔ افسوس ہے کہ یہ خاندانی اتحاد طغرل اور چغر بیگ کے زمانے کے بعد قائم نہ رہا۔ اور سلجوق شہزادے آپس میں لڑنے بھڑنے لگے۔ ملک شاہ کے انتقال کے بعد تو ان باہمی جنگوں نے اور بھی طول کھینچا اور خاندان کی قوت کو بہت نقصان پہنچایا۔

غزنیوں کے عہد حکومت میں سپاہیوں کو نقد تنخواہ دی جاتی تھی۔ لیکن سلجوقیوں نے یہ دستور مٹا دیا۔ اور نامور سپاہیوں اور فوجی افسروں کو تنخواہ کے عوض جاگیریں دی جانے لگیں۔ ان جاگیرداروں کو اپنے علاقہ میں صرف مالیہ وصول کرنے کا حق حاصل تھا۔ لوگوں کے جان و مال پر انہیں کوئی اختیار نہیں تھا۔ سلجوقیوں نے بہت سے وحشی ترکمان قبیلوں کو جو آئے دن لوٹ مار کرتے رہتے تھے، شہروں میں بسانے کی بھی بڑی کوشش کی۔ بہت سے ترکمان نوجوانوں کو دربار میں رکھ کر انہیں درباداری کے ڈھنگ اور طریقے سکھائے، لیکن یہ صحرائی مشکل سے رام ہوتے تھے۔

سلجوقیوں کی حکومت کے زمانے میں فارسی زبان نے بڑی ترقی کی

اور آہستہ آہستہ عربی کی ہمسری کرنے لگی۔ ان کے دربار کی زبان فارسی تھی۔ دربار کا سارا کاروبار اسی زبان میں ہوتا تھا۔ البتہ جب سلجوقی خاندان کے لوگ آپس میں مل بیٹھتے تھے، تو ترکی زبان میں بات چیت کرتے تھے۔ عمر خیام جس کی شاعری یورپ میں بہت مقبول ہوئی ہے، اسی زمانے کا شاعر تھا۔ شاعری کے علاوہ وہ ریاضی اور نجوم پر بھی عبور رکھتا تھا۔ ابو الخیر اور بابا طاہر اس زمانے کے دو اور مشہور بزرگ ہوئے ہیں، جنہوں نے شاعری میں بڑا نام پیدا کیا۔ حکیم ناصر خسرو سلجوقیوں کے عہد کا ایک اور نامور مصنف ہے۔ اس نے شعر بھی کہے ہیں اور نثر میں بھی کتابیں لکھی ہیں۔ اس کا سفرنامہ بہت مفید کتاب ہے۔ اور اس سے اس زمانے کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔

ان کے علاوہ سلطان سنجر کے زمانے میں انوری خاقانی اور نظامی گنجوی مشہور شاعر ہو کر گزرے ہیں، لیکن اس زمانے کے سب سے باکمال بزرگ امام غزالیؒ تھے، جن کے فلسفیانہ خیالات نے مسلمانوں پر بڑا اثر ڈالا ہے۔ انہوں نے عربی اور فارسی دونوں زبانوں میں کتابیں لکھی ہیں۔ اس لئے اسلامی دنیا کا کوئی حصہ ان کے فیض سے بے نصیب نہ رہا۔

سلجوقیوں کے زوال کی سب سے زیادہ وجہ یہ تھی کہ انہوں نے خود ہی اپنے **ملک** کے حصے مختلف سرداروں میں بانٹ دیئے تھے۔ اکثر علاقوں پر سلجوقی خاندان کے شہزادے حکمران تھے۔ بعض علاقے ان شہزادوں کے اتالیقوں کے حوالے کر دیئے

تھے، جو اتا بک کہلاتے تھے۔ ان لوگوں نے جب سلجوقی بادشاہت کی ہوا بگڑی دیکھی، تو خود مختار ہو گئے۔ باطنی فرقہ نے بھی اس خاندان کو بڑا نقصان پہنچایا۔ چونکہ یہ فرقہ اسمعیلی فرقہ کی ایک شاخ تھا، اس لئے ہم اس کا حال اگلے باب میں مصر کی اسمعیلی حکومت کے ساتھ بیان کریں گے۔

چھٹا باب

مصر کی فاطمی خلافت

فاطمی خلافت کا آغاز:

تم پڑھ چکے ہو کہ شیعوں کے پانچویں امام موسیٰ کاظم کے دو فرزند تھے ایک کا نام جعفر دوسرے کا نام اسمعیل۔ امام موسے کاظم کے انتقال کے بعد شیعوں کے دو گروہ ہو گئے۔ ایک نے امام جعفر صادق کو اپنا امام مانا۔ دوسرے نے اسمعیل کو اپنا پیشوا جانا اور ان کے نام پر اسمعیلی کہلایا۔

اسمعیل کا پڑوتا محمد تھا جو لوگوں میں حبیب کے لقب سے مشہور تھا۔ یہ شخص بڑا عقلمند اور ہوشیار تھا۔ اس نے جب عباسی حکومت کی ہوا بگڑی دیکھی تو چپکے چپکے سے حکومت حاصل کرنے کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے لگا۔ حمص کے پرانے شہر کے پاس سلمیہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، حبیب نے اسے اپنا مرکز بنایا۔ اور اپنے آدمی چاروں طرف پھیلا دیئے۔ جو لوگوں کو اسمعیلی مذہب کے عقیدے سکھاتے تھے۔ اسمعیلی مذہب کا پورا حال تو تم آگے چل کر بڑی بڑی کتابوں میں پڑھو گے۔ یہاں ہم اتنا بتائے دیتے

ہیں کہ اسمٰعیلیوں نے مجوسی مذہب کے بہت سے عقیدے اپنے دین میں شامل کر لئے تھے۔ جنہیں سن کر سیدھے سادے مسلمان حیران رہ جاتے تھے۔ قرآن کی تعلیم یہ ہے کہ ہر مسلمان کے لئے خدا اور اس کے رسول پر ایمان لانے کے علاوہ نیک کام کرنا اور برے کاموں سے بچنا بہت ضروری ہے۔ لیکن اسمٰعیلی کہتے تھے کہ ہمارے لئے صرف امام پر ایمان لے آنا کافی ہے۔ یہ اور اس قسم کی اور بھی بہت سی باتیں تھیں، جن کی وجہ سے یہ لوگ عام مسلمانوں سے بالکل الگ تھلگ معلوم ہوتے تھے۔

حبیب کے ساتھیوں میں ایک شخص ابو عبداللہ بڑا اچاتا پرزہ اور بلا کا ذہین آدمی تھا۔ اسے دینی کتابوں پر بڑا عبور تھا، اور اس نے کہا کہ افریقہ کی آب وہوا اسمٰعیلی خیالات کی نشوونما کے لئے بہت مناسب ہے، اس لئے تم وہاں چلے جاؤ۔ چنانچہ جس زمانے میں ادھر قرمطیوں نے جو اسمٰعیلی گروہ کی ایک شاخ تھی، فتور برپا کر رکھا تھا۔ ابو عبداللہ نے افریقہ کا رخ کیا اور بربری قبیلوں میں اسمٰعیلی مذہب کے خیالات پھیلانے لگا۔ چونکہ وہ بڑا پرہیزگار شخص معلوم ہوتا تھا، پھر اس کی باتیں بھی اثر میں ڈوبی ہوئی ہوتی تھیں، اس لئے بہت سے بربری اس کے معتقد ہو گئے خاص طور پر بربریوں کا ایک قبیلہ کتامہ تو اس پر جان چھڑکتا تھا۔ ابو عبداللہ ان لوگوں سے اکثر کہا کرتا تھا کہ اب دنیا کے دکھ ختم ہونے والے ہیں۔ کیونکہ عنقریب امام مہدی ظہور کریں گے۔ غرض اس نے اس طرح کی باتیں سنا کر بہت سے بربری جنگجو جو جان دینے کو کھیل سمجھتے تھے، اپنے گرد جمع کر لئے۔ ان دنوں افریقہ کی حکومت اغلبی خاندان

کے قبضہ میں تھی۔ اغلبی خاندان کا آخری فرمانروا زیادۃ اللہ عیش وعشرت میں ڈوبا ہوا تھا۔ اسے ابوعبداللہ کی سرگرمیوں کی خبریں پہنچیں۔ لیکن محفل عشرت کے قہقہوں میں کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی، اس لئے کوئی پروانہ کی۔ آخر جب ابوعبداللہ اپنا جال اچھی طرح پھیلا چکا، اور اس کی فتح مند فوج یلغار کرتی حکومت کے صدر مقام کی طرف بڑھی، تو زیادۃ اللہ خواب غفلت سے چونکا۔ لیکن اب وقت ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ پھر بھی جی داری کر کے مقابلہ کیا اور شکست کھا کر طرابلس کی طرف بھاگا۔ وہاں بھی پاؤں نہ جمے تو عراق کا رخ کیا، اور شہر شہر کی خاک چھاننے لگے غرض 269ھ میں اغلبی خاندان کی حکومت مٹ گئی اور اسمعیلیوں نے اس کے کھنڈروں پر اپنی سلطنت کی دیواریں اٹھائیں۔

اس زمانہ میں حبیب کا انتقال ہو چکا تھا۔ لیکن وہ مرتے وقت اپنے بڑے بیٹے عبیداللہ کو بلا کر وصیت کر گیا تھا کہ تم میر جانشین اور مہدی ہو۔ ادھر جب ابوعبداللہ قبیلہ کتامہ کے دل مٹھی میں کر چکا تو اس نے اپنے آقازادہ کو لکھا کہ آپ تشریف لائیے۔ اور تخت وتاج سنبھالئے۔ عبیدللہ مہدی یہ خط پہنچتے ہی اپنے بھائی ابوالقاسم اور چند جان نثاروں کو ساتھ لے کر چل پڑا۔ ابوعبداللہ کا بھائی ابوالعباس بھی اس سفر میں اس کے ساتھ تھا۔ ان سب نے تاجروں کا بھیس بدل رکھا تھا کیونکہ راستہ میں جگہ جگہ دشمن گھات میں لگے تھے۔ اگرچہ ابوعبداللہ نے عبیداللہ مہدی کو بلوانے میں بڑی احتیاط اور رازداری سے کام لیا تھا، پھر بھی بات نکل گئی۔ خلیفہ مکتفی نے اپنے ماتحت حاکموں

کے نام حکم نامے جاری کر دیئے کہ اس حلیہ کا ایک نوجوان جس کا نام عبید اللہ ہے اور جو اپنے آپ کو مہدی کہتا ہے افریقہ جا رہا ہے خبردار وہ نکل کر جانے نہ پائے لیکن یہ بے وطن جوں توں کر کے بچ نکلے اور مصیبتیں اٹھاتے اور دکھ جھیلتے افریقہ کے ساحل پر جا پہنچے۔ طرابلس پہنچ کر ابو العباس اپنے ساتھیوں سے کٹ کر قیروان کی طرف بڑھا۔ لیکن پکڑا گیا۔ اور قیروان کے حاکم نے اسے قید کر لیا۔ البتہ عبید اللہ اور اس کا بیٹا سرکاری جاسوسوں سے بچتے کوہ اطلس کے دامن میں جا پہنچے۔ یہاں ایک بربری سردار حکومت کرتا تھا۔ وہ پہلے تو ان مسافروں سے بہت اچھی طرح پیش آیا، لیکن جب اس کے پاس قیروان کے خط پہنچے کہ یہ اشتہاری مجرم ہیں، انہیں بچ کر جانے دیا تو تمہاری خیر نہیں، تو اس نے انہیں قید کر دیا۔ ادھر ابو عبد اللہ کو خبریں پہنچیں تو بڑی فوج لے کر چلا پہلے قیروان پہنچ کر اپنے بھائی کو چھڑایا۔ پھر بربری سردار کو شکست دے کر عبید اللہ مہدی اور اس کے بیٹے کو رہائی دلائی۔ ابو عبد اللہ ان دونوں باپ بیٹوں کے ساتھ بڑی عزت و احترام سے پیش آیا۔ ان کے ہاتھوں کو چوما راستہ میں انہیں جو تکلیفیں ہوئی تھیں، ان پر افسوس ظاہر کیا۔ سارے لشکر میں منادی کرا دی کہ ملک و مال کا مالک جس کا ہمیں انتظار تھا، آ پہنچا پھر عبید اللہ اور اس کے بیٹے کو گھوڑے پر سوار کیا، خود پا پیادہ رکاب تھامے ساتھ تھا۔ پیچھے پیچھے قبیلہ کتامہ کے سردار ابو عبد اللہ اونچی آواز سے کہتا جاتا تھا، لوگو یہ ہے میرا اور تمہارا آقا۔

عبید اللہ مہدی:

عبید اللہ مہدی نے 296ھ میں مسند حکومت پر قدم رکھا اور عباسی خلافت کے مقابلہ میں بڑے ٹھاٹھ سے فاطمی خلافت کا دربار آراستہ کیا۔ مختلف شہروں کی حکومت اپنے بھروسہ کے آدمیوں کے حوالہ کی۔ سسلی کا جزیرہ افریقہ کی اسلامی حکومت کے ماتحت سمجھا جاتا تھا، وہاں بھی اپنی طرف سے ایک حاکم مقرر کیا۔ غرض اس نے سلطنت کا کام اس طرح سنبھالا کہ ابو عبداللہ اور اس کا بھائی ابوالعباس جو اسے ناتجربہ کار نوجوان سمجھے ہوئے تھے، حیران رہ گئے ابو عبداللہ کو تو خیر حکومت کرنے کا ایسا شوق نہیں تھا، لیکن اس کے بھائی ابو العباس کے دماغ میں اور ہی خیالات سمائے ہوئے تھے وہ سمجھتا تھا کہ عبید اللہ سلطنت کا کاروبار ہم دونوں بھائیوں کے حوالے کر کے خود محل سرا میں جابیٹھے گا اور ہم جو چاہیں گے کریں گے جب دیکھا کہ نوجوان خلیفہ خود ایک ایک بات پر نظر رکھتا ہے اور ہمارے مشورہ کے بغیر سلطنت کے سارے کام سر انجام پا رہے ہیں تو اسے تخت سے اتار کر حکومت پر قبضہ کرنے کے منصوبے باندھنے لگا۔ اور قبیلہ کتامہ کے چند سرداروں کو اپنے ساتھ ملا لیا۔ ابو عبداللہ اب تک مہدی کا وفادار رہا تھا، لیکن بھائی آخر بھائی تھا، اس کے سکھانے پڑھانے سے وہ بھی اس سازش میں شریک ہو گیا۔

مہدی نے پہلے ان دونوں بھائیوں سے بڑی نرمی کا برتاؤ کیا لیکن وہ ہوا کے

گھوڑوں پر سوار تھے۔ اور یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہم نے جس طرح اسے سلطنت دلائی ہے، اسی طرح چھین بھی سکتے ہیں۔ انہیں یہ خیال نہ آیا کہ ہم نے لوگوں کے سامنے مہدی کی تعریفیں کر کے اسے اتنا بڑھایا اور اونچے رتبے پر پہنچایا ہے کہ اب اسے گرانا ہمارے بس کی بات نہیں۔ خود بار بار لوگوں سے کہہ چکے ہیں کہ عبید اللہ خدا کا نائب اور اس زمانے کا امام ہے اس کی اطاعت ہر شخص پر فرض ہے اب اس کی مخالفت کریں گے، تو خود جھوٹے ٹھہریں گے۔ آخر جب کوئی تدبیر نہ چلی تو مہدی کے قتل کی سازش کی لیکن یہ بھید کھل گیا ان کی اس حرکت نے مہدی کے دل کو بھی سخت کر دیا تھا چنانچہ ابو عبداللہ، ابو العباس اور دوسرے تمام سازشی تلوار کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور مہدی بے کھٹکے حکومت کرنے لگا۔

اگرچہ عبید اللہ مہدی بڑا عادل اور منصف مزاج حاکم تھا اور ملک کے امن و امان کا بہت خیال رکھتا تھا، پھر بھی بربری سپاہی جو بڑے اکھڑ اور سرکش تھے، کبھی کبھی بے قابو ہو کر ایسی ایسی حرکتیں کر بیٹھتے تھے، کہ لوگ بے اختیار بھڑک اٹھتے تھے۔ مہدی کو یہ باتیں دیکھ کر خیال پیدا ہوا کہ کیا عجب ہے کبھی سارے ملک میں بغاوت پھیل جائے اس لئے اپنے بچاؤ کی کوئی تدبیر ضرور کرنا چاہیے۔ ایسی باتیں سوچ کر اس نے ایک شہر بسانے کا ارادہ کیا، تا کہ خطرہ کی صورت میں وہاں پناہ لی جا سکے۔ چنانچہ تونس سے آگے بڑھ کر سمندر کے کنارے ایک جگہ پسند کی، اور وہاں مہدیہ کے نام سے ایک شہر بسایا۔ مہدیہ کے گرد اگرد ایک مضبوط شہر پناہ تھی، جس میں لوہے کے پھاٹک لگے

ہوئے تھے شہر میں جابجا سنگ مرمر کے محل حوض، تہ خانے، اور تہ خانوں میں سامان جنگ اور کھانے پینے کی چیزیں یہ شہر پانچ سال میں تعمیر ہوا۔عبید اللہ نے 24 سال حکومت کر کے 322ھ میں انتقال کیا اور اس کا بڑا بیٹا قائم بامر اللہ کے لقب سے تخت پر بیٹھا۔

قائم:

قائم نے اپنی حکومت کے زمانے میں افریقہ کے تقریباً سارے ساحلی علاقوں کو فتح کرلیا۔پھر جنگی جہازوں کا ایک بیڑا بنا کے یورپ کی طرف توجہ کی۔اس زمانے میں اطالیہ کے سمندری ڈاکو، مسلمانوں کی اکثر بندرگاہوں پر چھاپے مار رہے تھے۔قائم نے ان زبردستیوں کا انتقام لینے کے لئے جنوبی اطالیہ پر حملہ کر دیا۔اور اس کے جنگی جہازوں نے جنوآ پہنچ کر اسلامی پرچم لہرایا۔یہ مقام دیر تک مسلمانوں کے قبضہ میں رہا۔بلکہ اطالیہ کے مشہور علاقہ مبارڈی کا ایک حصہ بھی ان کے ہاتھ آ گیا۔اگر مسلمانوں میں خانہ جنگی نہ چھڑ جاتی، تو قائم سارے اطالیہ کو فتح کر ڈالتا۔لیکن انہیں دنوں خبر آئی کہ افریقہ میں خارجیوں نے بڑا فساد مچا رکھا ہے۔مجبور ہو کر اطالیہ کی فتح کو ادھورا چھوڑ کر افریقہ کا رخ کیا۔لیکن خارجیوں نے جن کا سردار اور با تدبیر شخص تھا، ایسا زور باندھا کہ قائم پر چڑھ آیا، اور شہر پر شہر فتح کرتا چلا گیا۔قائم نے مجبور ہو کر مہدیہ میں پناہ لی۔یہاں غلہ کافی موجود تھا، پانی کی بھی فراوانی تھی، جو جان نثار ابھی تک

فاطمیوں کی وفاداری کا دم بھر رہے تھے، وہ سب بھی سمٹ کر یہیں آ گئے۔ اور قائم اطمینان سے ابو یزید کی فوجوں کا مقابلہ کرنے لگا۔ ابھی خارجیوں سے لڑائیاں ہو ہی رہی تھیں کہ قائم نے تیرہ سال کی حکومت کے بعد انتقال کیا اور اس کا بیٹا منصور بامر اللہ تخت پر بیٹھا۔

منصور:

منصور نے تخت پر بیٹھتے ہی ابو یزید کے مقابلہ پر فوجیں بڑھانی شروع کر دیں۔ اور خارجیوں کو کئی معرکوں میں شکست دے کر کھوئے ہوئے علاقے پر پھر قبضہ کر لیا۔ ابو یزید ہزیمت اٹھا کر دشوار گزار پہاڑوں میں جا چھپا۔ لیکن منصور نے وہاں بھی اسے چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اور فوج لے کر پہاڑ کی گھاٹیوں کو گھیر لیا۔ دروں پر جگہ جگہ اپنے آدمی مقرر کر دیئے تاکہ باغی بچ کر نہ نکل سکیں۔ ابو یزید نے دیر تک بڑی ہمت اور مردانگی سے مقابلہ کیا، لیکن ایک تو رسد کا توڑ، دوسرے جو رفیق سالہا سال سے ان معرکوں میں جانیں لڑا رہے تھے، وہ سب ایک ایک کر کے مارے جا چکے تھے۔ آخر جی نے کہا کہ یہاں سے کسی نہ کسی طرح نکلنا چاہیے۔ یا تو دشمن کی صفوں کو توڑ کر نکل گئے، ورنہ شجاعت کے جوہر دکھا کر مارے گئے۔ یہ سوچ کر بچے کھچے ہمراہیوں کو سمیٹا اور انہیں لے کر دشمن کی صفیں الٹتا ہوا بڑھا۔ لیکن قائم کی فوج کا کوئی حد و حساب نہیں تھا۔ ابو یزید کے اکثر ہمراہی، لشکر کے اس سمندر میں ایسے ڈوبے کہ پھر نہ ابھرے، وہ

خود پکڑا گیا اور منصور کے حکم سے قتل ہوا۔اس واقعہ کے بعد سارا ملک پھر فاطمیوں کے قبضہ میں آ گیا اور سسلی کے حاکم نے بھی خط لکھ کر اطاعت قبول کی۔ منصور نے سات سال حکومت کرنے کے بعد انتقال کیا۔اور اس کا بیٹا معز الدین اللہ اس کا جانشین مقرر رہوا۔

معز:

فاطمیوں میں معز سب سے زیادہ عالم، فاضل اور باتدبیر خلیفہ گزرا ہے۔اسے علوم وفنون کی سرپرستی کا بڑا شوق تھا۔شعروشاعری کا بھی ذوق رکھتا تھا۔اس کے زمانے میں شمالی افریقہ نے ہر حیثیت سے بڑی ترقی کی۔اکثر چھوٹی چھوٹی شورشیں بھی ہوئیں۔لیکن معز نے بڑی آسانی سے انہیں فروکر کے ملک میں امن قائم کر دیا۔ امن اور خوشحالی کے زمانہ میں ملکوں کے عالم کھنچ کر مہدیہ پہنچے اور علم کا چرچا عام ہوا۔ معز نے ملک کے انتظام میں بھی بڑی بڑی اصلاحیں کیں۔ہر صوبے کوئی ضلعوں میں تقسیم کیا۔ ہر ضلعے میں حاکم مقرر کئے جو صوبہ کے والی کے ماتحت سمجھے جاتے تھے۔ ایک جنگی بیڑا بھی بنایا گیا۔جس کی وجہ سے افریقہ کا ساحلی علاقہ بالکل محفوظ ہو گیا۔ اس زمانے میں افریقہ کے فاطمیوں اور ہسپانیہ کے اموی فرمانرواؤں میں اکثر لڑائیاں ہوتی رہتی تھیں۔کبھی یہ ان پر چڑھ جاتے،کبھی وہ ان کے ملک میں بڑھ آتے۔ان آپس کی لڑائیوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچایا اور عیسائیوں کے حوصلے

بڑھ گئے۔ اس وقت افریقہ اور ہسپانیہ کی یہ اسلامی سلطنتیں جو ایک دوسرے کے پاس پاس تھیں، اتنی طاقت پکڑ چکی تھیں کہ اگر دونوں مل کر یورپ کی طرف توجہ کرتیں، تو اسے ایک سرے سے دوسرے سرے تک فتح کر ڈالتیں۔ لیکن آپس کی دشمنوں کا برا ہو، جن کی وجہ سے فاطمی اور اموی کبھی یک دل نہ ہو سکے۔ ان لڑائیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ کریٹ کا جزیرہ جس پر مسلمانوں کا چھوٹا سا گروہ قبضہ کئے بیٹھا تھا، یہ لوگ اصل میں ہسپانیہ کے رہنے والے تھے، لیکن وہاں سے کسی بات پر انہیں نکال دیا گیا۔ اور انہوں نے کریٹ پہنچ کر اپنی سلطنت قائم کر لی۔ عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان کئی معرکے ہوئے۔ جن میں اکثر مسلمانوں کو ہی فتح ہوتی تھی۔ لیکن ایک دفعہ عیسائی سات سو جنگی جہاز اور بہت سا سامان جنگ لے کر چڑھ آئے اور سارے مسلمانوں کو عورتوں بچوں سمیت قتل کر کے کریٹ پر قبضہ کر لیا۔

سسلی کو مسلمان مامون الرشید کے زمانے میں فتح کر چکے تھے۔ لیکن ابھی تک عیسائی اس جزیرہ کے چھوٹے سے حصہ میں اڑے بیٹھے تھے۔ چونکہ انہیں روم سے برابر کمک پہنچتی رہتی تھی، اس لئے انہیں جب موقع ملتا تھا، اپنے مضبوط قلعوں سے نکل کر مسلمانوں پر آ پڑتے تھے۔ معز کے زمانے میں یہ کانٹا نکلا یعنی عیسائیوں کی یہ ریاست بالکل مٹ گئی۔ اور سارے جزیرہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ سسلی کے عروج و اقبال کا عہد اسی زمانے سے شروع ہوتا ہے۔ جزیرہ بھر میں جگہ جگہ مسجدیں بنائی گئیں، مکتب کھلے اور علمی چرچوں کے ساتھ ساتھ ملک کی خوشحالی بھی ترقی کرنے لگی۔

مصر کی فتح:

لیکن معز کے زمانے کا اہم واقعہ مصر کی فتح ہے۔ مصر کے حاکم کافور اخشیدی کی وفات کے بعد وہاں کی حالت خراب ہوگئی تھی۔ ایک تو کئی سردار اس ملک کی حکومت حاصل کرنے کے لئے آپس میں لڑ بھڑ رہے تھے۔ دوسرے قحط کی وجہ سے لوگ بہت پریشان تھے۔ آخر مصریوں نے معز کو لکھا کہ آیئے اور یہاں کی حکومت پر قبضہ کیجئے اس نے اپنے غلام جوہر کو ایک لاکھ فوج دے کر بھیجا۔ لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ جوہر نے پہلے تو پورے مصر پر قبضہ کیا، پھر بغداد کے ڈھنگ پر ایک شہر کی داغ بیل ڈالی جس کا نام قاہرہ رکھا گیا۔ شہر کے گرد چوڑی فصیل کھینچی گئی۔ درمیان میں خلیفہ کے لئے دو محل تعمیر ہوئے۔ جامع ازہر کے نام سے ایک یونیورسٹی بنائی گئی۔ جو آج تک موجود ہے۔ جب ملک کا سارا بندوبست ہو چکا تو معز کو لکھا کہ آپ یہیں تشریف لے آیئے۔ چنانچہ معز بڑی شان وشوکت سے روانہ ہوا۔ اور مصر کے سارے علاقے کا دورہ کر کے قاہرہ پہنچا۔ یہاں عظیم الشان دربار لگا اور قاہرہ فاطمی حکومت کا پایہ تخت قرار پایا۔

تمہیں معلوم ہے کہ قرمطی فرقہ اصل میں اسمٰعیلی گروہ کی ہی ایک شاخ تھا۔ ابتدا میں سارے قرمطی فاطمی خلیفہ کی اطاعت کا دم بھرتے تھے۔ لیکن مصر پر معز کا قبضہ ہو جانے کے بعد ان کی نیتوں میں فتور آ گیا اور ان کے سردار سوچنے لگے کہ کسی طرح

فاطمی خلیفہ کو مصر سے نکال کر اس ملک پر قبضہ کر لینا چاہیے معز نے پہلے انہیں سمجھایا بجھایا جب وہ کسی طرح نہ مانے تو ایک عرب سردار کو جوان کی مدد کو آیا تھا، روپیہ دے کر توڑ لیا۔قرمطیوں کی ہمتیں پست ہو گئیں اور معز نے انہیں آسانی سے شکست دے کر بھگا دیا۔

معز نے 45 سال سلطنت کر کے 365ھ میں انتقال کیا۔فاطمیوں میں اسے وہ ہی حیثیت حاصل ہے۔جو عباسیوں میں مامون الرشید کو شمالی افریقہ اور مصر کے علاوہ حجاز اور شام میں بھی اس کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا تھا۔

عزیز:

معز کے بعد اس کا بیٹا عزیز بدین اللہ تخت و تاج کا وارث ہوا۔اس کا زمانہ فاطمہ حکومت کے انتہائی عروج کا زمانہ ہے۔معز کے زمانے میں شام ایک مرتبہ قبضہ میں آ کر نکل گیا تھا، لیکن عزیز کے عہد حکومت میں شام، موصل، حلب، حجاز اور یمن میں اس کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا۔اور عراق کا ایک حصہ بھی قبضہ میں آیا۔گویا اس وقت فاطمی خلافت بحر اطلانتک سے دریائے فرات تک پھیلی ہوئی تھی۔عزیز اس زمانے میں فوج کے انتظام میں بھی بہت سی تبدیلیاں ہوئیں۔اس سے پہلے فاطمیوں کی فوج میں بربری ہی بربری نظر آتے تھے۔اور ان میں سے بھی قبیلہ کتامہ کے لوگوں کی تعداد سب سے زیادہ تھی، لیکن عزیز نے بہت سے ترکوں اور دیلمیوں کو بھی فوج میں بھرتی

کیا۔اس نے اکیس سال سلطنت کر کے 386ھ میں انتقال کیا۔

حاکم بامر اللہ:

عزیز کے بعد اس کا بیٹا حاکم بامر اللہ کے لقب سے تخت نشین ہوا۔اس خلیفہ کے حالات پر غور کرو تو حیرت ہوتی ہے۔آج ایک حکم دیتا تھا کل اسے منسوخ کر کے دوسرا حکم جاری کر دیتا تھا۔پہلے خود ہی بہت سے مدرسے قائم کیے،پھر خدا جانے جی میں کیا آئی کہ سارے مدرسے بند کروا دیئے اور جو لوگ تعلیم دینے پر مقرر تھے،انہیں قتل کروا ڈالا۔

ایک مرتبہ حکم دیا کہ قاہرہ میں جتنے کتے ہیں سب کو ہلاک کر ڈالا جائے۔پھر فرمان جاری کیا کہ شہر میں کوئی گدھا نہ آنے پائے۔کچھ دنوں کے بعد منادی کرا دی کہ دکانیں دن کی بجائے رات کو کھلا کریں۔خود راتوں کو نکل کر دیکھتا پھرتا تھا کہ لوگوں نے اس کے حکم کی خلاف ورزی تو نہیں کی اور جو شخص اس کے حکم کی تعمیل نہ کرتا،اسے فوراً قتل کرا دیتا تھا۔ایک دفعہ دن کو شہر کی حالت دیکھنے نکلا دیکھا کہ ایک بڈھا اپنی دکان پر بیٹھا ہے۔اسے پکڑوا منگوایا اور پوچھا کہ تم نے میرے حکم کی خلاف ورزی کیوں کی۔اس نے کہا کہ حضور جس زمانے میں دکانیں دن کو کھلتی تھیں،لوگ کبھی کبھی ضرورت کے وقت راتوں کو بھی دکانیں کھول لیا کرتے تھے۔اب رات کو کھلتی ہیں، اس لئے میں نے گھڑی دو گھڑی کے لئے دن کو دکان کھول لی،تو کیا ہوا۔یہ سن کر

مسکرایا اور بڈھے کو معاف کر دیا۔

اکثر لوگ حاکم کے یہ عجیب وغریب حکم سن کر سر بازار ان پر ہنستے تھے۔ حاکم کو یہ خبریں ملیں تو حکم دیا کہ شہر میں آگ لگا دی جائے۔ حکم کی دیر تھی شہر دھڑا دھڑ جلنے لگا۔ لوگوں نے مسجدوں میں پناہ لی، اور خدا سے دعائیں مانگنے لگے۔ آخر تیسرے دن یہ بلا دور ہوئی، لیکن اس ہنگامہ میں لاکھوں روپے کا نقصان ہو گیا۔ اصل میں حاکم کی عقل میں فتور تھا۔ لیکن اس زمانے کی حکومت کا ڈھنگ ہی ایسا تھا کہ کوئی دم نہیں مار سکتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی یہ حالت ہوئی کہ بے گناہ لوگوں کو قتل کروا ڈالا۔ حاکم نے ایک نیا مذہب بھی نکالا تھا جس میں کچھ اسلام کے اصول تھے۔ کچھ آتش پرستوں کے عقیدے وہ کہا کرتا تھا کہ خدا مجھ سے باتیں کرتا ہے۔ جبل مقطم قاہرہ کے پاس ایک پہاڑ ہے، ہر روز وہاں جا کر مناجات کیا کرتا تھا۔ کچھ عرصہ کے بعد اس نے ایک قدم اور بڑھایا اور کہنے لگا کہ میں خدا ہوں۔ جب جمعہ کے خطبہ میں میرا نام لیا جائے تو سب لوگ سجدہ میں گر پڑیں۔

411ھ میں حاکم جبل مقطم پر مناجات کرنے گیا اور پھر نہ لوٹا۔ امیروں وزیروں نے اسے بہتیرا تلاش کیا لیکن کوئی سراغ نہ ملا۔ اس کے یوں غائب ہو جانے کے متعلق طرح طرح کی افواہیں پھیلیں مگر اصل بات یہ ہے کہ کچھ لوگوں نے جو اس کی حرکتوں سے تنگ تھے، جبل مقطم پر پہنچ کر اسے قتل کر ڈالا۔ اور اس کی لاش کہیں غائب کر دی۔ شام کے ملک میں آج تک حاکم کے ماننے والے موجود ہیں۔ ان کا عقیدہ

ہے کہ وہ ابھی تک زندہ ہے اور کبھی نہ کبھی ظاہر ہو کر پھر دنیا میں اپنی حکومت قائم کرے گا۔

حاکم ان بے اعتدالیوں کے ساتھ علم کا شوق بھی رکھتا تھا اپنے محل کے سامنے ایک عمارت بنوائی اس کا نام دار الحکمت رکھا۔ یہاں ہر قسم کی کتابیں موجود تھیں اور لوگوں کو اجازت تھی کہ آ کر جو کتاب چاہیں پڑھیں۔ لوگوں کو کتابیں نقل کرنے کی بھی اجازت تھی۔ اس عمارت کے ایک حصہ میں عالم بحثیں کیا کرتے تھے۔ حاکم خود ان بحثوں میں شریک ہوتا۔ اور جن عالموں کی تقریریں پسند آتی تھیں، انہیں خلعت اور انعام دیتا تھا۔

حاکم کے جانشین:

حاکم کی موت کے وقت اس کا بیٹا کمسن تھا، اس لئے حاکم کی بہن ست الملوک نے جو بڑی قابل اور عقلمند خاتون تھی، اپنے بھائی کے گم ہو جانے کی خبر کچھ دیر چھپائے رکھی۔ پھر ایک دن دربار کے پردے کے پیچھے خود بیٹھی اور بھانجے کو شاہی لباس پہنا کر تخت پر بٹھایا۔ روپے میں عجب اثر ہے۔ ست الملوک نے دربار سے پہلے ہی سارے امیروں وزیروں کو اشرفیوں کے توڑے بھجوا دیئے تھے اور سب کے دل نرم ہو چکے تھے۔ اس لئے جب دربار میں حاکم کی موت کا اعلان کیا گیا تو جن سرکشوں سے شورش کا خطرہ تھا، وہ سب بھی چپکے سے سنتے رہے۔ پھر بڑھ کے حاکم کے بیٹے ظاہر لا

عزاز دین اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ کچھ عرصہ تو ست الملوک نے سلطنت کا کاروبار چلایا۔ اس کی وفات پر وزیروں نے ملک کا نظم ونسق سنبھالا۔ ظاہر ان لوگوں کے ہاتھوں میں کٹ پتلی بنا ہوا تھا۔ اسے عیش وعشرت کی محفلوں سے اتنی فرصت نہیں ملتی تھی کہ خود حکومت کا نظام کرتا۔ امیر وزیر جو کچھ کہتے تھے، اسی پر آنکھیں بند کر کے یقین کرلیتا تھا۔ اس کے زمانے میں شام کا ایک حصہ فاطمیوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔

ظاہر نے پندرہ سال حکومت کر کے انتقال کیا۔ اور اس کا بیٹا مستنصر باللہ تخت پر بیٹھا۔ تخت نشینی کے وقت اس کی عمر سات سال تھی۔ سلطنت امیروں کے ہاتھ میں تھی۔ جو ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ اس کے عہد میں بڑے ہنگامے ہوئے افریقہ کی حکومت فاطمیوں کے قبضہ سے نکل گئی۔ پھر سلجوقیوں نے ایسا زور باندھا کہ ایشیا کے جن جن علاقوں میں فاطمیوں کا خطبہ پڑھا جاتا تھا، وہاں خطبوں میں عباسی خلیفہ کا نام لیا جانے لگا۔ ایک اور مصیبت یہ نازل ہوئی کہ فاطمی فوج میں پھوٹ پڑ گئی ہم بیان کر چکے ہیں کہ فاطمیوں کی فوج میں پہلے زیادہ بربری سپاہی ہوا کرتے تھے۔ پھر ترک، ویلمی اور حبشی آ آ کر بھرتی ہونے لگے۔ وہ سب آپس میں ہمیشہ لڑتے بھڑتے رہتے تھے۔ ان لڑائیوں نے ملک کی خوشحالی کو بڑا نقصان پہنچایا۔ اور لوگوں کے دلوں سے خلیفہ کا رعب بھی بالکل اٹھ گیا۔ آخر ایک سردار بدر جمالی نے ملک کو سنبھالا اور بڑی ہمت سے یہ شورشیں مٹائیں۔ مستنصر نے ساٹھ سال حکومت کر کے 466ھ میں انتقال کیا۔ بدر جمالی کا انتقال اس سے نو مہینے پہلے ہو چکا

تھا۔مسلمانوں میں کسی حکمران نے اتنی دیر تک حکومت نہیں کی۔مستنصر کے دو بیٹے تھے نزار اور مستعلی نزار بڑا تھا اور مستنصر اسی کو اپنا جانشین مقرر کر گیا تھا۔لیکن بعض امیروں نے چھوٹے بیٹے مستعلی کا ساتھ دیا۔نزار نے سلطنت حاصل کرنے کے لئے بڑے ہاتھ پاؤں مارے۔اور خوب مردانگی کے جوہر دکھائے،لیکن آخر شکست کھا کر گرفتار ہوا۔یہ تو معلوم نہیں کہ اس کا کیا حشر ہوا،البتہ اسمعیلیوں کا ایک گروہ ابھی تک نزار کو اپنا امام مانتا ہے۔اس گروہ کے پیشوا آغا خان نزار کے جانشین ہیں اور ہندوستان میں رہتے ہیں۔اور ان کے پیرو آغا خانی اسمعیلی کہلاتے ہیں۔

صلیبی جنگیں:

فاطمیوں کی شان وشوکت تو عزیز کے ساتھ ہی مٹ گئی تھی۔مستعلی کے زمانے میں یورپ کے عیسائیوں نے فلسطین اور شام پر حملے کرنے شروع کئے اور فاطمیوں کے اقبال کا چراغ اسی آندھی میں گل ہو گیا۔ان حملوں کا سلسلہ کوئی تین سو سال تک جاری رہا۔ان کی وجہ سے اسلامی ملکوں پر بڑی تباہی آئی۔اور لاکھوں جانیں ضائع ہو گئیں فلسطین کا علاقہ حضرت عمرؓ کے زمانے سے مسلمانوں کے قبضہ میں چلا آتا تھا۔ وہاں کے عیسائیوں سے مسلمانوں کا سلوک بہت اچھا تھا۔انہیں اپنی مذہبی رسمیں ادا کرنے،زمین بیچنے،خریدنے،دوسرے ملکوں کے عیسائیوں سے ملنے جلنے کی پوری آزادی تھی۔جو عیسائی دوسرے ملکوں سے مقدس مقامات کی زیارت کرنے فلسطین

آتے تھے، ان سے اچھا برتاؤ کیا جاتا تھا۔ جب فلسطین اور شام فاطمیوں کے قبضہ میں آئے تو انہوں نے پہلے فرمانرواؤں سے بڑھ چڑھ کر عیسائیوں کی دلجوئی کی۔ پھر بھی عیسائیوں کے دلوں میں یہ پھانس برابر کھٹک رہی تھی کہ بیت المقدس پر جہاں حضرت مسیح مدت تک لوگوں کو ہدایت کرتے رہے۔ اسلامی پرچم لہرا رہا ہے۔

کچھ عرصہ کے بعد ترکمانوں نے جو سلجوقی خاندان کے ماتحت تھے، فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ ایک تو ترکمان بڑے اکھڑ تھے، دوسرے ان دنوں بیت المقدس کی زیارت کے لئے کثرت سے عیسائی آ رہے تھے۔ اتفاق سے عیسائیوں کے کچھ قافلے راستہ میں لٹ گئے۔ ترکمانوں کے ہاتھوں بھی بعض عیسائیوں پر سختیاں ہوئیں۔ انہیں دنوں ایک راہب جس کا نام پطرس تھا، بیت المقدس آیا۔ یہاں کا رنگ ڈھنگ دیکھ کر وہ سیدھا یورپ پہنچا۔ وہیں اس نے عیسائیوں کو مسلمانوں کے خلاف خوب بھڑکایا۔ مسلمانوں کے ظلم کے جھوٹے قصے سنائے، شام اور فلسطین کی سرسبزی اور شادابی کا ذکر کیا۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ فلسطین کو مسلمانوں کے قبضہ سے چھڑانا بڑا ثواب کا کام ہے۔ اس کی ان باتوں نے ہر طرف آگ لگا دی اور بہت سے لوگ سر سے کفن باندھ کر فلسطین کی طرف چل پڑے۔ لیکن اس زمانے میں یورپ سے چل کر فلسطین پہنچنا آسان نہیں تھا۔ ان جان بازوں کا جو پہلا دستہ فلسطین کی طرف روانہ ہوا، وہ دکھ بھرتا، مصیبتیں اٹھاتا، بلغاریہ تک پہنچا تھا کہ وہاں کے لوگوں نے جو خود بھی عیسائی تھے اسے قتل کر ڈالا۔ اب پطرس چالیس ہزار عیسائیوں کا لشکر لے کر چلا جس میں ہر مذہب

اور ہر قوم کے عیسائی شامل تھے۔ انہوں نے بلغاریہ اور ہنگری کو خوب لوٹا۔ اور ہزاروں آدمیوں کو قتل کر ڈالا۔ دوسرے شہروں اور قصبوں کو لوٹ کے ایشیائے کوچک کی طرف بڑھے۔ ان کے ظلم و ستم کا یہ حال تھا کہ دودھ پیتے بچے بھی ان کے ہاتھ سے نہیں بچے تھے۔ لیکن سلطان قلیچ ارسلان نے جو ان دنوں ایشیائے کوچک کا فرمانروا تھا، پے در پے حملے کر کے انہیں تہس نہس کر ڈالا اور مسلمانوں نے اس بلا سے نجات پائی۔

کچھ عرصہ کے بعد ایک جرمن راہب نے عیسائیوں کو پھر فلسطین پر حملہ کرنے کے لیے ابھارنا شروع کیا۔ اگرچہ دو مرتبہ کی ناکامی لوگوں کے حوصلے پست کرنے کو کافی تھی۔ پھر بھی بہت سے عیسائی اس کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئے۔ بات یہ تھی کہ جو لوگ فلسطین کو مسلمانوں کے ہاتھ سے چھڑانے کا ارادہ لے کر گھر سے نکلتے تھے، ان کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔ نہ ان کے خلاف عدالت میں کوئی مقدمہ دائر ہو سکتا تھا۔ نہ قرض خواہ ان سے اپنا روپیہ وصول کر سکتے تھے اس لئے جو لوگ قانون کی گرفت سے بچنا چاہتے تھے صلیبی جنگ آزماؤں میں شامل ہو جاتے تھے۔

عیسائیوں کے اس تیسرے لشکر نے سفر کی پہلی منزل میں لوٹ مار شروع کر دی۔ جدھر سے نکل گئے۔ بستیوں کی بستیاں ویران ہو گئیں۔ لیکن ہنگری کے باشندوں نے بڑی ہمت سے ان کا مقابلہ کیا۔ اور اس طرح یک دل ہو کر لڑے کہ صلیبی سورماؤں میں سے ایک بھی زندہ نہ بچا کچھ عرصہ میں ایک اور فوج جمع ہوئی جس میں یورپ کے

مختلف ملکوں کے لوگ شامل تھے انہوں نے بھی راستہ میں ہی لوٹ مار شروع کر دی اور یہودیوں کو چن چن کر قتل کرنے لگے۔ آخر یہ سب بھی ہنگری والوں کے ہاتھوں مارے گئے۔

اس واقعہ کو ایک سال کا عرصہ ہوا تھا کہ ایک عیسائی شہزادہ گاڈفری نے بہت بڑی فوج سمیٹ کر فلسطین کا قصد کیا، اور انطاکیہ پر جا چڑھا نو مہینے محاصرہ رہا۔ رسد کی کمی کے سبب سے عیسائیوں کی حالت خراب ہو گئی تھی۔ اور اگر کچھ دنوں تک یہی حال رہتا، تو وہ محاصرہ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہوتے۔ لیکن انطاکیہ کے ایک ارمنی نے جو عیسائیوں سے ملا ہوا تھا راتوں رات کمندوں کے ذریعہ بہت سے عیسائیوں کو شہر میں پہنچا دیا۔ انہوں نے پہرہ کے سپاہیوں کو مار ہٹایا۔ اور ساری فوج اندر جا گھسی۔ اب تلوار چلنے لگی اور شہر والوں میں سے کوئی دس ہزار آدمی جن میں عورتیں، بچے، بوڑھے سبھی شامل تھے، موت کے گھاٹ اتر گئے۔ شہر میں ہر طرف لاشوں کے ڈھیر لگے تھے۔ گلی کوچوں میں خون ہی خون نظر آتا تھا۔ انطاکیہ کو فتح کر کے ان وحشیوں نے شام کا رخ کیا۔ اور کوئی ایک لاکھ آدمی قتل کر ڈالے۔ مسلمان لڑتے وقت بچوں او ربوڑھوں پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔ لیکن عیسائیوں کا یہ حال تھا کہ جن لوگوں کو ضعیف یا بیمار پاتے، انہیں بے دریغ ذبح کر ڈالتے تھے۔ اور جو تندرست ہوتے تھے انہیں غلام بنا کر فروخت کر دیا جاتا تھا۔ جب رسد تھڑ جاتی تھی تو آدمیوں کو کھانا شروع کر دیتے تھے۔ چنانچہ ان کے لشکر میں انسان کا گوشت کھلم کھلا بکتا تھا۔

شام کو اچھی طرح لوٹ کھسوٹ کر عیسائیوں نے یروشلم پر حملہ کیا اور بڑی آسانی سے اسے بھی فتح کر لیا۔ یہاں مسلمانوں پر جو ظلم ہوئے ان کا حال لفظوں میں نہیں بیان کیا جا سکتا۔ مسجد عمر کے سامنے گھٹنے گھٹنے خون تھا۔ بس یہ معلوم ہوتا تھا کہ لہو کا سیلاب امڈ آیا ہے۔ صرف یروشلم میں ستر ہزار سے زیادہ مسلمان مارے گئے۔ مسلمانوں کے بعد یہودیوں کی باری آئی وہ بھاگ کر اپنی عبادت گاہوں میں جا چھپے۔ لیکن انہیں آگ لگا دی گئی، اور وہ سب کے سب جل مرے جب یہ لوگ جی کھول کر خون بہا چکے تو دربار لگایا گیا۔ اور گاڈفری یروشلم کا بادشاہ مقرر ہوا۔

عیسائیوں کے اس حملہ میں سے مسلمانوں پر بڑی تباہی آئی۔ لیکن کسی مسلمان شاہ وشہریار میں اتنی سکت نہ تھی کہ اس طوفان کو روکتا۔ عباسی تو پہلے ہی کسی شمار و قطار میں نہیں تھے۔ سلجوقیوں اور فاطمیوں کے اقبال کا زمانہ بھی ختم ہو چکا تھا۔ جگہ جگہ چھوٹی موٹی ریاستیں قائم تھیں۔ جنہیں باہمی لڑائی جھگڑوں نے بہت کمزور کر رکھا تھا۔ غرض جس وقت عیسائیوں نے حملہ کیا اسلامی ملکوں کی حالت بہت نازک ہو رہی تھی۔

عیسائیوں کے حملہ کے وقت فلسطین فاطمیوں کے قبضہ میں تھا اس لئے اسے بچانا ان کا فرض تھا۔ لیکن وہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے۔ البتہ جن عیسائیوں نے مصر کا رخ کیا تو فاطمیوں کو ہوش آیا اور لڑ بھڑ کر انہیں ہٹایا۔ اسی زمانہ میں مستعلی کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا آمر باحکام اللہ تخت پر بیٹھا۔ اس کے زمانے میں فاطمی حکومت اپنی رہی سہی قوت بھی کھو بیٹھی۔ عیسائیوں نے شام کے بہت سے شہر چھین لئے ادھر

باغیوں نے زور پکڑا۔ آمر کے بعد فائز، ظافر، حافظ اور عاضد چار خلیفہ یکے بعد دیگرے خلافت کے تخت پر بیٹھے۔ان کے زمانے میں بھی عیسائیوں سے برابر لڑائیاں ہوتی رہیں۔ آخر حلب کے فرمانروا سلطان نورالدین نے عیسائیوں کو ایسی شکستیں دیں کہ ان کے حوصلے پست ہو گئے۔اس کا ایک سردار صلاح الدین ایوبی تھا۔جس نے عیسائیوں کو بار بار نیچا دکھا کے چار کوٹ اپنی ہمت اور دلاوری کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

عاضد فاطمیوں کا آخری خلیفہ تھا۔اس کے زمانے میں سلطان صلاح الدین نے مصر پر قبضہ کر لیا۔اور فاطمی خلافت بالکل مٹ گئی۔اس خاندان میں چودہ خلیفے ہوئے ہیں جنہوں نے 295ھ سے 567ھ تک کوئی پونے تین سو سال حکومت کی۔

فاطمی خلافت کا زمانہ:

فاطمیوں کے پہلے پانچ خلیفہ بڑے رعب اور دبدبہ والے حاکم تھے۔خاص طور پر معز کا زمانہ تو اس خاندان کے پورے عروج کا زمانہ تھا۔حاکم کے زمانے سے شجر اقبال کو گھن لگنا شروع ہوا۔اور مستنصر کے عہد میں تو سلطنت کا سارا کاروبار امیروں وزیروں کے ہاتھ آ گیا۔اور خلیفہ کا رعب لوگوں کے دلوں سے بالکل اٹھ گیا۔اصل میں سپاہیوں کے جھگڑوں نے ان کی قوت کو بہت نقصان پہنچایا۔پہلے فاطمی فوج میں صرف بربری سپاہی ہوتے تھے پھر حبشی ترک اور دیلمی سپاہی بھرتی ہوئے۔ہر قوم کے سپاہیوں کی فوج تھی جو اپنی قوم والے کے سوا کسی کا حکم نہیں مانتی تھی۔یہ فوجیں اکثر

آپس میں لڑتی بھڑتی رہتی تھیں۔ ساتھ ہی امیروں نے ایک دوسرے کے خلاف سازشیں شروع کر دیں ان باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ پہلے سسلی کا جزیرہ ہاتھ سے نکلا پھر افریقہ گیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد عیسائیوں نے شام اور فلسطین بھی چھین لئے۔

فاطمیوں کے انتظام حکومت پر غور کیا جائے ،تو ان میں اور عباسیوں میں کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ وہی دربار کا رنگ ڈھنگ تھا اور وہی سلطنت کے کارخانے، فاطمی حکومت کے انتظام میں ایک خاص بات تھی کہ سپہ سالار جسے امیر الجیوش کہتے تھے، وزیر اعظم بھی سمجھا جاتا تھا۔

فاطمیوں کو اس بات کا بڑا خیال تھا کہ دربار، ٹھاٹھ اور شان وشوکت میں عباسیوں سے پیچھے نہ رہ جائیں۔ اس لئے قاہرہ کا شہر بالکل بغداد کے نمونہ پر تعمیر کیا گیا۔ اس میں عالیشان عمارتیں بنیں۔ سڑکیں اور کوچے نکالے گئے۔ خلیفہ کے رہنے کے لئے دو محل تعمیر ہوئے۔ ان میں ایک شہر کے مشرقی حصہ میں تھا، دوسرا مغربی حصہ میں، ہر محل میں دس پھاٹک تھے جن کی حفاظت کے لئے پانچ سو پیادے اور پانچ سو سوار مقرر تھے۔ ان کے علاوہ بارہ ہزار خدمتگار ہر وقت محل میں موجود رہتے تھے۔ ان دو محلوں کے علاوہ اور بھی کئی محل تھے جو اپنی شان وشوکت اور سامان آرائش کے لحاظ سے ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے۔

فاطمیوں کا زمانہ علمی چرچوں کے لئے بھی بہت مشہور ہے۔ معز الدین اللہ کے زمانہ میں ہی جامع ازہر کے نام سے ایک مدرسہ تعمیر ہوا۔ جس نے آگے چل کر بہت

ترقی کی جامع ازہر آج تک موجود ہے اور دنیا کی سب سے پرانی یونیورسٹی سمجھی جاتی ہے۔ اس وقت اس میں پندرہ بیس ہزار طالب علم تعلیم پاتے ہیں۔ اور پانچ چھ سو استاد ان کی تعلیم کے لئے مقرر ہیں۔ اس جامع کے علاوہ ملک میں جگہ جگہ اور بھی مدرسے قائم تھے بڑے بڑے شہروں میں کتب خانے بھی تھے۔ جن سے ہر شخص فائدہ اٹھا سکتا تھا جب سلطان صلاح الدین نے مصر پر قبضہ کیا تو اسے خلیفہ کے محل سے دو لاکھ کتابیں ہاتھ آئیں۔ کہتے ہیں کہ ان میں بعض کتابیں ابھی تک جرمنی میں موجود ہیں۔

لیکن ان خوبیوں کے ساتھ فاطمیوں میں ایک بڑا عیب یہ تھا کہ جو لوگ مذہبی معاملات میں ان کے ہم خیال نہیں تھے، ان پر بہت سختی کرتے تھے۔ فاطمی اسمٰعیلی شیعہ تھے۔ اس لئے سنیوں سے انہیں سخت دشمنی تھی۔ شیعوں کے دوسرے گروہوں سے بھی ان کا سلوک اچھا نہیں تھا۔

فاطمیوں کی نظریں ہمیشہ ایران اور خراسان پر لگی رہتی تھیں۔ کیونکہ ان ملکوں کے لوگ حضرت علیؓ کے خاندان کے حامی تھے لیکن ایران پر چڑھائی کر کے اسے فتح کر لینا بڑا مشکل تھا اس لئے انہوں نے ایران اور خراسان پر قبضہ کرنے کے لئے ایک اور طریقہ اختیار کیا یعنی ان علاقوں میں اپنے مبلغ بھیجنے شروع کئے۔ وہ چپکے چپکے لوگوں میں اسمٰعیلی فرقہ کے خیالات پھیلاتے۔ اور ان سے کہتے تھے کہ فاطمی خلیفہ کی اطاعت فرض ہے۔ یہ مبلغ داعی کہلاتے تھے۔ ان کا سردار قاہرہ میں رہتا تھا۔ ان

لوگوں کی کوششوں سے خراسان میں باطنی فرقہ پیدا ہوا۔ جو اصل میں اسمعیلی جماعت کی ایک اور شاخ یعنی قرمطی جماعت ہے قرمطی جماعت کا حال بیان کر چکے ہیں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں باطنیوں کے بھی تھوڑے سے حالات بیان کر دیئے جائیں۔

باطنی جماعت:

فاطمیوں نے جو مبلغ ایران اور خراسان میں بھیجے تھے انہیں بڑی کامیابی ہوئی، اور رفتہ رفتہ ان ملکوں میں اسمعیلیوں کی تعداد اتنی ہوگئی کہ وہ سلجوقی حکومت کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر کے مار دھاڑ کرنے لگے۔ اصفہان کے آس پاس کے علاقے میں ان لوگوں نے بڑا زور پکڑا اور ان کے سردار ابن عطاش نے ایک چھوٹی سی سلطنت قائم کر لی۔

انہیں دنوں ایک شخص جس کا نام حسن بن صباح تھا، اسماعیلیوں کے اس گروہ میں شامل ہوگیا۔ حسن بن صباح بڑا عالم فاضل شخص تھا۔ اور کچھ عرصہ تک ملک شاہ سلجوقی کے دربار میں ایک اعلیٰ عہدے پر بھی رہا تھا، لیکن کسی بات پر نظام الملک طوسی سے اس کا بگاڑ ہوگیا۔ اور وہ ابن عطاش سے جا ملا۔ کچھ عرصہ تک ابن عطاش کے پاس رہ کر وہ مصر چلا گیا۔ وہاں خلیفہ مستنصر نے اس کی بڑی خاطر کی۔ حسن مصر کی سیر کر کے مرو پہنچا۔ اور خراسان میں اسمعیلی جماعت کی طاقت بڑھانے کی کوشش کرنے لگا۔

کہتے ہیں کہ حسن بن صباح مصر سے چلا تو راستہ میں اس کے جہاز کو طوفان نے آ گھیرا۔ جہاز کے سارے ملاح، ناخدا اور مسافر بہت گھبرائے۔ اور ہر شخص کو اپنی موت کا یقین ہو گیا لیکن حسن بن صباح نے سب کو دلاسا دیا۔ اور کہا مجھے خدا کی طرف سے خبر دی گئی ہے کہ یہ جہاز صحیح وسالم کنارے جا لگے گا یہ سن کر لوگوں کی ڈھارس بندھی اور وہ جہاز کو طوفان سے بچانے کی تدبیروں میں مصروف ہو گئے حسن نے جو کہا تھا وہ صحیح ثابت ہوا یعنی تھوڑی دیر میں طوفان فرو ہو گیا اور جہاز کنارے جا لگا۔

اصل میں حسن بن صباح نے جہاز والوں سے یہ بات اس لئے کہی تھی کہ اگر جہاز ڈوب گیا تو سب لوگ ہلاک ہو جائیں گے اور کوئی مجھے جھٹلا نہیں سکے گا۔ لیکن اگر جہاز بچ گیا تو ان لوگوں پر میری بزرگی کا سکہ بیٹھ جائے گا اس نے جو سوچا تھا وہی ہوا۔ یعنی کنارے پہنچتے ہی حسن کی کرامت کی دھوم مچ گئی اور لوگ اسے بڑا پہنچا ہوا بزرگ سمجھ کر اس کی بہت عزت کرنے لگے۔ جب اس کے پاس بھروسے کے آدمیوں کا اچھا خاصا جتھا ہو گیا، تو مازندران میں جہاں کسی زمانے میں بابک نے بڑی آفت برپا کی تھی، سلطنت نے داغ بیل ڈالی۔ یہ ملک کوہستانی ہے جگہ جگہ ایسے ایسے پہاڑ نظر آتے ہیں جنہیں دیکھ کر انسان کی عقل گم ہوتی ہے۔ یہاں ایک پہاڑ کی چوٹی پر پرانے وقتوں کا ایک قلعہ تھا جسے الموت یعنی عقاب کا آشیانہ کہتے تھے۔ حسن بن صباح نے سب سے پہلے اسے تاکا۔ اور ایسی چال چلا کہ الموت اور اس کے آس پاس کے علاقے میں اس کے نام کی دہائی پھر گئی۔ الموت پر قبضہ کرنے کے بعد حسن کے حوصلے

بہت بڑھ گئے یہ قلعہ ایسی جگہ واقع تھا کہ وہاں سے پتھر لڑھکا لڑھکا کر ہی بڑی بڑی فوجوں کو تباہ کیا جا سکتا تھا لیکن یہاں کی آب و ہوا خراب تھی اس علاقے کے باشندے ہمیشہ بیماریوں میں مبتلا رہتے تھے حسن نے یہ نقص دور کرنے کے لئے قلعہ کے آس پاس پیڑ لگائے۔ بہت دور سے ایک نہر نکال کر یہاں پہنچائی جس کی وجہ سے پانی کی فراوانی ہوگئی۔ آہستہ آہستہ یہاں کی آبادی نے بہت ترقی کی۔ اسمعیلی فرقہ کے لوگ دور دور سے آکر الموت اور اس کے نواح کے علاقہ میں آباد ہو گئے۔ نظام الملک طوسی کو جب معلوم ہوا کہ حسن بن صباح نے مازندران میں ایک چھوٹی موٹی سلطنت قائم کر رکھی ہے تو اس پر حملہ کرنے کے لئے سلجوقی فوج نے اس پہاڑ کو گھیر لیا اور سارے ناکوں پر پہرہ مقرر کر کے ایسا انتظام کیا کہ کسی طرف سے قلعہ والوں کو رسد نہ پہنچنے پائے۔ حسن بن صباح کو جب کسی طرح جان بچتی نظر نہ آئی۔ تو اپنے ایک جان نثار کو اشارہ کیا وہ بھیس بدل کر، فریادیوں کی صورت بنا کر نظام الملک کے پاس پہنچا۔ اور اسے قتل کر ڈالا۔ اس کے قتل ہوتے ہی الموت کا محاصرہ اٹھا لیا گیا اور اسماعیلیوں نے بہت سے قلعوں پر قبضہ کرلیا۔

حسن بن صباح نے عمر بھر الموت کے قلعہ سے قدم باہر نہیں نکالا۔ یہیں بیٹھے بیٹھے وہ خراسان اور ایران کے سارے اسماعیلیوں پر حکومت کرتا تھا۔ اس کے جاں باز پیرو جو فدائی کہلاتے تھے، بھیس بدلے جگہ جگہ پھرتے تھے اور جسے وہ حکم دیتا تھا، بے تامل قتل کر ڈالتے تھے۔ حسن بن صباح کے انتقال کے بعد اس کے پیرووں میں سے ایک

شخص جس کا نام کیا بزرگ امید تھا، اس کا جانشین مقرر ہوا۔ اس کے خاندان میں دیر تک حکومت رہی۔ آخر جب تاتاریوں کے ہاتھوں عباسیوں کی سلطنت مٹی تو باطنیوں کی حکومت بھی جاری رہی۔ اور ان کا جتھا ٹوٹ گیا۔

اس گروہ کو باطنی اس لئے کہتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے خیالات دوسرے لوگوں سے چھپائے رکھتے تھے۔ ان میں خاص خاص علامتیں اور اشارے مقرر تھے جن کی مدد سے ایک باطنی دوسرے باطنی کو پہچان لیتا تھا۔ باطنیوں کے کئی درجے تھے ایک درجہ تو داعیوں یعنی مبلغوں کا تھا۔ یہ لوگ جگہ جگہ اسمٰعیلی خیالات کی تبلیغ کرتے رہتے تھے۔ ان داعیوں کا افسر داعی الکبیر کہلاتا تھا۔ داعی اپنے مذہب کے تمام بھیدوں سے واقف ہوتے تھے۔ داعی سے اتر کر رفیق کا درجہ تھا۔ اس گروہ کے لوگوں کو باطنی مذہب کے موٹے موٹے اصول بتا دیئے جاتے تھے۔ سب سے نچلے درجے کے باطنی فدائی کہلاتے تھے۔ ان کو کچھ معلوم نہیں تھا کہ اس مذہب کے اصل عقائد کیا ہیں؟ ان کا کام صرف یہ تھا کہ انہیں جو حکم دیا جائے، اس پر پوری طرح عمل کریں۔ یہ فدائی بڑے بے باک اور نڈر ہوتے تھے اور جان دینے کو ہنسی کھیل سمجھتے تھے۔ کہتے ہیں کہ فدائیوں کو بھنگ پلا کر الموت کے قلعہ میں پہنچا دیا جاتا تھا۔ وہاں کچھ ایسے عجائبات تھے جنہیں دیکھ کر ان کے دلوں سے موت کا ڈر بالکل نکل جاتا تھا۔ اسی لئے فدائیوں کو حشیشین بھی کہتے ہیں۔ جس کے معنی بھنگ پینے والوں کے ہوتے ہیں۔

ابتدا میں تو باطنیوں اور مصر کے اسماعیلیوں کے عقیدوں میں کوئی فرق نہیں تھا۔

لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ باطنیوں کے مذہب میں اور بھی بہت سے عقائد شامل ہوتے گئے۔ اس لئے اکثر مسلمان عالموں نے انہیں کافر قرار دیا۔ اور ان کا زور توڑنے کی بڑی بڑی تدبیریں کی ہیں۔ لیکن الموت کا قلعہ بار بار تباہی سے بچ جاتا رہا۔ آخر جب تاتاریوں کی فتح مندی کا سیلاب اٹدا تو اس کے ریلے عباسی خلافت کے ساتھ باطنیوں کی حکومت کو بھی بہالے گئے اور اس طرح فاطمیوں کی یہ آخری یادگار بھی مٹ گئے۔

ساتواں باب

نورالدین زنگی اور صلاح الدین ایوبی

تم پڑھ چکے ہو کہ سلجوقیوں کی تباہی کے بعد ان کی حکومت کئی چھوٹی بڑی سلطنتوں میں تقسیم ہوگئی۔ خیوا کا علاقہ جو ان دنوں خوارزم کہلاتا تھا، ایک بہادر سردار کے قبضہ میں آیا جو خوارزم شاہ کے نام سے مشہور ہوا اس کے خاندان میں سوا سو سال سے کچھ اوپر سلطنت رہی ملک شاہ کے ایک غلام ارتق ترکمانی نے ماردین میں اپنی سلطنت قائم کی اور اس کی اولاد تین سو سال تک یہاں حکومت کرگئی جزیرہ کے علاقہ پر سلجوقی خاندان کے ایک شہزادہ سیف الدین نے قبضہ کیا۔ آذربائیجان میں سلجوقیوں کے ایک غلام ایلدگز نے بڑا عروج پایا۔ ایک اور بہادر سردار سنغر فارس کا علاقہ دبا بیٹھا۔ سعد زنگی اور اس کا بیٹا ابوبکر جن کے زمانے میں مشہور شاعر شیخ سعدی گزرے ہیں، اسی خاندان کے بادشاہ تھے۔ ادھر غوری خاندان کے فرمانروا غزنی اور ہرات میں غزنویوں کے جانشین بنے۔ اور ہندوستان پر حملے کر کے اس ملک میں ایک ایسی اسلامی حکومت اپنی یادگار چھوڑ گئے جو سات سو سال تک برابر قائم رہی۔

لیکن یہ سارے شاہ و شہریار اپنے اپنے حال میں گرفتار تھے۔ زنگی اور ایوبی

خاندان کے جانبازوں کے سوا کسی کو توفیق نہ ہوئی کہ عیسائیوں کا مقابلہ کر کے مسلمانوں کو ان کے ہاتھ سے بچاتا۔ اس لئے ہم اس دونوں خاندانوں کے حالات تفصیل سے بیان کرنا چاہتے ہیں پہلے زنگی خاندان کا حال لکھیں گے پھر ایوبیوں کی دلاوری اور مردانگی کی کہانی سنائیں گے۔

زنگی خاندان:

سلطان ملک شاہ سلجوقی کے زمانہ میں آق سنقر ایک نامور سردار ہو گزرا ہے، اس کا بیٹا عماد الدین زنگی تھا۔ جسے حلب اور موصل کی حکومت ملی۔ جب عیسائیوں نے لوٹ مار شروع کی اور مسلمانوں کا بہت سا ملک دبا بیٹھے تو اسی دلاور نے بڑھ کر انہیں روکا اور دریائے فرات کے کنارے تک سارا ملک ان سے چھین لیا۔ ان لڑائیوں میں سب سے مشہور ایڈیسا کا معرکہ تھا۔ یہاں عیسائیوں کو سخت شکست ہوئی اور ان کے کئی سردار مارے گئے۔ عماد الدین زنگی جیسا بہادر تھا، ویسا ہی نیک دل اور خدا ترس بھی تھا۔ اگر چہ عیسائیوں نے مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم کئے تھے لیکن جب عیسائی زنگی کے قابو میں آئے تو اس نے ان سے بہت اچھا سلوک کیا اور حکم دے دیا کہ سوائے عیسائی سپاہیوں کے اور کسی عیسائی کو قتل نہ کیا جائے۔ البتہ عیسائی راہب اور پادری جو لوگوں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے قتل کر ڈالے گئے۔

عماد الدین زنگی عیسائیوں کے ایک قلعہ کا محاصرہ کئے پڑا تھا۔ کہ کچھ لوگوں نے

اس کے خیمہ میں گھس کر اسے سوتے میں قتل کر ڈالا اور یہ واقعہ 541ھ کا ہے یہ بہادر شخص اپنے زمانے کے تمام مسلمان فرمانرواؤں سے ممتاز نظر آتا ہے جب وہ حلب، موصل اور اس کے آس پاس کے علاقہ کا حاکم مقرر ہوا تو بدامنی کی وجہ سے اس علاقہ کا حال بہت خراب تھا کسان بہت تباہ حال تھے اور بہت سی زمین بن جتی پڑی تھی۔ زنگی نے کھیتی باڑی کو ترقی دینے کی بڑی کوشش کی چنانچہ اس کی فیاضی کا حال سن کر بہت سے کسان جو شورش اور بدامنی کی وجہ سے بھاگ کر دوسرے علاقوں میں چلے گئے، پھر لوٹ آئے۔ بہت سے شہر جو سنسان پڑے تھے، از سر نو تعمیر کئے گئے ڈاکوؤں اور رہزنوں کو سخت سزائیں دی گئیں اور ہر طرف خوشحالی اور امن کا دور دورہ ہو گیا۔ زنگی کو غریبوں کا بڑا خیال رہتا تھا چنانچہ وہ ہر جمعہ کو ایک ہزار دینار فقیر فقرا میں تقسیم کرتا تھا اور دنوں میں بھی حاجت مندوں میں بڑی بڑی رقمیں اس طرح چپکے چپکے بانٹ دی جاتی تھیں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے پاتی تھی۔ اس کی فوج بڑی قواعددان اور بہادر تھی اگر کوئی سپاہی ضباطہ کے خلاف کوئی بات کر بیٹھتا تھا تو اسے سخت سزا دی جاتی تھی وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ مجھے گھوڑے کی ننگی پیٹھ ریشم اور کمخواب کے بستر سے میدان جنگ کا شور و غل شیریں نغموں اور ترانوں سے اور تلواروں کی جھنکار محبوب کی میٹھی باتوں سے زیادہ پسند ہے۔

نورالدین محمود:

عماد الدین کی وفات پر اس کے بڑے بیٹے سیف الدین کو موصل کی حکومت ملی اور حلب کی ریاست چھوٹے بیٹے نورالدین محمود کے ہاتھ آئی اگر چہ حلب کا علاقہ بہت چھوٹا سا تھا۔ لیکن نورالدین کو اس چھوٹی سی ریاست کے ساتھ باپ کی مردانگی، عقلمندی، فیاضی اور نیک دلی بھی ورثہ میں ملی تھی اس لئے وہ ہمت والا برابر عیسائیوں سے ٹکراتا اور انہیں نیچا دکھاتا رہا۔ ایک دو معرکوں میں اس نے صلیبی جنگ آزماؤں کو ایسی شکستیں دیں کہ ملکوں ملکوں اس کی دلاوری کی دھاک بیٹھ گئی اور بہت سے جاں باز اس کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے۔ ساتھ ہی اس نے سلطنت کا بندوبست اس خوبی سے کیا کہ حلب کی ریاست خوشحالی اور امن و امان میں سارے ملکوں سے بڑھ گئی۔ جگہ جگہ مدرسے کھولے، شفا خانے بنائے۔ ایک اعلےٰ عدالت قائم کی جس کے دروازے امیر و غریب سب پر کھلے تھے مسلمان مورخ تو ایک طرف رہے، اس کے عیسائی دشمن جنہوں نے بارہا اس سے مقابلہ کر کے منہ کی کھائی تھی، اس کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے تھے۔

عیسائیوں نے عماد الدین اور نورالدین کے ہاتھوں جو ہزیمتیں اٹھائی تھیں، ان کی خبر جب یورپ میں پہنچی تو ہر طرف شور مچ گیا۔ دو لاکھ عیسائیوں کا ایک اور لشکر تیار ہوا جس میں عورتیں بھی پورے ہتھیار لگائے مردوں کے ساتھ ساتھ موجود تھیں۔ فرانس کا

بادشاہ لوئی ہفتم اس فوج کا سردار مقرر ہوا۔ جرمنی کا بادشاہ کونراڈ بھی اس کے ساتھ تھا۔ لیکن اس لشکر کا بہت سا حصہ راستہ میں تباہ ہو گیا۔ بچے کھچے سپاہیوں نے انطاکیہ پہنچ کر دم لیا اور یہاں لڑائی کی تیاری کر کے دمشق کو جا گھیرا نور الدین محمود کے بھائی سیف الدین غزنوی کو معلوم ہوا تو وہ فوج لے کر بڑھے لیکن عیسائیوں پر ان دلاوروں کی ایسی ہیبت چھائی ہوئی تھی کہ وہ ان کے آنے کی خبر سن کر محاصرہ چھوڑ بھاگ کھڑے ہوئے۔ لوئی ہفتم اور کونراڈ نے جب دیکھا کہ اس ملک میں قدم جمانا مشکل ہے تو یورپ کا رخ کیا۔

اب نور الدین نے ایک ایک کر کے عیسائیوں کے کئی قلعے چھین لئے۔ ان قلعوں کے علاوہ دمشق کا شہر اور اس کے آس پاس کا بہت سا علاقہ بھی ہاتھ آیا۔ اور حلب کی ریاست کا شمار اس زمانے کی بڑی بڑی سلطنتوں میں ہونے لگا۔ نور الدین کو عیسائیوں کے مقابلے میں صرف ایک دفعہ شکست ہوئی تھی۔ لیکن اس شکست کی تلافی اس طرح ہوئی کہ تھوڑے دنوں میں ہی عیسائیوں کا ایک بہت بڑا سردار جس کے ہاتھوں مسلمانوں نے بڑے صدمے اٹھائے تھے قید ہو کر سلطان کے دربار میں پہنچا اس زمانے میں مقتفی باللہ بغداد کا خلیفہ تھا اس نے نور الدین کے کارنامے سنے۔ **ملک** العادل کا خطاب دیا حکومت کا پروانہ خلعت بھیجا۔

مستنجد باللہ:

555ھ میں مقتفی کا انتقال ہوگیا۔ اور اس کی جگہ اس کا بیٹا مستنجد باللہ خلیفہ مقرر ہوا۔ وہ بھی اپنے باپ کی طرح بڑا نیک اور فیاض خلیفہ تھا لیکن حکومت کی باگ ڈور نہ مقتفی کے ہاتھ میں تھی نہ مستنجد کے قبضہ میں ملک میں جا بجا چھوٹے بڑے سردار خود مختاری کا نشان لہرا رہے تھے۔

عیسائیوں کو شکست دے کر نورالدین محمود کی نظریں مصر کی طرف اٹھنے لگیں۔ وہاں کی فاطمی خلافت بہت کمزور ہو چکی تھی۔ اور عیسائیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کی مدد کرنا درکنار، اس میں اتنی سکت بھی نہیں تھی کہ مصر کو عیسائیوں کے حملہ سے بچا سکے۔ چنانچہ ان کی کمزوری سے عیسائی فائدہ اٹھاتے اور اپنی سلطنت کی بنیادیں مضبوط کرتے چلے جا رہے تھے کئی سال تک تو فاطمی خلیفہ کے خزانہ سے عیسائیوں کو ایک معقول رقم صرف اس شرط پر بھیجی جاتی رہی کہ وہ مصر پر حملہ کا ارادہ نہ کریں یہ کیفیت دیکھ کر نورالدین کو خیال آیا کہ عیسائیوں کو شام اور فلسطین سے نکالنے کے لئے مصر پر قبضہ کرنا ضروری ہے ابھی وہ انہیں خیالوں میں تھا کہ قدرت نے خود مصر پر قبضہ کرنے کے سامان مہیا کر دیئے۔ وہاں کے دو سردار ضرغام اور شاور مدت سے وزارت کے لئے آپس میں جھگڑ رہے تھے۔ کبھی ایک کو غلبہ ہوتا تھا اور کبھی دوسرے کو آخر شاور نے حریف کو زبردست پا کر سلطان نورالدین سے مدد مانگی۔ سلطان نے پہلے تو کچھ پس و

پیش کیا پھر اپنے ایک تجربہ کار افسر اسد الدین شیرکوہ کو فوج دے کر مصر پر بڑھنے اور شاور کی مدد کرنے کا حکم دیا۔

یہ اسد الدین شےرکوہ جس کے سپرد اتنی بڑی مہم ہوئی کرد قوم کا ایک بہادر سردار تھا اور اس کے قبیلہ کے لوگ آذر بائیجان کے آس پاس کوہستانی علاقوں میں رہتے تھے وہ اور اس کا بھائی نجم الدین ایوب مدت سے سلطان نور الدین کے ملازموں میں شامل تھے اور فرنگیوں کے ساتھ جو معرکے ہوتے تھے، ان میں شریک رہتے۔ اس مہم میں شیرکوہ کا بھتیجا یعنی نجم الدین ایوب کا نور نظر صلاح الدین بھی چچا کے سات تھا۔

ضرغام کی کیا بساط تھی کہ سلطانی فوج کے سامنے ٹھہر سکتا۔ آخر لڑ بھڑ کر مارا گیا۔ اور شاور اس کی جگہ مصر کا وزیر مقرر ہوا لیکن اس نے وزارت پاتے ہی عیسائیوں کو بلا بھیجا اور شیرکوہ کو مصر سے نکالنے کی تدبیریں کرنے لگا۔ شیرکوہ کے ساتھ مٹھی بھر فوج تھی پھر بھی وہ برابر تین مہینے تک فرنگیوں اور مصریوں کو جواب دیتا رہا جب دیکھا کہ اتنے بڑے لشکر سے پیش پانا مشکل ہے تو ہٹ کر دمشق چلا آیا۔

اسی زمانے میں سلطان نور الدین نے عیسائیوں پر بڑے زور و شور سے چڑھائی کی۔ اس معرکہ میں سلطان کے مقابلہ پر صلیبی جاں بازوں کے علاوہ روم کے عیسائی بادشاہ کی فوجیں بھی صف آرا تھیں۔ حارم کے قلعہ پر بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ عیسائیوں نے سخت شکست کھائی۔ انطاکیہ، طرابلس اور یروشلم کے عیسائی بادشاہ اور رومی جرنیل گرفتار ہو گئے اور سلطان نے کئی قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

کچھ عرصہ کے بعد شیر کوہ نے پھر مصر کا ارادہ کیا۔ ادھر شادر نے اس کے آنے کی خبر سن کر عیسائیوں کو بلا بھیجا۔ شیر کوہ دریائے نیل سے پار اترا تھا کہ مصریوں اور فرنگیوں کی ایک بہت بڑی فوج نے آلیا شیر کوہ نے وہیں ڈیرے ڈال دیئے، لیکن فوج کی کمی دل گھٹائے دیتی تھی۔ دشمن کی کثرت کا یہ حال تھا کہ جہاں تک نظر کام کرتی تھی فوجیں ہی فوجیں نظر آتی تھیں آخر ساتھیوں کو جمع کر کے پوچھا کہ اس حالت میں کیا کیا جائے؟ اور کسی نے تو جواب نہ دیا لیکن ایک بہادر جو نورالدین کے خاص سپاہیوں میں تھا بولا کہ اگر ہٹنے کا قصد ہے تو آئے ہی کیوں تھے؟ جو لوگ مرنے سے ڈرتے ہیں انہیں چاہئے کہ چوڑیاں پہن کر گھر میں جا بیٹھیں۔ سپاہیوں میں قدم رکھنا اور تلوار باندھنا، کیا ضرورت ہے؟ یہ باتیں کچھ اس انداز میں کہی گئی تھیں کہ دلوں میں بہادری کے ولولے جاگ اٹھے۔ اور سب کے ہاتھ تلوار کے قبضہ پر پہنچ گئے اتنے میں شیر کوہ کا بھتیجا صلاح الدین اٹھا اور کہا کہ اب لڑنے کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ شیر کوہ نے بھی کہا کہ تم سچ کہتے ہو چنانچہ جنگ کی تیاریاں ہونے لگیں۔

دوسرے دن شیر کوہ نے اپنی چھوٹی سی فوج کو کئی حصوں میں بانٹ کر ہر حصہ پر نامی سردار مقرر کیے۔ درمیان میں صلاح الدین تھا۔ دہنے خود شیرہ کوہ ساری فوج اس کے اشاروں پر ہٹتی، بڑھتی، پھیلتی اور سمٹتی تھی۔ کبھی سارے سپاہی اس طرح بے ترتیب ہو کر ہٹتے تھے۔ گویا شکست کھا کر بھاگے جا رہے ہیں دشمن پیچھا کرتا تو یکا یک پلٹ پڑتے اور صفیں الٹ کر رکھ دیتے تھے کبھی کبھی غول کے غول ہو کر فرنگیوں اور مصریوں پر

گر تے۔ اور دشمن کے منہ پھیر دیتے۔ آخر ایک حملہ ایسا ہوا کہ حریف کے قدم اکھڑ گئے اور شیر کوہ نے سکندریہ تک سارے علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

اس معرکہ میں شیر کوہ نے اپنی فوج کو جس خوبصورتی سے لڑایا۔ اور جنگی تدبیروں اور چالوں کا جو کمال دکھایا اس کی مثال کم ملتی ہے مصر کے ان معرکوں کی وجہ سے شیر کوہ کا شمار دنیا کے بڑے بڑے جرنیلوں میں ہوتا ہے۔

ہارے ہوئے دشمن نے اب صلح کے لئے قاصد دوڑائے۔ آخر اس شرط پر صلح ہوئی کہ شیر کوہ اور عیسائی دونوں مصر سے چلے جائیں شاور نے پچاس ہزار اشرفیاں شیر کوہ کی نذر کیں اور وہ ہٹ کے دمشق چلا آیا۔ لیکن عیسائیوں نے شاور سے ایک اور معاہدہ کر رکھا تھا شیر کوہ کے ہٹتے ہی ان کی فوجوں نے مصر کے بعض شہروں پر قبضہ کر لیا سلطان نور الدین کو جب خبر ملی کہ عیسائی چال کر گئے تو شیر کوہ کو پھر بھیجا وہ بپھرے ہوئے شیر کی طرح چلا اور قاہرہ میں بڑی شان وشوکت سے داخل ہوا عیسائی اس کے آنے کی خبر سنتے ہی بھاگے شاور مارا گیا اور شیر کوہ اس کی جگہ وزیر اعظم مقرر ہوا لیکن اس کی زندگی کے دن بھی پورے ہو چکے تھے دو مہینے وزارت کر کے انتقال کیا اور اس کا بھتیجا صلاح الدین اس کا جانشین مقرر ہوا۔

مستضئ:

انہیں دنوں خلیفہ مستنجد نے انتقال کیا اور اس کا بیٹا مستضئی بامر اللہ خلافت کی مسند پر بیٹھا اس زمانے میں مصر کی حکومت پوری طرح صلاح الدین کے قبضہ میں آ چکی تھی۔ عاضد نام کا خلیفہ تھا۔ صلاح الدین نے موقعہ پا کر عاضد کو خلافت سے الگ کر دیا اور مصر اور شام میں عباسی خلیفہ کے نام کا خطبہ پڑھا جانے لگا عاضد بیمار اور بے بس رات دن محل میں پڑا رہتا تھا۔ اسے خبر بھی نہ ہونے پائی کچھ دنوں میں اس نے انتقال کیا اور فاطمی خلافت بالکل مٹ گئی۔

569ھ میں سلطان نور الدین محمود نے بھی انتقال کیا اور مسلمانوں کے لئے دنیا بے نور ہو گئی خلفائے راشدین کے بعد جتنے فرمانروا ہوئے ہیں ان میں کوئی بھی نور الدین محمود کو نہیں پہنچتا۔ ابتدا میں وہ صرف حلب کا حاکم تھا لیکن اپنی قوت بازو سے اس رتبہ پر پہنچا کہ ملکوں ملکوں خطبہ میں اس کا نام لیا جانے لگا۔ اس کی شجاعت کا یہ حال تھا کہ جنگ کے میدان میں سب سے آگے رہتا۔ اور معمولی سپاہیوں کی طرح لڑتا تھا۔ ایک مرتبہ کسی نے کہا کہ آپ کو اپنی جان اس طرح خطرہ میں نہیں ڈالنی چاہئے خدانخواستہ کوئی بات ہو گئی تو مسلمان کیا کریں گے جواب دیا کہ مسلمانوں کا اللہ نگہبان ہے میں نہ ہونگا تو خدا کوئی اور سامان کر دے گا۔

نور الدین کی زندگی بڑی سیدھی سادی تھی وہ اپنے لئے خزانے سے ایک پیسہ بھی

نہیں لیتا تھا۔ دمشق میں تھوڑی سی جائیداد تھی اسی پر سارے کنبہ کا گزارہ ہوتا تھا ایک مرتبہ اس کی بیگم نے اچھے اچھے کپڑوں اور زیوروں کی خواہش ظاہر کی سلطان نے سن کر کہا کہ ملک کی آمدنی میں سے تو میں ایک کوڑی بھی خرچ نہیں کرسکتا کیونکہ وہ مسلمانوں کا مال ہے اور میں صرف اس کا نگہبان ہوں البتہ حمص کے شہر میں میری تین دکانیں ہیں وہ تم لے لو اور ان کی آمدنی جس طرح چاہو خرچ کرو۔

اگرچہ نورالدین محمود کی ساری عمر عیسائیوں سے لڑنے بھڑنے میں گزر گئی۔ لیکن وہ سپاہی ہی نہیں بلکہ ملک کے انتظام اور تدبیر میں بھی بے نظیر تھا اس نے ملک میں جگہ جگہ مسجدیں، شفاخانے اور سرائیں بنوائیں، مدرسے کھولے، پلوں اور نہروں کی مرمت کرائی بہت سے شہروں کے گرد فصیلیں تعمیر کرائیں تاکہ لوگ فرنگیوں کے حملوں سے بچے رہیں ڈاک کا بھی اچھا انتظام کیا یعنی کبوتروں کے ذریعے ملک کے ہر حصے کی خبریں پہنچنے لگیں اس کے عدل و انصاف اور رعب و داب کا یہ حال تھا کہ اس کی موت کے بعد بھی اس کا نام سن کر ظالموں کے چہروں پر ہوائیاں چھوٹنے لگتی تھیں۔ کہتے ہیں نورالدین کے انتقال کے بعد دمشق کے ایک باشندے پر کسی امیر نے ظلم کیا اس نے نورالدین کا نام لے کر فریاد کی اس نام میں کچھ ایسا اثر تھا کہ شہر بھر میں شور مچ گیا ہر طرف سے لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اس وقت ظالم امیر کا عجیب حال تھا چہرہ کی رنگت فق سارا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا غرض نورالدین کے نام کی برکت سے ظالم نے مظلوم کے ہاتھوں نجات پائی

صلاح الدین ایوبی:

نورالدین محمود کے انتقال کے بعد اس کا بیٹا اسماعیل جس کی عمر کوئی بارہ سال کی تھی ملک صالح کے لقب سے باپ کی گدی پر بیٹھا لیکن دراصل اس کے پردہ میں ترک امیر حکومت کررہے تھے۔ ملک صالح کا صرف نام ہی نام تھا۔ ان امیروں نے جو صلاح الدین کا عروج دیکھ دیکھ کر جی ہی جی میں جلتے تھے۔ کمسن شہزادہ کے کان ایسے بھرے کہ وہ صلاح الدین کا دشمن ہوگیا۔ اس نے سمجھانے کی بڑی کوششیں کیں لیکن سازشیوں نے اس کی پیش نہ چلنے دی۔ ان جھگڑوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائی دمشق پر چڑھ آئے۔ صلاح الدین کو معلوم ہوا تو وہ صرف سات سو سوار لے کر مصر سے چلا اور عیسائیوں کو مار بھگایا اگرچہ ملک صالح نے صلاح الدین سے کوئی اچھا سلوک نہیں کیا تھا لیکن صلاح الدین کو اپنے آقا کا اتنا پاس تھا کہ جب وہ عیسائیوں کو شکست دے کر دمشق میں داخل ہوا تو سلطان نورالدین کے محل میں اترنے کے بجائے اپنے مکان میں جا ٹھہرا وہ اب بھی اسماعیل سے لڑنا نہیں چاہتا تھا۔ لیکن فسادیوں نے بڑی چالیں چلیں۔ اور حلب کے لوگوں کو ابھار کر صلاح الدین کے مقابلہ پر کھڑا کردیا۔ آخر اسے بھی مجبور ہوکر تلوار کھینچنی پڑی اور اس طرح لڑا کہ کوئی دشمن مقابلہ پر نہ ٹھہر سکا۔ حریفوں سے اور کچھ نہ ہوسکا تو باطنیوں کو کچھ روپیہ دے دلا کر صلاح الدین کو قتل کروا دینے کا انتظام کیا لیکن یہ تدبیر بھی ناکام ہوئی اور باطنی پکڑے گئے مجبور ہوکر عیسائیوں کو مدد

کے لئے بلا بھیجا انہوں نے آتے ہی حمص کے شہر کو گھیر لیا لیکن صلاح الدین کے آنے کی خبر سنی تو بھاگ نکلے صالح نے بھی ایک آخری کوشش کر کے دیکھ لی، لیکن شکست کھائی۔

ان معرکوں نے ملکوں ملکوں صلاح الدین کی دھاک بٹھا دی۔ **ملک** صالح اور اس کے ساتھیوں نے جب دیکھا کہ کھیل بگڑ گیا ہے تو نورالدین محمود کی لڑکی کو جو ابھی بچہ سی تھی سفارش کے لئے صلاح الدین کے پاس بھیجا صلاح الدین اس کے ساتھ بڑے احترام اور شفقت سے پیش آیا پیشوائی کر کے ساتھ لایا اپنے خاص محل میں اتارا بہت سے تحفے تحائف نذر کیے اور اس کے کہنے پر اسماعیل کو حلب اور اس کے آس پاس کا علاقہ واپس دے دیا۔ اس واقعہ کا اثر یہ ہوا کہ **ملک** صلاح الدین کے نام کا خطبہ شام حجاز اور مصر میں پڑھا جانے لگا خلیفہ بغداد نے بھی اس کے لئے خلعت بھیجا اور سلطان کا خطاب دیا **ملک** صالح نے تھوڑے دنوں میں ہی انتقال کیا اور صلاح الدین کا اقتدار سارے مغربی ایشیا میں پھیل گیا۔

عیسائیوں کی شکست:

عیسائیوں نے صلاح الدین سے عارضی طور پر صلح کر رکھی تھی لیکن یورپ سے برابر سپاہیوں کے دستے اور سامان جنگ یروشلم پہنچ رہا تھا۔ اس لئے عیسائی مسلمانوں سے لڑائی چھیڑنے کے لئے بہانے ڈھونڈ رہے تھے اور کوئی تدبیر نہ سوجھی تو مسلمانوں

کے ایک قافلہ پر حملہ کر دیا صلاح الدین کو خبر پہنچی تو فوج لے کر چلا اور کرک کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا یہاں سے اپنے بیٹے **ملک** الافضل کو تھوڑی سی فوج دے کر **گلیل** کے علاقہ پر بڑھنے کا حکم دیا فرنگی سردار جنگ کے لئے تیار بیٹھے تھے اپنی اپنی فوجیں لے کر **ملک** الافضل کو روکنے چلے ادھر سے صلاح الدین بھی بیٹے کی کمک کو پہنچا۔

فرنگیوں نے ایک میدان میں اسے روکا لیکن صلاح الدین نے انہیں یہاں سے مار کر ہٹا دیا اور وہ طبریہ کی جھیل کے قریب پہنچ کر پھر ایک وادی میں جمع ہوئے یہ مقام تین طرف سے پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے اور اس کے ایک طرف جھیل ہے سلطان نے اس طرح فوجیں آراستہ کیں کہ طبریہ کی جھیل پشت پر تھی اور پہاڑیاں سامنے رات بھر جنگ کی تیاریاں ہوتی رہیں صبح دونوں فوجوں نے صفیں آراستہ کیں اور جنگ شروع ہوئی فرنگیوں نے بڑے زور کے حملے کئے لیکن صلاح الدین اور اس کے بہادر سپاہیوں نے انہیں قدم نہ بڑھانے دیا شام ہوتے ہوتے عیسائیوں کے جی چھوٹ گئے مگر ان کے سرداروں نے بڑی مشکل سے انہیں سنبھالا اور دونوں فوجیں ہٹ کر اپنی اپنی جگہ آ گئیں دوسرے دن پھر جنگ شروع ہوئی۔ فرنگی سردار خود بڑھ بڑھ کے لڑے، اور اپنی فوج کو بھی مذہبی جوش دلا کے خوب خوب لڑایا۔ لیکن ادھر سے ایک دو حملے ایسے ہوئے کہ قدم اکھڑ گئے اس معرکہ میں یروشلم کا عیسائی بادشاہ اور کئی مشہور سردار قید ہوئے اور کوئی دس ہزار فرنگی میدان جنگ میں کھیت رہے۔ یہاں سے جو عیسائی بھاگے تھے وہ طبریہ کے قلعہ میں پہنچے لیکن سلطان نے دشمن کو سنبھلنے کا موقع نہ دیا جھپٹ

کر اس قلعہ پر جا پہنچا اور اسے دو دن میں فتح کر لیا۔

اس فتح کے بعد رملہ، قیساریہ، یافہ، بیروت، نابلس اور کئی دوسرے شہر جن پر صلیبی سپاہیوں نے قبضہ کر لیا تھا، بڑی آسانی سے سلطان کے ہاتھ آ گئے صرف ساحل سمندر کے تین شہر عسقلان، طائر اور طرابلس عیسائیوں کے پاس رہ گئے ان میں سے بھی عسقلان والوں نے چند دن کے محاصرہ کے بعد ہتھیار ڈال دیئے اور وہاں بھی مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا اگرچہ ان لڑائیوں میں فرنگیوں کو سخت نقصان پہنچا، لیکن ان کے دل اس خیال سے مضبوط تھے کہ یروشلم جس کی خاطر انہوں نے اتنی سختیاں اٹھائیں، ابھی تک مسلمانوں سے بچا ہوا ہے اس شہر کی حفاظت کے لئے عیسائیوں نے بڑے انتظام کر رکھے تھے۔ ساٹھ ہزار کے قریب بہادر سپاہی جن میں یورپ کے مختلف ملکوں کے بڑے بڑے شہسوار شامل تھے یروشلم میں موجود تھے جنگ کے سامان اور غلہ کی بھی کمی نہ تھی۔

سلطان جب شام اور فلسطین کے دوسرے حصوں میں عیسائیوں کا زور توڑ چکا تو یروشلم کا رخ کیا لیکن وہاں پہنچنے سے پہلے فرنگیوں کو کہلا بھیجا کہ یہ سرزمین ہم تم دونوں کے نزدیک مقدس ہے۔ میرا جی نہیں چاہتا کہ اس پاک شہر میں جہاں اللہ کے سچے نبیوں کی اتنی یادگاریں ہیں، کون بہایا جائے اس لئے بہتر ہے کہ تم یہ شہر میرے حوالے کر دو اور اس کے عوض جتنا روپیہ پیسہ چاہتے ہو لے لو اگر تم امن و امان سے اس میں رہنا چاہتے ہو تو مجھے اس سے بھی انکار نہیں مجھ سے زمین لو اور کھیتی باڑی کر کے چین

سے زندگی گزارو۔ فرنگیوں نے اس پیغام کا بہت سخت جواب دیا جسے سن کر سلطان نے قسم کھائی کہ عیسائیوں نے یروشلم میں مسلمانوں پر جو ظلم کیے ہیں جب تک ان سب کا بدلہ نہیں لے لوں گا چین سے نہیں بیٹھوں گا۔

جب یروشلم کو سلطانی فوجوں نے گھیر لیا اور فرنگیوں کو کسی طرف سے کمک کی امید نہ رہی تو ان کی ہمتیں پست ہو گئیں اور سلطان کو کہلا بھیجا کہ خدا کے لئے ہم پر رحم کیجئے اگرچہ عیسائیوں نے مسلمانوں پر ایسے ایسے ظلم کئے تھے کہ ان کی زبان سے رحم کا نام سن کر اچنبھا سا ہوتا تھا۔ لیکن جب قلعہ والوں کے قاصد بار بار آئے اور اپنی غلطیوں پر پشیمانی ظاہر کی تو سلطان کا دل پسیج گیا حکم دیا کہ یروشلم میں جتنے شامی عیسائی اور یونانی نسل کے لوگ ہیں ان سب کو اجازت ہے کہ قلمرو سلطانی میں جہاں چاہیں سکونت اختیار کر لیں۔ باقی رہے فرانسیسی، اطالوی اور یورپ کی دوسری قوموں کے لوگ تو انہیں اختیار رہے کہ اپنے ملک کو چلے جائیں یا سلطان کی رعایا بن کر رہیں البتہ عیسائی سپاہیوں کو چالیس دن کے اندر اندر اپنے بیوی بچوں سمیت یروشلم خالی کر دینا ہو گا۔ انہیں جانے سے پہلے فدیہ ادا کرنا پڑے گا ہر مرد سے دس دینار، ہر عورت سے پانچ دینار اور ہر بچہ سے ایک دینار فدیہ لیا جائے گا۔ اور سلطانی فوج انہیں طائر اور طرابلس کے عیسائی شہروں میں پہنچا آئے گی۔

عیسائی سمجھے بیٹھے تھے کہ خدا جانے سلطان ہم سے ہماری شرارتوں کا کیسا سخت انتقام لے گا۔ لیکن یہ حکم سن کر سب کی جان میں جان آ گئی۔

اب مشکل یہ پیش آئی کہ جن لوگوں کو یروشلم سے نکل جانے کا حکم ملا تھا ان میں سے بہت سے ایسے تھے جو فدیہ ادا نہیں کر سکتے تھے۔ عیسائی سرداروں نے اگرچہ ان گنت دولت جمع کر رکھی تھی، لیکن ان میں سے کسی نے اس کڑے وقت میں ان بدنصیبوں کی مدد نہ کی۔ سلطان کو معلوم ہوا تو اس نے اپنی جیب سے دس ہزار عیسائیوں کا فدیہ ادا کیا۔ اس کے بھائی **ملک** العادل نے سات ہزار عیسائیوں کا فدیہ اپنے پاس سے دے کر انہیں رہائی دلائی۔ ان کے علاوہ ہزاروں ایسے تھے جنہیں فدیہ لئے بغیر رہا کر دیا گیا۔ ہر شخص کو اجازت تھی کہ وہ اپنا سارا مال و متاع لے جائے۔ چنانچہ عیسائی لاکھوں کروڑوں روپے کا مال اپنے ساتھ لے گئے۔

یروشلم سے عیسائیوں کے نکلنے کا منظر عجیب تھا۔ پہلے یروشلم کی ملکہ درد و غم کی تصویر بنی عورتوں کے جھرمٹ میں آئی۔ اس کے پیچھے خدمت گار اور مصاحب عیسائی سردار اور شہسوار تھے۔ صلاح الدین ایک اونچے مقام پر قدرت کی نیرنگی کا یہ تماشا دیکھ رہا تھا۔ ملکہ کو دیکھ کر آگے بڑھا، اس سے ہمدردی ظاہر کی اور تشفی آمیز کلمات کہے۔ سلطان کی ہمدردانہ باتوں سے سب کے دل بھر آئے۔ یروشلم کے اونچے میناروں اور گنبدوں پر ایک حسرت بھری نظر ڈالی اور روتے دھوتے رخصت ہوئے۔ ان کے پیچھے پیچھے عام سپاہیوں کا غول آیا۔ ان میں بہتیرے ایسے تھے جن کے پاس سواری تک نہیں تھی۔ بعض اپنا سامان کندھے پر لادے ہوئے تھے بعض بچوں کو اٹھائے ہوئے تھے عورتیں بچے سنبھالے، گرتی پڑتی، ہانپتی کانپتی چلی جا رہی تھیں یہ حالت

دیکھ کر سلطان کے دل میں انسانی ہمدردی نے جوش مارا اور حکم دیا کہ ان سب کے لئے سواری کا انتظام کر دیا جائے۔ ان میں کچھ بیوائیں اور یتیم بچے بھی تھے۔ جن کا کوئی آسرا نہ تھا۔ ان میں سلطان کی طرف سے روپیہ تقسیم کیا گیا۔ پھر عورتوں کا ایک غول آہوں اور آنسوؤں سے طوفان اٹھاتا آیا۔ یہ سب ان عیسائی شہسواروں کی مائیں بہنیں اور بیویاں تھیں جو جنگ میں گرفتار ہو کر قید ہوئے تھے۔ سلطان کے قریب پہنچ کر انہوں نے عرض کیا کہ ہمارے خاوند باپ بھائی اور بیٹے آپ کی قید میں ہیں۔ ان کے سوا دنیا میں ہمارا کوئی سہارا نہیں ہماری بے کسی پر ترس کھا کر انہیں آزاد کر دیجئے یہ درخواست بھی منظور کر لی گئی اور قیدی رہا کر دیئے گئے۔

یہ خانماں برباد یروشلم سے نکلے تو ان میں سے کچھ طرابلس پہنچے۔ بعض نے انطاکیہ اور طائر کا رخ کیا۔ کیونکہ اب انہیں شہروں میں عیسائیوں کی حکومت رہ گئی تھی لیکن طرابلس والوں نے انہیں دیکھ کر دروازے بند کر لئے ان میں کچھ پلٹ کر مسلمانوں کے علاقے میں پہنچے۔ یہاں انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ کچھ جنگلوں اور بنوں میں بھٹکتے پھرے اور تکلیفیں اٹھا کر مر کھپ گئے۔ ایک عیسائی عورت، جب طرابلس کے پھاٹک بند پائے، تو اپنا دودھ پیتا بچہ سمندر میں پھینک دیا۔ اور عیسائیوں پر لعنتیں بھیجتی لوٹی، ان میں جو لوگ انطاکیہ گئے تھے، ان کے ساتھ بھی عجب ماجرا گزرا۔ یعنی وہاں کے نواب نے ان سے روپیہ پیسہ چھین کر انہیں نکال دیا۔

رچرڈ شیر دل کے معرکے:

جب یروشلم کے مسلمانوں کے قبضہ میں چلے جانے کی خبریں یورپ پہنچیں تو ہر طرف آگ سی لگ گئی اس دفعہ بڑے زور وشور سے فلسطین اور شام پر حملہ کی تیاریاں ہوئیں۔ اور جرمنی کا بادشاہ فریڈرک، فرانس کا فرمانروا فلپ اور انگلستان کا تاجدار رچرڈ جو اپنی بہادری کی وجہ سے لوگوں میں شیر دل کے لقب سے مشہور تھا، بھاری فوجیں لے کر چلے۔ راستہ میں یورپ کے مختلف ملکوں کے شہسواران فوجوں میں آ آ کے ملتے جاتے تھے۔

اس وقت فلسطین اور شام میں کثرت سے عیسائی سپاہی موجود تھے۔ کیونکہ صلاح الدین جو شہر فتح کرتا، اس کے باشندوں کی جانیں بخش دیتا تھا۔ اس طرح عیسائیوں کی جمعیت گھٹنے نہیں پاتی تھی۔ جو عیسائی سپاہی یروشلم اور دوسرے شہروں سے نکلے تھے، وہ پھر ایک جگہ جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے منصوبے باندھنے لگے۔ ساتھ ہی یورپ سے کمک کی فوجیں پہنچیں۔ اور فرنگیوں نے عکر کے شہر کو جا گھیرا۔ سلطان کو معلوم ہوا تو وہ فوج لے کر عکر والوں کی مدد کو پہنچا۔ یہاں مسلمانوں اور فرنگیوں میں بڑے معرکے ہوئے۔ جنگ کا میدان گرم تھا۔ کہ انگلستان اور فرانس کے بادشاہ بڑے طمطراق کے ساتھ پہنچے اور آتے ہی عکر پر جا چڑھے۔ لیکن صلاح الدین اکیلا ان سب کو جواب دیتا رہا۔ اتفاق سے صلاح الدین بیمار پڑ گیا۔ اور فوج کو لڑانے کے

قابل نہ رہا۔فرنگیوں نے موقع پا کر عکر والوں پر ایسا دباؤ ڈالا کہ وہ شہر کو عیسائیوں کے حوالے کرنے کے علاوہ بہت سارو پیہ دینے پر آمادہ ہو گئے یہ رقم ادا کرنے میں کچھ تاخیر ہوئی تو رچرڈ نے بہت سے مسلمانوں کو جو اس کی قید میں تھے، قتل کر ڈالا۔

اگرچہ ایک دو میدانوں میں عیسائیوں کا پلہ بھاری رہا تھا پھر ان کی فوج بھی سلطان کی فوج سے زیادہ تھی۔لیکن رچرڈ اچھی طرح سمجھ گیا تھا کہ صلاح الدین جیسے شخص سے مقابلہ کرنا آسان نہیں اس لئے صلح کے قاصد دوڑائے۔ دیر تک دونوں طرف سے سفیر آتے جاتے رہے۔آخر بڑی بحثوں کے بعد یہ قرار پایا کہ رچرڈ اپنی بہن کو سلطان کے بھائی **ملک العادل** سے بیاہ دے اور جو شہر اس کے قبضہ میں ہیں بہن کے جہیز میں دے ڈالے۔ادھر سلطان نے عیسائیوں سے جو شہر چھینے ہیں وہ سب بھی **ملک العادل** کے حوالے کر دیئے جائیں اور یہ دونوں میاں بیوی یروشلم میں حکومت کریں۔ یہ شرطیں دونوں فریقوں کو منظور تھیں لیکن پادریوں نے بڑا شور مچایا۔ اور رچرڈ کی بہن کو جا جا کے سمجھایا۔ کہ مسلمان سے شادی کرے تو آسمانی باپ کے رحم اور کرم سے محروم ہو جائے گی۔ وہ یہ سن کر بہت ڈری اور ان شرطوں پر صلح نہ ہو سکی۔

اب رچرڈ نے پھر جنگ کی تیاریاں کیں۔اور یروشلم پر چڑھائی کر دی لیکن شکست کھائی اس ناکامی سے دل شکستہ ہو کر اس نے سلطان کو بڑی لجاجت سے کہلا بھیجا کہ خدا کے لئے صلح کر لو۔پھر گفتگو شروع ہوئی آخر یہ فیصلہ ہوا کہ صلاح الدین نے عیسائیوں سے جو شہر چھینے ہیں وہ اسی کے پاس رہیں اور عیسائیوں کے پاس جو

علاقہ رہ گیا ہے وہ اس پر قناعت کریں اصل میں فرنگیوں کا مقصد تو یروشلم پر قبضہ کرنا تھا، لیکن یہ شہر مسلمانوں کے پاس ہی رہا اور رچرڈ دل پر ناکامی کا داغ لے کر اپنے ملک کو چلا گیا۔

صلاح الدین کا انتقال:

رچرڈ کے جانے کے بعد صلاح الدین چند دن یروشلم رہا وہاں ایک شفا خانہ اور ایک مدرسہ بنوایا پھر ساحلی علاقوں کا دورہ کر کے ٹوٹے پھوٹے قلعوں کی مرمت کرائی اور دمشق پہنچ کر چاہا تھا کہ کچھ دن آرام کرے، اتنے میں موت کا پیغام آ پہنچا۔ اور خدا کے اس نیک بندے نے رحمت حق کے آغوش میں پہنچ کر آرام کیا۔

صلاح الدین نے 28 صفر 589ھ کو انتقال کیا۔ اس دن ساری اسلامی دنیا میں کہرام مچا ہوا تھا۔ در و دیوار سے آہ و بکا کی آوازیں آ رہی تھیں چھوٹے بڑے، بچے، بوڑھے، عورتیں اور مرد سب سوگوار تھے جب اس کے انتقال کے بعد اس کی ذاتی جائیداد کا حساب کیا گیا۔ تو ایک گھوڑے، ایک زرہ اور ایک دینار اور 36 درم نقد کے سوا کچھ نہ ملا اصل میں وہ موت سے پہلے ہی سارا مال و متاع خیرات کر گیا تھا اس خیرات میں سے کیا عیسائی اور کیا مسلمان، سب کو حصہ ملا۔ صلاح الدین کے عدل و انصاف نیکی اور خدا ترسی، شجاعت اور فیاضی کی کہانیوں سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ کوئی کیا کیا لکھے؟ ایک دفعہ سلطانی لشکر کا کوئی سپاہی فرنگیوں کی فوج سے ایک دودھ

پیتا بچہ اٹھا لایا۔ بچہ کی ماں مامتا کی ماری سخت بے چین تھی کسی نے کہا کہ سلطان سے جا کر عرض کرو وہ صلاح الدین کے پاس آئی سلطان اس کی دکھ بھری کہانی سن کر بے قرار ہو گیا اسی وقت خود اٹھ کر بچہ کو تلاش کرنا شروع کیا۔ معلوم ہوا کہ بچہ بیچ ڈالا گیا ہے۔ جس شخص نے بچہ خریدا تھا، اس کے پاس روپے دے کر آدمی بھجوائے۔ بچہ آیا تو اسے ماں کے حوالے کیا اور سوار کرا کے اپنے آدمیوں کی حفاظت میں گھر پہنچایا۔

رچرڈ شیر دل یافا میں بیمار پڑا تو اس وقت اس کے پاس دو تین سو آدمیوں سے زیادہ نہیں تھے سلطان چاہتا تو رچرڈ کو گرفتار کر لیتا لیکن اسے اس حالت میں دشمن پر ہاتھ اٹھانا مناسب معلوم نہ ہوا۔ رچرڈ کی خبر گیری کے لئے آدمی بھیجے۔ ہرکارے مقرر کئے جو سلطان کو پل پل کی خبر پہنچاتے اور یہاں سے رچرڈ کے لئے طرح طرح کے میوے اور تحائف لے جاتے تھے۔

صلاح الدین عالموں کا بڑا قدر دان تھا اور اس کے دربار میں ہمیشہ علمی چرچے رہتے تھے اس نے اپنے عہد حکومت میں کئی مدرسے اور شفا خانے کھولے قلعوں اور شہروں کی مرمت کرائی۔ اس میں بادشاہوں کا سا غرور نہیں تھا یروشلم پر قبضہ کرنے کے بعد اس کی فصیل بنوائی۔ تو خود مزدوروں کی طرح کام کرتا اور بھاری بھاری پتھر اٹھا کے لاتا رہا۔

قاہرہ کا قلعہ جو مصر کی مشہور عمارتوں میں سے ہے۔ صلاح الدین کی یادگار ہے اس قلعہ میں ایک کنوئیں کے ذریعے پانی آتا ہے جو پتھر کو کاٹ کے بنایا گیا ہے اور

عربوں کی کاریگری کا بہت اچھا نمونہ ہے۔

صلاح الدین کے جانشین:

صلاح الدین کے انتقال کے بعد اس کی سلطنت اس کے بیٹوں، بھائیوں اور بھتیجوں میں تقسیم ہوگئی۔ ان کی خانہ جنگیوں نے ایسا طول کھینچا کہ عیسائی جو موقع کے منتظر تھے، پھر فلسطین پر چڑھ دوڑے۔ اور صلیبی جنگ آزماؤں کے بہت سے جہاز یورپ سے ان کی مدد کو پہنچے۔ یہ حالت دیکھ کر سلطان صلاح الدین کے بھائی سیف الدین نے جو **ملک** العادل کے نام سے مشہور ہے، حکومت کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا، اور فوج لے کر صلیبیوں کے مقابلہ پر بڑھا۔ شام اور فلسطین کے میدانوں میں پھر ایک مرتبہ تلوار ٹکرائی اور خون کا مینہ برس گیا۔ آخر فرنگیوں نے تنگ آ کر صلح کر لی۔

لیکن یہ فوج فلسطین کی طرف رخ کرنے کے بجائے لوٹ مار کرتی قسطنطنیہ کی عیسائی حکومت سے جا ٹکرائی اور اس شاداب **ملک** کو خوب ویران کیا۔ یہ فوج تو فلسطین نہ پہنچ سکی، لیکن اگلے سال فرنگی پھر بڑے ساز و سامان سے فلسطین پر بڑھے۔ ابھی عیسائیوں کی فوجیں آ کے اتری ہی تھیں، کہ **ملک** العادل کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا کامل تخت پر بیٹھا۔

ملک العادل نے کوئی بیس سال حکومت کی وہ بھی اپنے بھائی کی طرح بڑا شجاع اور فیاض بادشاہ تھا۔ اس نے فرنگیوں کو ایسی ایسی شکستیں دیں۔ کہ سب کی نظروں تلے

صلاح الدین کی لڑائیوں کے نقشے پھر گئے۔ عادل کی وفات کے بعد اس کے بیٹوں میں خانہ جنگی شروع ہوئی۔ اور عیسائی پھر یروشلم تک پہنچ گئے۔ بہت سے الٹ پھیر ہوئے آخر عادل کے ایک پوتے نے انہیں یروشلم سے نکالا۔

آخری صلیبی لڑائی کی کہانی یوں ہے کہ فرانس کا بادشاہ لوئی بڑی فوج کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ پر آیا۔ اس وقت عادل کا پوتا **ملک** صالح مصر کا حکمران تھا۔ اس سے کئی معرکے ہوئے لیکن ابھی جنگ کا کوئی فیصلہ نہیں ہوا تھا کہ **ملک** صالح نے انتقال کیا اور اس کے بیٹے توران شاہ نے سلطنت کو سنبھالا۔ اور عیسائیوں کو شکست دے کر لوئی اور اس کے تمام بڑے بڑے سرداروں کو گرفتار کر لیا۔ کچھ عرصہ کے بعد ان قیدیوں کو رہا کر دیا گیا۔ اور اس طرح صلیبی لڑائیوں کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

جس طرح عباسیوں کے زمانہ زوال میں ترک غلام بڑا زور پکڑ گئے تھے، اسی طرح جب ایوبی خاندان کمزور ہوا تو غلاموں کے ایک گروہ نے بڑا عروج پایا۔ ان میں کچھ ترک اور تاتاری تھے۔ کچھ روس اور کوہ قاف سے آئے اور صلیبی لڑائیوں میں تلوار کے جوہر دکھا کر بڑے بڑے عہدوں پر جا پہنچے۔ لیکن توران شاہ سے بعض غلطیاں ایسی ہوئیں کہ یہ لوگ بگڑ بیٹھے اور اسے قتل کر ڈالا۔

تھوڑے دنوں تک **ملک** صالح کی بیوی شجرۃ الدر جو اصل میں ایک شامی کنیز تھی، تین مہینے تک وہ بھی حکومت کر گئی۔ آخر ایک غلام نے جو وزارت کے عہدہ پر جا پہنچا تھا، سلطنت پر قبضہ کر لیا۔ غرض اس طرح ایوبی خاندان جو اسی سال تک اسلام کی تلوار

کی باڑھ بنا رہا تھا، مٹ گیا۔ اور مصر میں ایک نئے حکمران خاندان کا آغاز ہوا چونکہ عربی زبان میں مملوک غلام کو کہتے ہیں اس لئے اس خاندان کے بادشاہ مملوک کہلاتے ہیں۔

WWW.IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006

آٹھواں باب

تاتاریوں کے حملے عباسی خلافت کی تباہی

جس زمانے میں ادھر شام اور فلسطین میں صلاح الدین اور اس کے جانشین فرنگیوں سے قوت آزمائی کر رہے تھے۔ ادھر ایران اور ترکستان میں تاتاری سیلاب کی طرح بڑھے چلے آتے تھے۔ آخر انہیں لوگوں کے ہاتھوں عباسی خلافت مٹی۔ بغداد کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور مسلمانوں پر ایسی تباہی آئی جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

مستفئی کے بعد اس کا بیٹا ناصر تخت خلافت پر بیٹھا اور پچاس سال تک حکومت کر گیا۔ عباسی خلیفوں میں ناصر نے سب سے زیادہ حکومت کی ہے اس کے زمانے میں بڑے بڑے انقلاب ہوئے۔ غوری اور خوارزم شاہی مٹے۔ موصل کے اتابکوں کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ اور ان لٹی اور مٹی ہوئی سلطنتوں کے کھنڈروں پر نئی حکومتوں کی بنیاد پڑی۔

سلجوقیوں کی تباہی کے بعد جو چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوئی تھیں، ہم ان کا تھوڑا تھوڑا حال بیان کر چکے ہیں ان میں خوارزم شاہیوں کی سلطنت سب سے بڑی تھی۔ اور وہ سلجوقیوں کے جانشین سمجھے جاتے تھے۔ چونکہ تاتاریوں کے حملوں سے خوارزم

شاہیوں کا بڑا تعلق ہے۔ پھر وہ اس زمانے کے حکمرانوں میں بہت ممتاز نظر آتے ہیں اس لئے پہلے اس خاندان کے عروج وزوال کا تھوڑا سا حال سن لو۔

خوارزم شاہی خاندان:

آج کل جو علاقہ خیوا کے نام سے مشہور ہے، اسے کسی زمانے میں خوارزم کہتے تھے اور وہاں کے حاکم کا لقب خوارزم شاہ تھا۔ ملک شاہ سلجوقی نے اپنے ایک سردار نوشگین کو یہاں کا حاکم مقرر کیا تھا۔ جس کی اولاد میں دیر تک سلطنت چلی۔ اس خاندان کے ایک حکمران تکش نے تقریباً وہ سارا علاقہ اپنے قبضہ میں کرلیا جو کسی زمانے میں سلجوقیوں کے ماتحت تھا۔

تکش کا بیٹا محمد قطب الدین اپنے باپ کی طرح بڑے دبدبہ کا فرمانروا تھا۔ چنانچہ اس نے بہت علاقہ فتح کر کے اپنی سلطنت کا ڈانڈا ایک طرف ہندوستان اور دوسری طرف چین سے ملا دیا لیکن ایک تو اسے ملک گیری کا شوق تھا اور وہ چاہتا تھا کہ بغداد پر قبضہ کر کے سلجوقیوں کی سی حیثیت حاصل کرلے۔ دوسرے اس میں عاقبت اندیشی بالکل نہیں تھی۔ ان دنوں خوارزم سے مشرق کی طرف قراختائی قبیلہ کی حکومت تھی۔ اس قبیلہ کے خان نے کئی موقعوں پر خوارزم شاہیوں کی مدد کی تھی۔ اور خوارزم والے اسے ہر سال ایک رقم ادا کیا کرتے تھے۔ تکش اگرچہ بڑا طاقتور فرمانروا تھا لیکن وہ بھی عمر بھر اسی ہمسایہ سلطنت کو روپیہ ادا کرتا تھا۔ قراختائیوں کے علاقے سے مشرق کی

طرف صحرائے گوبی ہے، جہاں مغل قبیلے رہتے تھے۔تکش جانتا تھا کہ قراختائی خوارزم شاہی حکومت کے لئے سپر کا کام دے رہے ہیں۔ان کی حکومت مٹ گئی تو مغل وحشیوں کو روکنے والا کوئی نہیں رہے گا۔لیکن محمد شجاعت کے جوش اور ملک گیری کے شوق میں خان قراختائی سے جا بھڑا۔اوراس کی سلطنت کو مٹا کے دم لیا۔یہاں سے پلٹا تو بغداد کا رخ کیا،لیکن راستہ میں بارش اور برف نے زور باندھا اور محمد کو مجبوراً ہٹنا پڑا۔

چنگیز خاں:

جن دنوں محمد نے خان قراختائی پر فتح پائی، چنگیز خاں نے مغل اور تاتاری قبیلوں کو متحد کر کے ایک بہت بڑی سلطنت قائم کر لی تھی۔یہ شخص ابتدا میں ایک مغل قبیلہ کا سردار تھا،لیکن اس نے آہستہ آہستہ اپنے تمام حریفوں کو نیچا دکھایا اور بہت بڑی سلطنت کا مالک بن بیٹھا۔محمد اور چنگیز خان کی سرحدیں آپس میں ملتی تھیں۔دونوں سلطنتوں میں اچھے تعلقات تھے اور دونوں طرف کے لوگ ایک دوسرے کے ہاں آتے جاتے تھے۔ایک دفعہ چارسو تاجر جو مغلوں کے ملک میں مال تجارت فروخت کر کے آئے تھے۔دریائے سیحون کے کنارے اترے وہاں کے حاکم نے خوارزم شاہ کو لکھا کہ چنگیز خان کے جاسوس تاجروں کے بھیس میں آئے ہیں ادھر سے حکم گیا کہ انہیں قتل کر دو۔غرض یہ بے گناہ تاجر مارے گئے چنگیز خان کو معلوم ہوا۔اس نے سفیر

کے ہاتھ پیغام بھیجا کہ جس حاکم نے یہ حرکت کی ہے اسے ہمارے حوالے کر دو خوارزم شاہ نے سفیر کو قتل کروا ڈالا۔

چنگیز خاں کو جب یہ خبر پہنچی تو چھ لاکھ فوج لے کر خوارزم شاہ کے علاقے پر چڑھ آیا۔یہ چڑھائی کیا تھی، خدا کا قہر تھا۔چنگیز اور اس کے ساتھی جنگ کا صرف ایک قائدہ جانتے تھے یعنی وہ جس شہر کو فتح کرتے وہاں کے باشندوں کو قتل کر کے سارا مال و اسباب لوٹ لیتے۔اور مکانوں کو آگ لگا دیتے تھے وہ زمانہ بڑی خوشحالی اور فراغت کا زمانہ تھا۔خراسان، ایران اور ترکستان کے شہر علم وفن کا مرکز سمجھے جاتے تھے ہرات اور بلخ کی آبادی دس دس لاکھ سے زیادہ تھی بخارا اور سمرقند ان سے بھی زیادہ آباد تھے۔

چنگیزی مغلوں نے ان شہروں میں بڑی آفت مچائی بخارا جیسا با رونق اور خوبصورت شہر آن کی آن میں راکھ کا ڈھیر نظر آنے لگا۔سمرقند میں بھی خون کی ندیاں بہ گئیں اور اینٹ، پتھروں اور لاشوں کے انبار اس خوبصورت شہر کی یادگار رہ گئے۔ ہرات اور نیشاپور کا بھی یہی حال ہوا، خوارزم شاہ پر چنگیز کا ایسا رعب بیٹھا ہوا تھا کہ اس کے آنے کی خبر سن کر بھاگا۔لیکن جدھر جاتا تھا چنگیزی فوجیں پیچھے پیچھے تھیں کہیں دم بھر کے لئے گھوڑے سے اترا۔اور زین پوش بچھا کے بیٹھا کہ گرد اڑی اور اس میں مغلوں کی تلواریں چمکتی نظر آئیں۔پھر گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ نکلا آخر اسی طرح بھاگتا چھپتا بحیرۂ خزر کے ایک جزیرہ میں پہنچا اور وہیں بڑی بے کسی اور بے سرو سامانی کی حالت میں وفات پائی۔

جلال الدین خوارزم شاہ:

محمد قطب الدین کے بعد اس کا بیٹا جلال الدین خوارزم کے تخت پر بیٹھا، اس دلاور کو اگر زمانہ موقع دیتا، تو بڑے رتبے کا فرمانروا ہوتا۔ لیکن اس نے باپ کے مرتے ہی اپنے آپ کو غنیم کے نرغہ میں پایا اس پر غضب یہ ہوا کہ سگے بھائی جنہیں وہ قوت بازو سمجھتا تھا دشمن ہو گئے۔ اس حالت میں بھی کچھ فوج سمیٹ کر مغلوں پر جا چڑھا۔ اور انہیں دو معرکوں میں شکست دے کر بھگا دیا۔ چنگیز خاں کو خبر ملی تو جلال الدین کے مقابلہ کے لئے خود چلا۔ لیکن جلال الدین کو جن رفیقوں کا سہارا تھا، وہ منہ موڑ چکے تھے، تھوڑی سی فوج ساتھ تھی آخر ہندوستان کا رخ کیا دریائے سندھ کے کنارے مغلوں کے لشکر نے گھیرا اگر چہ اس وقت صرف سات سو سوار جلال الدین کے ساتھ تھے لیکن اس نے بڑی مردانگی سے غنیم کے ٹڈی دل کا مقابلہ کیا وہ ننگی تلوار ہاتھ میں لئے اس ٹوٹی پھوٹی فوج کے آگے آگے تھا۔ اور جدھر جا پڑتا تھا دشمن کی فوجیں کائی سی پھٹ جاتی تھیں خود چنگیز خان اس کی جنگ رستمانہ دیکھ کر عش عش کر رہا تھا۔ آخر جب جلال الدین کے دو گھوڑے لڑائی میں مارے جا چکے، تو وہ کود کر تیسرے گھوڑے پر سوار ہو گیا اور دریا کا رخ کیا۔ اگر چہ اس جگہ اٹک کا کڑاڑا کوئی تیس فٹ اونچا تھا لیکن اس نے گھوڑے کو ایڑ بتائی اور پلک جھپکتے میں موجوں سے لڑتا نظر آیا۔ غرض اسی طرح لہروں کے تھپیڑے کھاتا، ڈوبتا ابھرتا کنارے جا لگا۔ اس کے ساتھیوں میں سے جو

لوگ دریا میں کود پڑے تھے ان میں سے صرف سات آدمی زندہ بچ کر کنارے پہنچے۔ ہندوستان میں چند دن رہ کے پھر باپ دادا کا تخت حاصل کرنے کی کوشش کی اور مدتوں مغلوں سے لڑتا بھڑتا رہا۔ آخر کردستان میں کسی شخص نے اسے غافل پا کے قتل کر ڈالا۔ افسوس کہ زمانے نے اس کا ساتھ نہ دیا ورنہ یہ باہمت شخص بہت بڑی سلطنت کا مالک ہوتا۔ اسے گیارہ سال کے عرصہ میں چودہ معرکے پیش آئے اور ہر معرکہ میں اس نے دشمنوں پر اپنی دلاوری کا سکہ بٹھا دیا۔ اس کی یلغاروں کا حال سنو تو حیرت ہوتی ہے طفلس سے کرمان تک ایک ہزار میل کا فاصلہ ہے جسے جلال الدین اور اس کی فوج نے سترہ دن میں طے کیا۔

مغلوں کے اس حملہ نے خراسان اور ماوراءالنہر کو ایسا برباد کیا کہ وہاں کے لوگ مدت تک سنبھل نہ سکے بخارا اور سمرقند علم وفن اور تہذیب وشائستگی کے مرکز سمجھے جاتے تھے اور سارے مشرقی ملکوں کی نظریں ان پر لگی ہوئی تھیں لیکن مغلوں نے ان شہروں سے علم کا نشان ایسا مٹایا کہ پھر کبھی انہیں پہلی سی حیثیت حاصل نہ ہو سکی۔

آخری تین خلیفے:

ناصر کے بعد اس کا بیٹا ظاہر بامر اللہ تخت خلافت پر بیٹھا۔ وہ بڑا نیک اور عادل شخص تھا لیکن سال بھر کی سلطنت کے بعد اس نے انتقال کیا اور اس کا بیٹا مستنصر باللہ اس کا جانشین قرار پایا۔ مستنصر عالی حوصلہ شخص تھا چنانچہ اس نے مغلوں اور تاتاریوں کو

روکنے کے لئے ایک بڑا لشکر جمع کیا اور اپنی طاقت بہت بڑھائی۔ اس نے ساڑھے سولہ سال حکومت کر کے انتقال کیا اور اس کا بیٹا مستعصم 623ھ میں تخت نشین ہوا۔

مستعصم بڑا کمزور اور نالائق خلیفہ تھا اسے عیش و عشرت کے سوا کسی بات سے سروکار نہیں تھا۔ اور ادھر ملک میں جگہ جگہ شورشیں ہو رہی تھیں۔ خود بغداد میں ایک طرف شیعہ سنی کے جھگڑے نے آفت برپا کر رکھی تھی دوسری طرف لٹیروں کے ہاتھوں لوگوں کا ناک میں دم تھا۔ مستعصم کے پاس شکائتیں پہنچیں تو اس نے سنیوں کا ساتھ دیا اور شیعوں پر بڑی سختیاں کیں۔ ساتھ ہی مستنصر نے جو فوج جمع کی تھی اسے برطرف کر دیا۔

کہتے ہیں کہ جب شیعوں پر یہ ماجرا گزرا تو مستعصم کے وزیر ابن علقمی نے جو شیعہ تھا، چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کو جو اپنے بڑے بھائی کی طرف سے ایران کا حکمران تھا، خط لکھ کر بغداد پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی۔ اس نے پہلے مستعصم کے پاس سفیر بھیجا۔ یہاں سب وقت کی نزاکت سے بے خبر اور ہوا کے گھوڑوں پر سوار تھے۔ ہلاکو کے سفیر کو بے عزت کر کے نکال دیا۔ ہلاکو نے سنا تو مغلوں اور تاتاریوں کا بے حد و حساب لشکر لے کر چلا اور بغداد کو گھیر لیا۔

بغداد کی تباہی:

مستعصم کے پاس اتنی فوج نہیں تھی کہ بغداد سے باہر نکل کر غنیم کو روکتا۔ تھوڑے سے سپاہی جو محل کی حفاظت کے لئے مقرر تھے، ان کی کیا بساط تھی کہ خونخوار تاتاریوں اور مغلوں کا مقابلہ کرتے۔ اگر خلیفہ اور اس کے مشیروں میں عقل اور ہمت ہوتی تو بغداد کے لوگوں میں سے اچھا خاصا لشکر جمع ہو سکتا تھا شہر میں کھانے پینے کی چیزوں اور سامان جنگ کی بھی کمی نہیں تھی لیکن خلیفہ کے درباری بھی یک دل نہیں تھے کوئی کچھ کہتا تھا اور کوئی کچھ ادھر مغل برابر شہر پر دھاوے کر رہے تھے اور بغداد کی فصیل کئی جگہوں سے ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔ چالیس دن اسی طرح گزر گئے اب خلیفہ نے صلح کی کوشش کی لیکن مغل حملہ آور کا دل رحم سے بالکل خالی تھا اس نے صاف انکار کر دیا۔ آخر مستعصم نے اپنے اور خاندان کے لوگوں کی جان بخشی کی درخواست کی اور ہلاکو کی پناہ میں چلا آیا اس کے ساتھ اس کے خاندان کے لوگوں کے سوا تین ہزار شخص تھے ہلاکو بظاہر مستعصم کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آیا اور اسے اطمینان دلایا کہ آپ پر اور آپ کے ساتھیوں پر کوئی آنچ نہیں آنے پائے گی۔ اس کی باتوں میں آ کر مستعصم نے شہر میں کہلا بھیجا کہ پھاٹک کھول دیئے جائیں اور سارے سپاہی غیر مسلح ہو کر شہر کے سامنے جمع ہو جائیں وہاں سب لوگ حیران پریشان بیٹھے تھے کہ کیا تھا اور کیا ہو گیا مستعصم کا پیغام سن کر سمجھے کہ ہلاکو سے صلح ہو گئی۔ ہتھیار چھوڑ چھاڑ شہر سے باہر نکلے

ہلاکو نے ان سب کو گرفتار کر لیا۔

دوسری صبح ہلاکو نے حکم دیا کہ بغداد کو لوٹ لو۔ اور جو سامنے آئے اسے کاٹ کے ڈال دو۔ مغل سپاہی تلواریں کھینچے شہر میں گھس گئے اور قتل عام شروع کر دیا وہاں مقابلہ کی ہمت کس میں تھی جو لوگ لڑنے کے قابل تھے وہ پہلے ہی گرفتار ہو چکے تھے سنگدل مغلوں اور تاتاریوں نے جن کے لئے انسانوں کا شکار تفریح کا سامان تھا قیامت برپا کر دی بوڑھے، بچے، عورتیں، مرد جسے پایا بے دریغ قتل کر ڈالا۔ اونچی عمارتیں دھڑ دھڑ جل رہی تھیں اور ان کے شعلوں کی روشنی لہو میں رنگی ہوئی تلواروں اور مغلوں کے خوفناک چہروں پر پڑ کر اس منظر کو اور بھی بھیانک بنا رہی تھی گلی کوچوں میں خون کا سیلاب اُٹا ہوا تھا۔ مغل کوئی ڈیڑھ مہینہ یوں ہی مار دھاڑ کرتے رہے اور صرف بغداد میں تقریباً سترہ لاکھ آدمی موت کے گھاٹ اتر گئے ان وحشیوں کو علم سے کیا تعلق ہو سکتا تھا؟ جو نایاب علمی خزانے بغداد کے لوگوں نے صدیوں کی محنت سے جمع کئے تھے وہ سب آگ کی نذر کر دیئے گئے۔

اگرچہ ہلاکو نے مستعصم کی جان بخشی کا وعدہ کیا تھا، لیکن چوتھے دن اسے لاتوں اور گھونسوں سے مار مار کر ہلاک کر ڈالا۔ عباسی شہزادے اور شہزادیاں مستعصم کے درباری اور مصاحب، عالم، فاضل، شاعر سب کے سب تلوار کے گھاٹ اتر گئے۔ ڈیڑھ مہینے کے بعد جب مغلوں کی تلوار نے دم لیا تو بغداد جس کی رونق اور چہل پہل کا مقابلہ روئے زمین کا کوئی شہر نہیں کر سکتا۔ خاک کا تودہ تھا۔

اگر چہ چنگیز کا حملہ بھی قہر خداوندی کا نمونہ تھا اس کے ہاتھوں خوارزم شاہی خاندان تباہ ہوا۔ ہرات نیشاپور، بخارا اور سمرقند جیسے شہر اجڑ گئے لیکن بغداد کا مٹنا قیامت تھا جس نے یہ خبر سنی سن ہو گیا لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ جو شہر پانچ سو سال سے سارے مشرق کے علم و ہنر اور تہذیب و شائستگی کا مرکز بنا رہا ہے، اس قدر جلد مٹ جائے گا۔

اصل میں مسلمانوں میں سب سے زیادہ قلق تو اس بات کا تھا کہ بغداد کے ساتھ ہی عباسی خلافت بھی مٹ جائے گی اس میں شک نہیں کہ بغداد کی خلافت میں مدت سے کوئی سکت باقی نہیں رہی تھی حکومت دوسرے لوگوں کے ہاتھ میں تھی اور خلیفہ کا نام ہی نام تھا پھر بھی دربار خلافت میں پہنچ کر بڑے بڑے فاتح گردنیں جھکا دیتے تھے خلیفہ کو خط لکھتے تو اپنے آپ کو بارگاہ خلافت کا ادنیٰ غلام ظاہر کرتے اور اسے اپنا آقا اور ولی نعمت کہتے۔ طغرل بیگ سلجوقی کتنا عالی مرتبہ سلطان تھا۔ لیکن خلیفہ قائم کے سامنے پیش ہوا تو دعا و ثنا کے کلمات کہتا تخت خلافت کی طرف بڑھا، اور جھک کے خلیفہ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ اس گئی گزری حالت میں بھی لوگوں کے دلوں میں خلیفہ کا اتنا احترام تھا کہ اس کے ہاتھ کو بوسہ دینا بھی بڑی عزت سمجھا جاتا تھا۔ صلاح الدین ایوبی کو خلیفہ ناصر نے **ملک** الناصر کا خطاب دیا تو اس نے یہ کہہ کر خطاب قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ناصر تو امیر المومنین کا لقب ہے یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ مجھ ایسا غلام ان کی برابری کرے۔

مستعصم ہزار نالائق سہی لیکن آخر وہ ہارون و مامون کا جانشین تھا۔ خلافت کی

بدولت سارے اسلامی فرمانروا ایک سر رشتہ میں بندھے ہوئے تھے، جس کا سرا بظاہر مستعصم کی چٹکی میں تھا۔ اس کے مرتے ہی مسلمانوں کا یہ ظاہری اتحاد مٹ گیا اور بنی عباس کا گھرانا جس کی عزت سارے مسلمانوں کے دلوں میں تھی، بے چراغ ہو گیا اس زمانے کے شاعروں نے بغداد کی تباہی اور مستعصم کی موت پر جو نظمیں لکھی ہیں انہیں پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ کاغذ پر خون کے آنسو ٹپکائے ہیں عربی میں جو مرثیے لکھے گئے ہیں ان کا تو کوئی شمار ہی نہیں فارسی زبان کے مشہور شاعر سعدی شیرازی نے بھی اس واقعہ پر ایک دردناک مرثیہ لکھا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بھی لوگ خلیفہ بغداد سے کتنی عقیدت رکھتے تھے۔

بغداد سے ہلاکو کی فوجیں عراق کے دوسرے شہروں کی طرف بڑھیں اور ان پر بھی یہی ماجرا گزر گیا۔ یہاں سے انہوں نے فلسطین کا رخ کیا۔ تو بیبرس بندقداری نے جو ایک مملوک سردار تھا۔ اور آگے چل کر مصر کا حکمران بنا، بڑی بھاری فوج کے ساتھ مغلوں اور تاتاریوں کو روکا۔ اور انہیں شکست دے کر بھگا دیا۔ مغل ہٹ کر شام اور عراق پر جا چڑھے۔ لیکن بیبرس پیچھے پیچھے تھا اس نے انہیں یہاں سے بھی نکالا اور اس سیلاب کا رخ یورپ کی طرف پھیر دیا۔

نواں باب

عباسی خلافت پر ایک نظر

عباسی ابتدا میں سارے عالم اسلام کے دنیوی اور دینی فرمانروا تھے۔ لیکن جب ان کے اقبال کا آفتاب ڈھلنے لگا اور وہ دنیوی اقتدار سے محروم ہو گئے تو ان کی حیثیت محض دینی پیشواؤں کی رہ گئی۔ مسلمان اس خیال سے بھی ان کی عزت کرتے تھے کہ وہ آنحضرتؐ کے چچا کی اولاد ہیں اس لئے زوال حکومت کے زمانے میں بھی ان کے ظاہری اقتدار اور شان وشوکت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اور خلافت کے ادب آداب جن کی بنیاد منصور عباسی نے ڈالی تھی، برقرار رہے۔

سچی اسلامی تعلیم کے مطابق تو وہی شخص خلیفہ ہو سکتا ہے جسے مسلمان اپنی مرضی سے خلیفہ منتخب کر لیں، لیکن بنی امیہ نے خلافت کو وراثت بنا لیا۔ عباسیوں نے بھی امویوں کی پیروی کی چنانچہ عباسی خلیفے اپنی زندگی میں ہی اپنے خاندان کے کسی شخص کو جانشین مقرر کر جاتے تھے خلیفہ کی وفات پر اس کا جانشین ایک زرکار شامیانہ کے نیچے تخت پر بیٹھ جاتا تھا اور اس کے خاندان کے لوگ اور سلطنت کے بڑے بڑے عہدہ دار اس کی وفاداری کی قسم کھاتے تھے۔ اس رسم کو بیعت کہتے ہیں پھر مسجدوں میں اس کے لئے

دعائیں مانگی جاتیں اور نماز جمعہ کے خطبہ میں اس کا نام لیا جاتا اور یہ رسمیں ادا کرنے کے بعد سمجھ لیا جاتا تھا کہ سارے مسلمان اس کی خلافت پر راضی ہو گئے ہیں۔

ملکی انتظام:

ابتدا میں خلیفہ سارے مسلمانوں کا مطلق العنان فرمانروا سمجھا جاتا تھا۔ ہر قسم کے اختیارات اسی کے قبضہ میں تھے وزیر اور سردار صرف اس کے نائب سمجھے جاتے تھے۔ جنہیں وہ جب چاہتا، علیحدہ کر دیتا تھا۔ جنگ کے زمانے میں سپہ سالاری کے فرائض بھی وہ خود ادا کرتا تھا۔ مامون نے اپنے زمانے میں ضروری معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے لوگوں کی ایک کونسل مقرر کر دی تھی۔ جس میں ہر جماعت کے نمائندے شریک ہوتے تھے۔ ب خلافت پر زوال آیا تو یہ کونسل علما کی مجلس بن کر رہ گئی۔ جو صرف مذہبی معاملات کے متعلق خلیفہ کو مشورہ دیا کرتی تھی لیکن اسلامی دنیا میں جگہ جگہ جو سلطنتیں قائم ہوئیں، انہوں نے اپنے اپنے ہاں اس طریقہ کو رواج دیا اور مشورہ کے لئے اس قسم کی مجلسیں قائم ہونے لگیں۔ صلاح الدین نے اپنے عہد میں جو مجلس قائم کی، وہ اس قسم کی تمام مجلسوں سے زیادہ باقاعدہ اور مکمل تھی۔ اس کے اجلاس نہایت باقاعدگی سے ہوتے تھے۔ اور اس کی صدارت خود صلاح الدین کرتا تھا۔

ہر صوبہ میں خلیفہ کی طرف سے ایک حاکم مقرر ہوتا تھا جسے والی کہتے تھے۔ منصور کا قاعدہ تھا کہ وہ کسی والی کو ایک صوبہ میں زیادہ دیر تک نہیں رہنے دیتا تھا۔ مقدموں کے

فیصلے کرنے کے لئے ہر صوبہ میں ایک قاضی مقرر تھا، جس کے کئی نائب ہوتے تھے لیکن بعد کے زمانے میں بعض صوبوں کی حکومت موروثی ہوگئی۔ اور یہ حاکم خلیفہ کو کمزور پاکر خود مختار بن بیٹھے۔

امویوں کے زمانے میں وزارت کا عہدہ نہیں ہوتا تھا۔ بنی عباس کے پہلے چار خلیفوں نے بھی کوئی وزیر مقرر نہیں کیا تھا۔ ہارون الرشید نے اپنے زمانے میں یہ عہدہ قائم کیا جب کسی شخص کو یہ عہدہ دیا جاتا تھا تو دربار خلافت کے دوسر دار اسے بلانے کو بھیجے جاتے تھے وہ خلیفہ کے سامنے حاضر ہوتا تو پہلے خلیفہ اس سے تھوڑی دیر تک اس کی ذمہ داریوں کے متعلق گفتگو کرتا، پھر اسے خلعت پہنایا جاتا۔ خلعت پہننے کے بعد وہ خلیفہ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتا اور محل سے رخصت ہوکر اپنے دفتر میں پہنچتا، جہاں اس کی وزارت کا باقاعدہ اعلان کیا جاتا تھا۔ بعد کے زمانے میں وزیروں نے بہت زور پکڑا۔ وہ ہر قسم کے احکام خود جاری کردیتے تھے اور خلیفہ کو بعد میں ان کی اطلاع دے دی جاتی تھی۔ لیکن جب امیر الامراء کا عہدہ قائم ہوا تو وزیروں کے ہاتھ سے سارے اختیارات نکل گئے وزیر کے ماتحت کئی عہدہ دار تھے جو مختلف صیغوں کے افسر ہوتے تھے مالگذاری، ڈاک، پولیس، چونگی، آبپاشی کے الگ الگ محکمے قائم تھے ڈاک کا انتظام بہت اچھا تھا۔ ہر صوبہ میں ڈاک کا ایک اعلیٰ افسر مقرر تھا جو شاہی ڈاک کے انتظام کے علاوہ خلیفہ کو ہر قسم کی اطلاعات پہنچاتا تھا۔ شاہی ڈاک کے ساتھ عام لوگ بھی اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے نام خط بھیجا کرتے تھے۔ ایران میں گھوڑوں

اور خچروں پر اور عرب میں اونٹوں پر ڈاک بھیجی جاتی تھی۔سارے ملک میں ڈاک کی 930 چوکیاں تھیں ۔ جہاں ہر وقت تازہ دم امنٹ اور گھوڑے تیار رہتے تھے۔پولیس کا محکمہ بھی ایک اہم محکمہ تھا پولیس کو شرطہ کہتے تھے اور اس کا اعلیٰ افسر صاحب الشرطہ کہلاتا تھا۔شہر کی پولیس کا افسر محتسب کے لقب سے مشہور تھا بغداد کی پولیس کے اعلےٰ افسر کا شمار سلطنت کے بڑے بڑے عہدہ داروں میں ہوتا تھا۔

دیوانی اور فوجداری مقدموں کے فیصلے کے لئے الگ الگ عدالتیں قائم تھیں۔ لوگوں کی شکایتوں پر غور کرنے کے لئے ایک مجلس مقرر تھی ۔جس میں سلطنت کے بڑے بڑے عہدہ دار شامل ہوتے تھے۔خلیفہ خود اس مجلس کی صدارت کرتا تھا۔ان عدالتوں میں صرف نیک چلن لوگوں کی گواہی اعتبار کے قابل سمجھی جاتی تھی نورالدین محمود زنگی نے اپنے عہد حکومت میں دارالعدل کی بنیاد ڈالی اور اس کے ماتحت جگہ جگہ عدالتیں قائم کیں ۔

عباسیوں نے اپنے عہد حکومت میں آبپاشی کا بہت اعلیٰ انتظام کیا دجلہ اور فرات سے بہت سی نہریں نکالیں جن سے سارا عراق سیراب ہوتا تھا۔سلطنت کے دوسرے حصوں میں بھی نہروں کا جال پھیلا ہوا تھا اور ان کی وجہ سے زراعت کی حالت بہت اچھی تھی ۔ ملک میں گیہوں، چاول، گنا ، روئی اور ہر قسم کے پھل کثرت سے پیدا ہوتے تھے ۔ کان کنی کا پیشہ بھی ترقی پر تھا۔خراسان سے لوہا نکلتا تھا۔کرمان سے چاندی اور سیسہ تبریز سے سنگ مرمر صنعت وحرفت بھی عروج پر تھی ۔بصرہ میں شیشہ

اور صابون کے کارخانے کثرت سے تھے معتصم کے زمانے میں بصرہ کے کاریگروں نے سامرہ اور بغداد میں بھی کارخانے کھولے۔ مصر پرانے زمانے سے کاغذ سازی کے لئے مشہور تھا۔ وہاں کے ہنر مندوں نے دوسرے اسلامی ملکوں میں یہ فن پھیلایا۔ خوزستان میں سوتی کپڑا بنا جاتا تھا۔ کوفہ ریشمی کپڑوں کے لئے مشہور تھا۔ ایران کے دوسرے شہروں میں بھی جگہ جگہ ریشمی کپڑوں اور قالینوں کے کارخانے قائم تھے دمشق کے کاریگر شیشے پر سونے کا ایسا کام کرتے تھے کہ جو دیکھتا تھا حیران رہ جاتا تھا۔

آمدنی کے صیغے کئی تھے ایک تو زمین کے لگان سے اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی دوسرے زکوۃ آمدنی کا ایک اہم صیغہ تھا کانوں اور چراگاہوں کارخانوں اور دکانوں پر بھی محصول لگایا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ چونگی کا محصول بھی وصول کیا جاتا تھا۔

فوج:

عباسی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ ایک تو باقاعدہ فوج جسے تنخواہ ملتی تھی دوسرے والنٹیر جو جنگ کے زمانے میں صرف جہاد کے شوق سے فوج میں شامل ہو جاتے تھے ان کی غیر حاضری کے زمانے میں حکومت ان کے بیوی بچوں کی خبر گیری کرتی تھی، پیادے، نیزوں، بھالوں، تلواروں اور ڈھالوں سے آراستہ ہوتے تھے ان کے سروں پر خود ہوتے تھے جسم پر زرہ ہر فوج کے ساتھ آتش بازوں کا ایک دستہ بھی ہوتا تھا۔ جو آگ برسانے والے آلات سے دشمن کی فوج کو تباہ کر دیتے تھے اس

زمانے میں بندوقیں اور توپیں تو ایجاد نہیں ہوئی تھیں۔ البتہ آگ برسانے والی پچکاریاں ہوتی تھیں۔ جن میں روغن نفت بھر کر پھینکا جاتا تھا۔

فوجی عہدوں کی تقسیم یوں کی گئی تھی کہ دس سپاہیوں کا افسر عریف کہلاتا تھا اور سو سپاہیوں کا سردار نقیب، ایک ہزار سپاہیوں کے افسر کو قائد کہتے تھے اور دس ہزار سپاہیوں کے ایک امیر یعنی جرنیل مقرر کیا جاتا تھا۔ ابتدا میں سپاہیوں کی وردیاں سیدھی سادھی ہوتی تھیں معتصم کے زمانے میں زرق برق وردیوں کا رواج ہوا۔ خاص طور پر ترک سپاہیوں کی وردیاں شاندار ہوتی تھیں۔

جب کوئی فوج جنگ پر بھیجی جاتی تھی تو بہت سے طبیب اور جراح اور کئی اونٹ دواؤں سے لدے ہوئے اس کے ساتھ ہوتے تھے اس کے علاوہ فوجی انجینئروں کا ایک علیحدہ محکمہ قائم تھا۔ یہ لوگ فوجی سرداروں کو قلعے اور شہر فتح کرنے کی تدبیریں بتاتے تھے۔ جنگ کے زمانے میں قلعے اور مورچے تعمیر کرنا اور قلعوں کو توڑنے والے آلات بنانا بھی انہیں کے سپرد تھا۔ یعقوب بن صابر عباسیوں کے زمانے کا مشہور فوجی انجینئر گزرا ہے اس نے اس فن کے متعلق ایک کتاب بھی لکھی ہے تمام بڑے بڑے شہروں میں اسلحہ کا ذخیرہ ہر وقت موجود رہتا تھا اکثر شہروں میں اسلحہ بنانے کے کارخانے بھی تھے۔

بنی امیہ کے عہد حکومت میں پیادوں کو ایک ہزار دینار سالانہ ملتے تھے جو تقریباً ساڑھے پانچ سو روپیہ سالانہ کے برابر ہوتے ہیں۔ سواروں کی تنخواہ اس سے دگنی

ہوتی تھی۔ منصور نے اپنے زمانے میں سپاہیوں کی تنخواہ گھٹا دی۔ اس کے جانشینوں کے زمانے میں فوج کی تنخواہ میں کمی بیشی ہوتی رہی۔ مقتدر کے زمانے میں یہ دستور مقرر ہوا کہ مختلف صوبوں کے حاکم اپنی ماتحت فوج کو خود تنخواہ ادا کیا کریں۔ اس دستور کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض صوبوں میں فوج کو زیادہ تنخواہ ملنے لگی اور بعض میں کم جب خاندان بویہ کے سرداروں کو اقتدار حاصل ہوا تو انہوں نے فوج کو نقد تنخواہ دینے کا طریقہ اڑا دیا اور سپاہیوں کو تنخواہ کے عوض زمین ملنے لگی۔

عباسیوں کے زمانے میں مسلمانوں نے جنگی طریقوں میں بہت ترقی کر لی تھی لڑائی کے وقت سپہ سالار قلب یعنی درمیان کے حصہ کی کمان خود کرتا تھا اور باقی فوج کو چار حصوں میں تقسیم کر دیتا تھا، میمنہ، میسرہ، طلیعہ، ساقہ یعنی دہنا بایاں آگا پیچھا طلیعہ سواروں کا ایک دستہ ہوتا تھا جو فوج کے آگے آگے رہتا تھا کوچ کے وقت یہ سوار زرہ بکتر لگائے اور سروں پر فولادی خود سجائے ہاتھوں میں لمبے برچھے لئے کئی کوس آگے ہوتے تھے اور موقع پاتے تھے تو دشمن پر ہاتھ صاف کر جاتے تھے اس دستہ کے ساتھ کچھ ہوشیار آدمی ایسے بھی ہوتے تھے جو دشمن کے علاقے کے نقشے تیار کرتے تھے۔

مسلمانوں کی فوج میں حیرت انگیز ترتیب نظر آتی تھی۔ جس سے اس زمانے کی دوسری قومیں بالکل خالی تھیں کوچ کے وقت بھی اسلامی فوج کی صفیں ٹوٹنے نہیں پاتی تھیں میدان جنگ میں وہ پیش دستی نہیں کرتے تھے بلکہ دشمن کے حملے کے منتظر رہتے

تھے جب دشمن زور لگا چکتا تو وہ قدم بڑھاتے سوار بھالے سنبھالتے تیر انداز کمانوں کو چلے چڑھاتے اور پیادے ڈھالیں ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر لوہے کی ایک دیوار سی بنا لیتے اور اس پر وار روکتے۔ پھر تلواریں سونتے دشمن پر جا پڑتے۔ سپہ سالار کبھی تو لشکر کے قلب میں ہوتا تھا کبھی کسی اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر حکم احکام جاری کرتا رہتا تھا۔

قلعوں کا محاصرہ کرنے کے لئے بھی مسلمانوں نے بہت سے آلات ایجاد کر رکھے تھے جن کی مدد سے وہ بڑے بڑے مستحکم قلعوں کی دیواروں کو بڑی آسانی سے توڑ پھوڑ ڈالتے تھے چھٹی صدی ہجری میں مسلمانوں نے بارود ایجاد کیا مصر کے بادشاہ سلطان بیبرس بندقداری نے جب تاتاریوں کا مقابلہ کیا تو اس کی فوج میں بندوقچیوں کا ایک دستہ بھی تھا جن کی مدد سے اس نے تاتاریوں کو مار بھگایا۔

عباسیوں کے زمانے میں بحری فوج کے انتظام کی طرف بھی خاص توجہ کی گئی۔ بندرگاہوں میں بکثرت روشنی کے مینار بنائے گئے۔ جہاز اور کشتیاں تعمیر کی گئیں شام اور مصر کے تمام ساحلی شہروں میں جہاز سازی کے کارخانے موجود تھے ابلہ اور بوشہر میں بھی جو ایران کے مشہور بندر ہیں جہاز بنتے تھے یوں تو حکومت کے پاس ہمیشہ ایک مضبوط جنگی بیڑا موجود رہتا تھا۔ لیکن جب ضرورت پڑتی تھی تو مختلف صوبوں اور بندرگاہوں کے حاکموں کو جنگی جہاز اور کشتیاں بہم پہنچانے کا حکم دیا جاتا تھا جہاز کے کپتان کو قائد کہتے تھے اس کا کام صرف بحری فوج کی نگرانی تھا جہاز چلانے کا کام ایک

افسر کے سپرد تھا جو رئیس کے نام سے مشہور تھا جنگی بیڑے کے اعلےٰ افسر کو امیر البحر کہتے تھے۔

خلیفہ کا دربار:

عباسی فرمانروا بڑی شان و شوکت سے دربار لگاتے تھے ان کے دربار دو قسم کے ہوتے تھے ایک تو دربار عام اور دوسرا دربار خاص دربار عام کے موقع پر تین بڑے بڑے ایوان جن کے دروازے ایک دوسرے میں کھلتے تھے درباریوں سے بھرے ہوئے ہوتے تھے ان کے دروازوں پر بھاری پردے پڑے رہتے تھے ایک سو سپاہی زرق برق وردیاں پہنے، ننگی تلواریں ہاتھ میں لئے خلیفہ کے تخت کو گھیرے رہتے تھے اور شاہی خاندان کے لوگ اور بڑے بڑے سردار تخت کے دہنے بائیں صفیں باندھے ہوتے تھے جس شخص کو خلیفہ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا جب وہ دونوں ایوانوں کے دروازوں سے گزر کر تیسرے ایوان کے دروازے پر پہنچتا تھا تو دروازے کا پردہ اٹھا دیا جاتا تھا اور اس کا نام بلند آواز سے پکارا جاتا تھا اس پر وہ کورنش بجالاتا یعنی دہنا ہاتھ سینہ پر رکھ کر سر جھکا دیتا، پھر ہاتھ اٹھا کر پیشانی تک لے جاتا۔

دربار خاص میں شاہی خاندان خاص خاص لوگوں، سرداروں اور بڑے بڑے صاحب کمال لوگوں سے بار ملتا تھا۔ اس موقع پر ولی عہد خلافت خلیفہ کے پاس بیٹھا ہوتا تھا اور درباری تخت کے دہنے بائیں صفیں باندھے کھڑے ہوتے تھے۔ دربار

خاص میں خلیفہ بڑی بے تکلفی سے لوگوں کے ساتھ باتیں کرتا تھا۔ رمضان کے مہینہ میں امیروں وزیروں کو افطاری کی دعوت دی جاتی تھی عید الفطر کے موقع پر امیروں کے علاوہ شہر کے معزز لوگوں اور ہر فن کے کاملوں کو کھانے پر مدعو کیا جاتا تھا۔

خلیفہ مقتدر کے زمانے میں روم کے بادشاہ کا سفیر دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ تو محفل کے سنہری پھاٹک کھلتے ہی اسے سولہ ہزار سوار اور پیادے صفیں باندھے نظر آئے ان کے افسروں کی وردیاں زرکار تھیں ایوان میں جگہ جگہ اڑتیس ہزار پردے لٹکے ہوئے تھے بائیس ہزار قالینوں کا فرش تھا دوسرے ایوان میں پہنچ کر پردہ اٹھا تو خلیفہ کا تخت دکھائی دیا، جس کے سامنے ایک سو شیر ببر کھڑے تھے ان سے کچھ فاصلے پر سونے چاندی کا ایک درخت تھا۔ جس کی اٹھارہ شاخیں تھیں ان پر رنگا رنگ پرندے بیٹھے چہک رہے تھے اس درخت کے پتے اور چڑیاں مختلف قسم کے جواہرات سے بنی تھیں۔

معاشرت:

عباسیوں کے عہد حکومت میں مسلمانوں کی معاشرت بھی بہت کچھ بدلی ہوئی نظر آتی ہے اس زمانے کے لوگ مکانوں کی آرائش میں بڑا اہتمام کرتے تھے۔ مکانوں میں کرسیاں اور میزیں بھی ہوتی تھیں لکڑی کی میزوں کا رواج عام تھا۔ جس میں سیب یا آبنوس سے نقش و نگار بنائے جاتے تھے چاندی کی طشتریوں اور سینیوں اور چینی کی

رقابوں کا رواج بھی تھا چمچے اور کانٹے بھی استعمال کیے جاتے تھے۔

خلیفہ اور اس کے درباری سیاہ رنگ کی قبا پہنتے تھے جو گھٹنوں سے نیچے پہنچتی تھی کمر کے گرد ایک شال یا جڑاؤ پیٹی ہوتی تھی قبا کے نیچے قمیض ہوتی تھی ٹانگوں میں ڈھیلا ڈھالا پاجامہ سر پر ایک لمبی نکیلی ٹوپی کندھوں پر سیاہ لبادہ پڑا رہتا تھا لیکن علما اس ٹوپی کی جگہ عمامہ باندھتے تھے اس پر ایک کپڑا پڑا رہتا تھا۔ جسے طیلسان کہتے تھے۔ قبا پر عبایا جبہ ہوا کرتا تھا ان میں موزے پہننے کا بھی رواج تھا مردبوٹ بھی پہنتے تھے اور جوتی بھی۔

اعلیٰ خاندان کی عورتوں کے سر پر ایک قبہ نما جڑاؤ ٹوپی ہوتی تھی یہ ٹوپی ہارون الرشید کی بہن علیہ کی ایجاد تھی متوسط طبقے کی عورتوں کے سر پر سونے کا ایک جڑاؤ زیور سا ہوتا تھا جس میں موتی اور زمرد نصب کیے جاتے تھے پاؤں میں پازیب اور ہاتھوں میں کنگن پہننے کا رواج بھی تھا۔

علمی ترقی:

جب عربوں نے ایران اور شام پر قبضہ کیا تو انہیں وہاں بہت سی کتابیں ملیں۔ جو یونانی زبان سے سریانی میں ترجمہ کی گئی تھیں عباسیوں کے عہد میں ان کتابوں کا ترجمہ عربی زبان میں کیا گیا اور اس طرح عرب پہلی مرتبہ یونانیوں کے خیالات سے واقف ہوئے لیکن انہوں نے یہ کتابیں رٹ لینے پر ہی قناعت نہیں کی بلکہ طبیعت کے زور

سے ان معلومات پر حاشیے چڑھائے اور علم و حکمت کی مختلف شاخوں میں ایجاد کے پھول کھلائے۔

عربوں نے ریاضی خاص طور پر جبر و مقابلہ میں بڑی ترقی کی۔ مامون کے زمانہ میں محمد بن موسیٰ نے جبر و مقابلہ پر ایک کتاب لکھی جس میں بہت سی نئی باتیں بیان کی گئی تھیں ابو موسیٰ جعفر کوفی نے علم کیمیا کے اصول باندھے۔ علم ہیئت کی طرف بھی توجہ ہوئی اور ستاروں کی گردش، چاند گرہن، سورج گرہن وغیرہ کے متعلق بہت سی مفید باتیں معلوم کی گئیں اس بات کی بھی تحقیق ہوئی کہ کرۂ ارض کتنا بڑا ہے۔

عربوں کو تجارت کا بڑا شوق تھا۔ لیکن عرب تاجر جس ملک میں پہنچتے تھے مال تجارت کے ساتھ علم کے خزانے بھی سمیٹتے جاتے تھے۔ انہیں دوسرے ملکوں کے حالات جاننے کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ کئی عرب تاجروں نے اپنے سفر کے حالات لکھے ہیں۔ جن سے بہت سی کارآمد باتیں معلوم ہوتی ہیں انہیں سفر ناموں کی بنا پر ملکوں کے جغرافیے لکھے گئے اور نقشے تیار ہوئے سلیمان نے جو ایک عرب تاجر تھا، نویں صدی عیسوی میں چین کا سفر کیا۔ اور وہاں کے حالات تفصیل سے لکھے۔ پھر مسعودی نے جو ایک مشہور سیاح گزرا ہے، بہت سے ملکوں کی سیر کر کے وہاں کے جغرافیائی حالات کے متعلق کئی کتابیں لکھیں۔ ابن حوقل ایک اور سیاح ہوا ہے جس نے ملکوں ملکوں کے حالات نہایت دلچسپ انداز میں بیان کئے ہیں ابو ریحان بیرونی، محمود غزنوی کے ساتھ ہندوستان آیا اور مدتوں اس ملک میں رہ کر یہاں کے حالات لکھ گیا۔

قطب نما کی ایجاد کا سہرا بھی عرب جہاز رانوں کے سر ہے۔ اس مفید ایجاد کے باعث سمندری سفر میں بہت آسانیاں ہو گئیں۔ اس کے علاوہ ان لوگوں نے وقت معلوم کرنے کے لیے پانی کی گھڑیاں بنائیں۔ ہارون الرشید نے شارلمین کو جو گھڑی بھیجی تھی وہ بھی اسی قسم کی تھی مسلمانوں نے فن طب کو بھی کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔ رازی، بوعلی سینا اور فارابی اس زمانے کے مشہور طبیب اور فلسفی گزرے ہیں۔ بلاذری، طبری اور ابن اثیر اس عہد کے تاریخ نویسوں میں ممتاز ہیں۔ شعر و شاعری نے ایسا رواج پایا کہ مرد تو مرد عورتیں تک شعر کہتی تھیں۔ چنانچہ اس زمانے کے مردوں میں جہاں ابونواس اور ابوتمام اور متنبّی جیسے شاعر ہیں، وہاں فضل جیسی شاعرہ عورتیں بھی گزری ہیں جن کے اشعار بڑے بڑے شاعروں کے کلام پر بھاری ہیں موسیقی کا چرچا بھی عام تھا اور خاندان خلافت کے اکثر لوگ اس فن میں دسترس رکھتے تھے۔

اسحاق موصلی اس زمانے کا نامور گویا تھا۔ لیکن ہارون الرشید کا بھائی ابراہیم اور اس کی بہن علیہ راگ کے فن میں اس سے پیچھے نہیں تھے۔

غرض عباسیوں کا زمانہ علمی اور تمدنی ترقی کے اعتبار سے بے نظیر تھا بغداد سارے مشرق کی تہذیب اور شائستگی کا مرکز سمجھا جاتا تھا اور ہسپانیہ کے دارالسلطنت قرطبہ کے سوا دنیا کا کوئی شہر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا لیکن تاتاری وحشیوں نے اس شہر کو ایسا مٹایا کہ عباشیوں کی شوکت و تجمل، علم و حکمت، تمدن و معاشرت کی کوئی یادگار باقی نہ چھوڑی، نہ کوئی محل باقی رہا، نہ کوئی مسجد اور کتب خانہ، لاکھوں کتابیں جن کا ہر ورق علم کا

خزانہ تھا۔ آگ کی نذر ہو گئیں۔ کہیں کہیں پرانی کتابوں میں اس زمانے کی اکثر تصنیفوں اور ان کے مصنفوں کے نام مل جاتے ہیں اس سے آگے سراغ نہیں ملتا۔

The End--------------------------------اختتام

IqbalCyberLibrary.Net
All rights reserved.
©2002-2006